طالعۂ علومِ اسلامیہ

522
406

اُردو ترجمہ

کتابُ الطّلاق

مِنَ الہِدایۃ

از

ری احمد ایم اے (علومِ اسلامیہ) ایم اے (عربی) ایم، او، ایل، بی۔ ایڈ
فاضلِ درسِ نظامی
شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

بتجدید نظر

احمد صدیقی ایم اے (عربی) - ایم اے (علومِ اسلامیہ)
شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

تبۃ العِلمیّۃ - ۱۵ لیک روڈ - لاہور

۱۴۹۰۹
۶/2

(چٹان پرنٹنگ پریس میکلوڈ روڈ لاہور)

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الطلاق

باب طلاق السنّہ

مسئلہ : قدوریؒ فرماتے ہیں طلاق کی تین اقسام ہیں : حَسن، اَحسن ور بدعی۔ اَحسن طلاق کی صورت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایسے طُہر میں ایک ہی طلاق دے جس میں اس نے مباشرت نہ کی ہو۔ اور عورت کو اسی حال میں رہنے ے، حتیٰ کہ اس کی عدّت گزر جائے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ انقضائے عدّت تک ک سے زیادہ طلاقیں پسند نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک طلاق دینے والی صورت ن کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ افضل تھی کہ مرد تین طہروں میں تین طلاقیں ے۔ نیز ایک طلاق میں ایک تو مرد کو ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ دوسرے رت کو (عدّت وغیرہ پوری کرنے میں) کم تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ تیسرے اَحسن مکروہ نہ ہونے میں تمام ائمۂ مذاہب متفق ہیں۔

مسئلہ : حَسن یا طلاقِ سُنّت کی صورت یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو تین روں میں تین طلاقیں دی جائیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ ف ایک طلاق ہی مباح ہے کیونکہ اصل میں تو طلاق سے شرعی طور پر منع کیا

Marfat.com

گیا ہے کیونکہ اباحت تو محض خلاصی حاصل کرنے کی مجبوری کے تحت ہوتی ہے اور یہ مجبوری ایک سے بھی دُور ہو سکتی ہے (تو پھر دو یا تین کی کیا ضرورت ہے)۔

ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس میں عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ درج ہے (کہ آپ نے حیض کے دوران عورت کو طلاق دے دی اور باقی دو بھی حیضوں میں دینے کا ارادہ تھا) کہ سنّت تو یہ ہے کہ تو طُہر کا انتظار کرے اور ہر طُہر میں طلاق دے۔ امام مالکؒ کا یہ کہنا کہ ضرورت ایک طلاق سے پوری ہو جاتی ہے؟ اس کے جواب میں ہمارے علماء کہتے ہیں (کہ حاجت ایک پوشیدہ امر ہے۔ اس لئے) حکم کا مدار دلیلِ حاجت پر ہو گا کہ مرد نے عورت کو ایک ایسے زمانے (یعنی طُہر) میں طلاق دی جبکہ جنسی رغبت تازہ اور فروزاں ہوتی ہے۔ اور مرد کا بار بار طلاق دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی قوی حاجت کے پیشِ نظر اس نے طلاق دی ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ عدّت کی مدّت کو لمبا کرنے سے بچنے کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ طُہر کے آخری لمحوں میں طلاق دے۔ مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ ابتدائے طُہر ہی میں طلاق دے دے کیونکہ اگر مؤخر کرے گا تو ممکن ہے ارتکابِ مباشرت کر لے۔ حالانکہ اس کا قصد طلاق دینے کا تھا۔ لیکن جب مباشرت کے بعد طلاق دے گا تو یہ حسن نہ رہے گی بلکہ بدعی بن جائے گی۔

مسئلہ: (طلاق بدعی کی یہ صورت ہے کہ تین طلاقیں ایک بار ہی دے یا

Marfat.com

ایک ہی طہر میں دے اور جب وہ ایسا کر بیٹھے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور دینے والا گناہگار ٹھہرے گا۔ (طلاق بدعی کی اور صورتیں بھی ہیں کہ کلمۂ واحد سے تین طلاقیں طہر یا حیض میں دے۔ یا ایک دورانِ حیض دے دے یا ایک ایسے طہر میں دے جس میں مباشرت کر چکا ہے)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عصیان وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ کیونکہ ہر طلاق مباح ہے اور یہ ایسا شرعی تصرّف ہے جس پر حکم مرتب ہو جاتا ہے اور مشروعیت ممانعت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی (یعنی تصرّف مشروع وہ ہے جس پر ثمرہ مرتب ہو جائے اور بہ یک وقت تین طلاقوں کی صورت میں نتیجہ مرتب ہو جاتا ہے کیونکہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اب اگر کہو کہ اس طرح کی طلاق ممنوع ہے تو مشروعیّت اور ممنوعیّت کا اجتماع ہو گیا حالانکہ دو منافی اشیاء یکجا نہیں ہو سکتیں۔ جب مشروعیّت ثابت ہو گئی تو ممنوعیّت رفع ہو گئی۔ اس لئے گناہگار نہ ہو گا)۔

امام شافعیؒ پر اعتراض کیا گیا کہ حیض کے دوران طلاق دینا غیر مشروع ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ دیکھ لیجئے مشروعیت اور ممنوعیت کا اجتماع موجود ہے۔

امام شافعیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ بحالتِ حیض طلاق صرف اس لئے منع ہے کہ مدّتِ عدّت طویل نہ ہو۔ نفسِ طلاق منع نہیں ہے۔ علمائے احناف کہتے ہیں کہ طلاق میں اصل تو ممانعت ہے کیونکہ اس سے وہ ازدواجی رشتہ منقطع ہو جاتا ہے جس کے ساتھ دین و دنیا کی بہت سی مصلحتیں وابستہ ہوتی

Marfat.com

ہیں۔ اس کی اباحت فقط ضرورت کے تحت ہے اور ضرورت جب ایک ہی سے پوری ہو سکتی ہے تو بیک وقت تین واقع کرنے سے کیا فائدہ ؟ (اگر کہا جائے کہ جب ضرورت ایک سے پوری ہو سکتی ہے تو پھر دوسرے اور تیسرے طُہر میں آپ جوازِ طلاق کے قائل کیوں ہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم حاجت کی دلیل کو مدِّنظر رکھتے ہیں کہ جب وہ متکرّر ہوئی تو پتہ چلا کہ ایک سے حاجت پوری نہیں ہوئی لہذا دلیل کے متکرّر ہونے سے حاجت بھی متکرّر ہو گی (ممکن ہے کہ عورت بہت بداخلاق قسم کی ہو اور مرد طلاق کو مغلّظہ بنا کر ہمیشہ کے لئے گلوخلاصی چاہتا ہو)۔

آپ کی دوسری دلیل (کہ مشروعیّت اور ممنوعیّت کا اجتماع نہیں ہوتا) کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایک شے مشروع بھی ہو اور ممنوع بھی۔ یعنی اس پر ثمرہ مرتب ہو جائے (مثلاً کوئی شخص کسی کی چھری چرا کر جانور ذبح کرلے تو مذبوح حلال ہو گا) اور مذکورہ طلاق میں بھی دونوں حیثیتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ طلاق سے انسان غلامی کے بندھن سے چھوٹ جاتا ہے' اور یہ مشروع ہے۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ طلاق سے دینی اور دنیوی مصالح ضائع ہو جاتے ہیں' اس لحاظ سے طلاق ممنوع ہے تو یہ طلاق مشروع فی ذاتہٖ اور ممنوع لغیرہٖ ہے (کیونکہ مقصود بالذات تو بندھنوں کا ازالہ تھا مگر مصالح بھی بالطبع جاتے رہے) لہذا جو طلاق کسی وجہ سے ممنوع ہے اس کے واقع کرنے سے گناہگار ہو گا۔

(اسی طرح ایک طُہر میں دو طلاقیں دینا بھی بدعت ہے۔ اس کی دلیل پہلے بیان کر دی گئی ہے (کہ جب ایک سے ضرورت پوری ہو سکتی ہے تو دوسری

Marfat.com

کی کیا ضرورت ہے؟

ایک بائن طلاق دینے میں مختلف روایات ہیں۔ امام محمدؒ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ خلافِ سنّت ہے کیونکہ بینونت کی زائد صفت کی کیا ضرورت تھی؟ مگر زیادات میں مذکور ہے کہ اس طلاق میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ بائن طلاق دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فی الفور رہائی حاصل ہو جائے۔

مسئلہ : طلاق میں سُنّت دو طرح سے ہوتی ہے۔ سنّت فی الوقت اور سنّت فی العدد۔ سنّت فی العدد میں مدخولہ اور غیر مدخولہ برابر ہیں۔ اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے (کہ ایک طُہر میں ایک ہی طلاق ہو گی) اور سنّت فی الوقت کا ظہور خاص طور پر مدخولہ کے حق میں ہو گا کہ وہ عورت کو اس طُہر میں طلاق دے جو مباشرت سے خالی ہو کیونکہ دلیلِ حاجت یعنی اقدام علی الطلاق کی رعایت ملحوظ رکھی جائے گی۔ اس زمانے میں جب کہ رغبت موجود ہوتی ہے (یعنی طُہر کے دنوں میں) ایامِ حیض مرد کے لئے گویا زمانۂ نفرت ہے اور طُہر میں ایک بار کی مباشرت سے حاجت میں سُستی اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے (یعنی طلاقِ حَسن وہ ہوتی ہے جس میں دلیلِ حاجت کی رعایت کی جائے کہ طلاق ایسے طُہر میں دے جو مباشرت سے خالی ہو) کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رغبت تازہ ہونے کا زمانہ ہونے کے باوجود اس کا طلاق دینا اس کی (ناگہانی) حاجت پر دال ہے۔ اگر دلیلِ حاجت کی رعایت نہ کی جائے اور ایامِ حیض ہی میں طلاق دے دی جائے تو یہ زمانۂ نفرت ہے اور حاجت کا صحیح ثبوت نہ ہو گا۔ لہٰذا طلاق بدعی ہو گی۔ اسی طرح اگر طُہر میں مباشرت کے بعد طلاق دے دے تو ثابت ہوا

Marfat.com

کہ اس کی حاجت میں کچھ ضعف ونقص ہے مگر پھر بھی اس نے طلاق دے دی تو یہ بھی بدعی ہوگی)۔

مسئلہ : غیر مدخولہ کو طہر وحیض دونوں صورتوں میں طلاق دی جا سکتی ہے مگر امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ غیر مدخولہ کو بھی مدخولہ پر قیاس کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ غیر مدخولہ کی طرف رغبت حقیقی طور پر موجود رہتی ہے جو حیض سے بھی کم نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اسے مقصود حاصل نہ ہو جائے۔ البتہ مدخولہ میں رغبت کی تجدید طہر سے ہوتی ہے (اس لئے دونوں میں فرق ہے)۔

مسئلہ : اگر کسی عورت کو کم سنی یا کبر سنی کی بناء پر حیض نہیں آتا اور مرد اسے سنت کے مطابق تین طلاقیں دینا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے ایک طلاق دے۔ جب ایک ماہ گزر جائے تو دوسری دے دے۔ کیونکہ مہینہ ان عورتوں کے حق میں حیض کے قائم مقام ہوگا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہیں یا جنہیں ابھی تک حیض ہی نہیں آیا یعنی ابھی کم سن ہیں، ان کی عدت تین ماہ ہے اور ہر مہینے کو حیض کا قائم مقام بنانا زیادہ مناسب ہے۔ حتیٰ کہ صغیرہ اور آئسہ کا اگر استبراء کرائے تو اس کا اندازہ بھی مہینہ سے ہوگا۔ حالانکہ استبراء حیض سے ہوتا ہے نہ کہ طہر سے۔

مسئلہ : اگر مہینے کے ابتداء میں طلاق دی جائے تو قمری مہینوں کا اعتبار کریں گے۔ اگر وسطِ ماہ میں طلاق دے تو تیس دن شمار کئے جائیں گے۔ اسی طرح تیس تیس دن کے بعد دوسری اور تیسری طلاق دے گا۔

امام اعظمؒ کے نزدیک عدت کے مسئلے میں بھی یہی صورت ہوگی۔ مگر صاحبین

Marfat.com

یہ کہتے ہیں کہ درمیانی دو ماہ تو چاند کے حساب سے ہونگے مگر اوّل اور آخری کا حساب دنوں کے لحاظ سے ہوگا۔ (مثلاً ۱۵ محرم کو طلاق دی تو صفر اور ربیع الاوّل کا حساب چاند سے ہوگا اور محرّم کے پندرہ دن کے ساتھ پندرہ دن ربیع الثانی کے شمار ہوں گے)۔ یہ مسئلہ اجارات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (اور وہاں بھی اسی طرح اختلاف ہے)۔

مسئلہ:۔ (امام قدوری فرماتے ہیں) مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ آئسہ اور صغیرہ کو مباشرت کے فوراً بعد طلاق دے دے۔ مگر امام زفر فرماتے ہیں کہ وہ مباشرت اور طلاق کے درمیان ایک ماہ کا وقفہ کرے کیونکہ ہم نے مہینے کو حیض کے قائم مقام بنایا ہے۔ نیز مباشرت سے رغبت میں سُستی اور کمی واقع ہو جاتی ہے اور رغبت کی تجدید تقریباً ایک ماہ تک ہو جاتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آئسہ اور صغیرہ میں حمل کا احتمال نہیں اور حائضہ عورتوں کو بعد از مباشرت طلاق دینا شبۂ حمل کی وجہ ہی سے مکروہ ہے کہ عدت میں شک واقع ہوتا ہے (کہ اگر عورت حاملہ ہو تو عدت وضع حمل سے پوری ہوگی ورنہ حیض کے حساب سے مکمل ہوگی) رہا رغبت کا سوال، تو رغبت میں اگرچہ امام زفر کے بیان کے مطابق واقعی سُستی پیدا ہو جاتی ہے مگر دوسرے کئی امور ایسے ہیں کہ جن سے جلد ہی رغبت کی تجدید ہو جاتی ہے۔ (مثلاً ایک مرد کی دو بیویاں ہیں۔ جن میں سے ایک آئسہ اور دوسری ذوات الحیض سے ہے تو مرد غالباً آئسہ کی طرف زیادہ رجوع کرے گا۔ تو مرد ایسی وطی کی طرف زیادہ راغب ہوگا جس سے حمل کا احتمال نہ ہو تاکہ اولاد کی ذمہ داریوں سے

Marfat.com

بچ جائے۔ لہٰذا یہ زمانہ زمانۂ رغبت شمار ہوگا۔ پس یہ بھی زمانۂ حمل کی مانند ہوگا)۔

مسئلہ: حاملہ عورت کو مباشرت کے بعد طلاق دینا بھی صحیح ہے کیونکہ عدت میں اشتباہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں اور زمانۂ حمل وطی کے لئے زمانۂ رغبت بھی ہے۔ کیونکہ اب نئے قرارِ حمل کا کوئی خوف نہیں۔ نیز مرد کی رغبت عورت سے زیادہ ہو جاتی ہے کہ اب وہ اس کے بچّے کی ماں بننے والی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی جماع سے رغبت کم نہ ہوگی۔)

مسئلہ: امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنّت کی اتباع کرتے ہوئے حاملہ عورت کو ہر ماہ کے بعد ایک ایک طلاق دی جا سکتی ہے مگر امام محمدؒ کا قول ہے کہ سنّت تو صرف ایک طلاق ہے کیونکہ اصل میں تو طلاق سے منع ہی کیا گیا ہے اور شرع نے بھی مختلف عدّتوں میں تفریق کی ہے (مثلاً ذوات الحیض سے ہو تو عدت کا حساب حیض سے ہوگا۔ اگر آئسہ یا صغیرہ ہو تو عدّت کا شمار مہینوں سے ہوگا) مگر حاملہ کی صورت میں دونوں ممکن نہیں تو یہ ممتدۃ طہر عورتوں جیسی ہوگی۔ (ممتدۃ طہر وہ عورت ہے جس کے طہر کا زمانہ کئی ماہ تک طویل ہو جائے۔ اس کی عدّت ماہانہ حساب سے نہ ہوگی بلکہ حیضوں کے حساب سے ہوگی اگرچہ ایک طویل عرصہ ہی کیوں نہ گزر جائے۔ ایسی صورت میں ایک طلاق ہی دی جاتی ہے نہ کہ ماہ بماہ ایک ایک دیتا چلا جائے۔

شیخینؒ فرماتے ہیں کہ طلاق کو محض ضرورت کی بنا پر مباح کیا گیا ہے اور مہینے کا وقفہ اس حاجت پر دال ہے جس طرح آئسہ اور صغیرہ کے حق میں ہوتا

Marfat.com

ہے اور یہ ثابت ہے کیونکہ مہینے کا وقفہ اتنا ہوتا ہے کہ جس سے فطرتِ سلیمہ میں رغبت کی تجدید ہو جاتی ہے اور مہینے کا عرصہ گویا ایک نشان اور دلیل ہوتا ہے کہ وہ مائل نہیں ہوا۔ لہٰذا آپ کا ممتدۃ الطہر پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ دلیلِ حاجت وہاں مہینہ نہیں بلکہ طُہر ہے۔ کیونکہ ہر وقت حیض کا امکان ہے کہ شاید آجکل میں حیض آجائے اور پھر نیا طُہر ہو مگر حاملہ کی صورت میں حیض کا امکان نہیں ہوتا۔

مسئلہ: جب مرد حالتِ حیض میں عورت کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس بارے میں ممانعت دوسری وجہ سے ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے لہٰذا اس کا شرعی جواز زائل نہ ہوگا۔

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ مرد مذکورہ صورت میں رجوع کرے کیونکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عمرؓ سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو رجوع کرنے کا حکم دیجئے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی عورت کو ایامِ حیض میں طلاق دی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ طلاق تو واقع ہو گئی لیکن زور رجعت پر ہی رہے گا۔ استحباب کا قول بعض مشائخ کا ہے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ رجوع واجب ہے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل بھی ہو جائے اور جہاں تک ممکن ہو معصیت سے بھی دور رہے۔ کیونکہ اس طرح رجوع کرنے سے اس کا اثر زائل ہوگا یعنی عدت میں کمی ہو گی اور اس کے مضر اثرات دُور ہوں گے۔ (یعنی عورت کی عدت خواہ مخواہ طویل نہ ہو گی کیونکہ یہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا)۔

مسئلہ: شیخ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ عورت جب طاہرہ ہو اور اسے

Marfat.com

حیض آئے۔ پھر طاہرہ ہو تو اب مرد کی مرضی پر منحصر ہے خواہ طلاق دے یا نہ دے۔ مصنف رح فرماتے ہیں: امام محمد رح نے مبسوط میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ مگر امام طحاوی رح نے بیان کیا ہے کہ وہ اسے اسی طہر میں طلاق دے سکتا ہے جو اسی حیض سے متصل ہو۔ امام ابوالحسن کرخی رح فرماتے ہیں کہ طحاوی رح نے امام ابوحنیفہ رح کا قول ذکر کیا ہے اور مبسوط میں صاحبین کا قول درج ہے۔

مبسوط میں مذکورہ قول کی یہ توجیہہ کی جاتی ہے کہ طلاق میں سنت یہ ہے کہ دو طلاقوں کے درمیان ایک مکمل حیض کا فاصلہ ہو اور یہاں "بعض حیض" کا فاصلہ ہے۔ لہٰذا دوسرا حیض مکمل حیض ہوگا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ حیض کی تقسیم ہو سکے اور باقی دوسرے حیض کے شمار کر کے کامل کر لیں تو طہر کے بعد دوسرا حیض ہی کامل ہوگا۔ اس لئے اس حیض کے بعد جو طہر آئے گا وہ زمانہ سنت کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا اس طرح مرد کے لئے ممکن ہے کہ سنت کے مطابق طلاق دے سکے۔

امام طحاوی رح کے قول کی توجیہہ یہ ہے کہ حیض میں واقع طلاق کا اثر رجوع سے ختم ہو جائے گا اور ایسا ہو جائے گا گویا کہ مرد نے ایام حیض میں طلاق دی ہی نہیں۔ اس لئے اس کے متصل طہر میں طلاق بطریق سنت ہوگی۔

مسئلہ: جس شخص نے مدخولہ عورت سے کہا جو حائضہ ہے کہ تجھے تین طلاقیں سنت کے مطابق ہیں اور اس کی کچھ نیت نہ تھی۔ عورت پر ہر طہر میں ایک ایک طلاق واقع ہوتی جائے گی۔ کیونکہ "للسّنّۃ" میں لام برائے وقت ہے گویا مرد نے عورت سے یوں کہا: انتِ طالق وقت السّنّۃ اور وقت سنت

Marfat.com

طُہر ہے جو مباشرت سے خالی ہو۔

مسئلہ : اگر مرد نے یہ نیّت کی ہو کہ ایک ہی وقت تین واقع ہو جائیں یا ہر ماہ کے ابتداء میں ایک واقع ہوتی جائے تو حسبِ نیّت ہوگا اور اس صورت میں عورت خواہ حالتِ حیض میں ہو یا حالتِ طُہر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں : جمع کی نیّت درست نہیں کیونکہ یہ تو بدعت ہے (اور آپ نے لفظ سنّت کو پیشِ نظر رکھنا ہے) اور بدعت سنّت کی ضد ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جمع کا احتمال بھی لفظوں سے نکل سکتا ہے اور بیک وقت تین طلاق دینا بدعت ہے۔ مگر جب ایسا ہو جائے تو ان کا وقوع سنت سے ثابت ہے۔ اس لئے مطلق کلام سے بیک وقت تین مراد نہیں ہو سکتیں۔ ہاں جب نیّت کرے تو ہو سکتا ہے۔

مسئلہ : اگر عورت آئسہ یا "ذوات الاشہر" ہے یعنی ایسی صغیرہ جس سے مباشرت ہو چکی ہے تو ایک طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی اور باقی دو ایک ایک ماہ کے بعد کیونکہ مہینہ ان کے حق میں دلیلِ حاجت ہے جس طرح ذوات الحیض کے بارے میں طُہر دلیلِ حاجت ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

مسئلہ : اگر مرد اسی وقت تین طلاق بیک وقت دینے کی نیّت کرے تو ہمارے نزدیک واقع ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں (انہ محتمل لفظہ) البتہ وہ صورت اس سے مختلف ہو گی جبکہ مرد عورت کو یہ

Marfat.com

کہے کہ "أَنْتِ طَالِقٌ لِلسُّنَّةِ" یعنی تجھے مسنون طریقے سے طلاق ہے۔ اور تین کے عدد کی صراحت نہ کرے تو نیتِ جمع جائز نہیں (یعنی اگر عدد کی صراحت نہ کرے اور مطلقاً "انت طالق للسنۃ" کہے تو تین کی نیت کر سکتا ہے مگر جمع نہیں کر سکتا بلکہ ہر طُہر کے بعد ایک ہوگی) کیونکہ تین کی نیت اس لئے درست تھی کہ لام وقت کے لئے ہے لہٰذا وہ مسنون وقت کی عمومیت کو ظاہر کرتا ہے (گویا مرد نے کہا کہ جب بھی وقتِ سنّت آیا تو تجھ پر طلاق ہے۔ تو جب پہلا طُہر آیا یہ وقتِ سنّت ہے۔ ایک واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے طُہر کے وقت) اور عمومیّت کا یہ تقاضا ہے کہ اس میں طلاق بار بار واقع ہو گی۔ لہٰذا اب اگر وہ جمع کی نیّت کرے تو وقت کی عمومیت باطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ لہٰذا تین کی نیّت مطلقاً درست نہ ہو گی۔

فصل

مسئلہ : ہر خاوند کی دی ہوئی طلاق نافذ ہو گی بشرطیکہ وہ عاقل اور بالغ ہو۔ لیکن سونے والے، بچّے اور پاگل شخص کی طلاق نافذ نہ ہو گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر طلاق سوائے بچّے اور مجنون کی طلاق کے جائز ہے کیونکہ اہلیّت ہمیشہ اسی وقت پائی جاتی ہے جب کہ انسان صاحبِ عقل اور صاحبِ تمیز ہو مگر بچہ اور پاگل دونوں اس اہلیّت سے محروم ہیں اور سونے والا اپنے آپ میں نہیں ہوتا۔

مسئلہ : طلاق بالجبر واقع ہو جاتی ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کو اس میں

Marfat.com

اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجبوری اختیار کے منافی ہے اور اختیار پر ہی تمام تصرفاتِ شرعیہ کا مدار ہے۔ بخلاف مذاق میں طلاق دینے والے کے کیونکہ وہ الفاظ کے ادا کرنے میں صاحب اختیار ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مجبور شخص نے طلاق دینے کا قصد اس وقت کیا جب کہ وہ خود اس بات کا اہل تھا۔ نیز طلاق اس نے اپنی منکوحہ بیوی کو دی ہے۔ لہٰذا اس کا یہ قصد اس کے شرعی حکم کے نفاذ سے خالی نہ رہے گا تاکہ اس کی حاجت پوری ہو سکے (کہ اگر طلاق نہ دے تو شاید قتل کر دیا جائے) لہٰذا اس صورت میں اسے ایسا شخص تصور کیا جائے گا جس نے اپنی رضا و رغبت سے عورت کو طلاق دی ہو۔ کیونکہ اس نے دو شر دیکھے اور دونوں میں سے چھوٹے کو اختیار کر لیا اور اس فعل میں اس کے قصد و اختیار کی علامت صاف ظاہر ہے۔ صرف اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اس حکم کے نفاذ پر راضی نہیں۔ مگر طلاق کے نافذ ہونے پر راضی نہ ہونا طلاق کے واقع ہونے میں مخل نہیں ہوتا جیسا کہ ہنسی مذاق میں طلاق دینے کے مسئلے میں۔

مسئلہ: نشے کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ امام کرخیؒ، طحاویؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق اس کی ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ قصد کا مدار عقل پر ہے اور (نشے کی وجہ سے) بوقت طلاق اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ انسان اجوائن خراسانی یا افیون جیسی کوئی دوا پی کر زائل العقل ہو جاتا ہے (تو طلاق واقع نہیں ہوتی اور آپ بھی اسے تسلیم کرتے ہیں)۔

Marfat.com

ہم کہتے ہیں کہ نشے کی حالت میں عقل معصیت کی وجہ سے زائل ہوئی ہے اس لئے اس کی تنبیہ اور سزا کے لئے حکماً عقل کو "باقی" سمجھا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر شراب پینے سے اسے سر درد ہو گیا اور سر درد سے عقل زائل ہو گئی تو اب طلاق واقع نہ ہو گی (کیونکہ سر درد شراب کے لوازم سے نہیں)

مسئلہ: گونگے آدمی کی طلاق اشارے سے واقع ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس کے عندیہ پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اشارے کو ضرورت کے تحت عبارت کے قائم مقام گردانا جائے گا (تاکہ اس کی حاجت پوری ہو سکے)۔ ان اشارات پر کتاب الطلاق کے آخر میں بحث کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ: لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہوتی ہیں، خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام۔ اسی طرح حرّہ کی تین طلاقیں ہیں، خاوند آزاد ہو یا غلام۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عدد طلاق کا مدار مردوں پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "الطلاق بالرّجال و العدّۃُ بالنساء" یعنی طلاق کا تعلّق مردوں سے اور عدّت کا تعلّق عورتوں سے ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں عورت پر ملکیّت حاصل ہونا اعزاز ہے اور آدمیّت اس کی مقتضی ہے۔ نوع انسانی میں آزاد مرد میں یہ اعزاز اپنے کمال پر ہوتا ہے اس لئے آزاد مرد کو حق ملکیّت میں بھی بہرہ وافر حاصل ہو گا۔

ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے کہ باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدّت دو حیض ہیں۔ نیز عورت کا مرد کے نکاح میں آنا اس

Marfat.com

کے حق میں بمنزلہ نعمت ہوتا ہے (کہ وہ گھر کی مالکہ بن جاتی ہے۔ تمام اخراجات کو پورا کرنا مرد کے ذمّے ہوتا ہے) اور غلامی اس نعمت کو نصف تک محدود رکھتی ہے مگر طلاق کا نصف جزو ہو نہیں سکتا لہٰذا یہ نصف کامل ہو جائیگا اور باندی کی دو طلاقیں ہوں گی۔ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طلاق مرد کی جانب ہی سے واقع ہو سکتی ہے۔

مسئلہ: جب غلام اپنے مالک کی مرضی سے کسی عورت سے نکاح کر لے اور پھر اسے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی اور غلام کے مالک کی طلاق اس کی بیوی پر واقع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ملکِ نکاح غلام کا حق ہے، لہٰذا اسقاطِ حق بھی اسی کے اختیار میں ہوگا نہ کہ مالک کے اختیار میں۔

باب ایقاع الطلاق

مسئلہ: طلاق کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ۔ صریح جیسا کہ اَنْتِ طَالِقٌ وَ مُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ۔ ان الفاظ سے طلاقِ رجعی واقع ہو گی کیونکہ یہ الفاظ طلاق ہی میں استعمال ہوتے ہیں اور غیر طلاق میں نہیں ہوتے۔ لہٰذا یہ الفاظ طلاق کے لیے صریح ہیں اور رجوع کرنا نصِ قرآنی سے ثابت ہے ("وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ" یعنی ان کے خاوند رجوع کرنے کے زیادہ حق دار ہیں)۔

مسئلہ: طلاق صریح میں نیّت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ الفاظ کثرت استعمال کی بناء پر صریح ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک طلاق صریح

Marfat.com

سے بائن کی نیّت کرے (تو بھی رجعی ہی ہوگی) کیونکہ شرع نے جس بینونت کو انقضائے عدّت کے ساتھ معلق کیا ہے وہ اسے اسی وقت واقع کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو اس کا قصد وارادہ قابلِ قبول نہ ہوگا (یعنی شرعی حکم یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی کے بعد جب عدّت گزر جائے تو وہ بائن بن جاتی ہے اور تجدیدِ نکاح کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن مرد نے بائن کی نیت کرکے اسے اسی وقت بائن بنانا چاہا، مگر وہ حکمِ شرع میں تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں لہٰذا اس کا قصد ناقابلِ قبول ہوگا)۔

مسئلہ: اگر خاوند کہے کہ لفظ طلاق سے میری مراد قید و بند سے آزادی تھی نہ کہ تعلقاتِ نکاح سے) تو عدالت میں اس کا کہنا تسلیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ظاہر کے خلاف ہے، ہاں ما بین اللہ و بین العبد سچا مانا جا سکتا ہے کیونکہ ان الفاظ میں ان معانی کا احتمال بھی ہے۔

مسئلہ: اگر مرد نے "اَنْتِ طَالِق" سے "کام سے آزادی" کی نیت کی تو نہ عدالت میں قبول ہوگا اور نہ دیانت میں سچا تسلیم کیا جائے گا۔ کیونکہ طلاق تو (نکاح کی) قید کے ازالہ و رفع کے لئے ہے اور وہ عمل سے مقیّد نہیں (کیونکہ گھر کا کام کاج عورت کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے)۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اسے دیانتہً صادق تسلیم کیا جا سکتا ہے کیونکہ لفظِ طلاق تخلیص اور آزادی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اگر مرد یوں کہے: اَنْتِ مُطْلَقَةٌ تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو۔ کیونکہ یہ لفظ عرف کے لحاظ سے طلاق میں

Marfat.com

مستعمل نہیں۔ لہذا صریح نہ ہوگا۔

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ الفاظ کے استعمال سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، خواہ ایک سے زیادہ کی نیت کیوں نہ کرے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مرد کی نیت کے مطابق واقع ہونگی، کیونکہ لفظ میں ان کا احتمال موجود ہے۔ طَالِقٌ یعنی اسم فاعل میں مصدر بھی موجود ہوتی ہے اور مصدر میں عدد کی نیت کرنا درست ہوتا ہے جیسا کہ عالم کے ذکر میں علم کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ عدد کو جوڑا جا سکتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اَنْتِ طَالِقٌ ثلثاً میں ثلثاً تفسیر و تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے تو ثابت ہوا کہ طالق میں عدد کا احتمال موجود ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ طالق نعت مفرد ہے (یعنی فرد واحد کی صفت کے طور پر بیان ہوئی ہے کیونکہ تثنیہ کی حالت میں طالقان کا استعمال ہوتا ہے اور تین کے لئے طالقات یا طوالق کا۔ اس لئے واحد سے زیادہ عدد کا احتمال نہیں ہوگا۔ کیونکہ تثنیہ و جمع وغیرہ واحد کی ضد ہیں۔ رہا امام شافعیؒ کا استدلال تو اس کا جواب یہ ہے کہ طالق میں جو مصدر آپ کہتے ہیں وہ تو عورت کی صفت ہے۔ یعنی ایک طلاق دی گئی عورت نہ کہ لفظ طلاق کی جس کے معنی تطلیق یعنی طلاق دینے کے ہیں۔ (حوالے کے لئے دیکھیں کشاف۔ زمخشری اور امام رازی) اور وہ عدد جو اس کے ساتھ متّصل ہوتا ہے دراصل اس کے مصدر محذوف کی صفت واقع ہوتا ہے یعنی ثلثاً سے مراد طلاقاً ثلثاً یعنی تین بار طلاق دینا ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے میں نے اسے کثرت سے دیا۔ یعنی مال کثرت سے

Marfat.com

دیا۔ یہاں لفظ بالی محذوف مانا جائے گا۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا: انتِ الطلاق یا انت طالق الطلاق یا انت طالق طلاقاً اور اس کی کچھ نیّت نہ ہو۔ یا ایک یا دو کی نیّت ہو تو ایک رجعی طلاق واقع ہو گی۔ اور اگر تین کی نیّت ہے تو تین واقع ہوں گی۔ دوسرے اور تیسرے لفظ سے طلاق کا وقوع ظاہر ہے کیونکہ جب وہ صرف نعت (انت طالق) کا ذکر کرے تب بھی واقع ہو جاتی ہے۔ تو جب نعت کا بھی ذکر کیا اور ساتھ ہی مصدر بھی مذکور ہوا تو گویا اس کی تقویت و تاکید میں اضافہ کر دیا۔ پہلے جملے سے طلاق اس طرح واقع ہوتی ہے کہ مذکور اگرچہ مصدر ہے مگر اس سے مراد اسم ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: رَجلٌ عَدلٌ ای عَادِلٌ تو اَنتِ الطّلاقُ بمنزلہ انت طالق کے ہو گیا۔ اسی قاعدے کے تحت مرد اگر اَنتِ طلاق کہہ دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور نیّت کی حاجت نہ رہے گی۔ البتہ یہ ایک رجعی طلاق ہو گی۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ کثرتِ استعمال کی بناء پر یہ صریح طلاق ہے۔

مذکورہ صورتوں میں تین کی نیّت بھی درست ہے۔ مصدر میں عموم اور کثرت کا احتمال بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ مصدر اسم جنس ہے (اور جنس میں وحدتِ شخصی اور وحدتِ نوعی دونوں مراد لی جا سکتی ہیں) لہٰذا اس کا شمار باقی اسمائے جنس کی طرح ہو گا تو یہ ادنیٰ یعنی وحدتِ شخصی اور اعلیٰ یعنی وحدتِ نوعی دونوں کو شامل ہو گی۔

مذکورہ جملوں میں دو کی نیّت درست نہیں۔ امام زفرؒ جواز کے قائل ہیں

Marfat.com

کیونکہ دو بھی تین کا حصہ ہے۔ جب تین کی نیّت کی جا سکتی ہے تو دو کی نیت بھی درست ہو گی۔

ہم کہتے ہیں کہ تین کی نیّت مصدر کے جنس ہونے کی وجہ سے درست تھی۔ حتیٰ کہ اگر عورت باندی ہو تو دو کی نیّت بھی درست ہے۔ اس میں بھی اسم جنس پر ہی اعتبار ہوگا (کیونکہ سب باندیوں کو دو طلاقیں ہی دی جا سکتی ہیں) مگر آزاد عورت کے حق میں دو کا عدد جنس نہیں عدد ہے اور یہی ثابت ہے کیونکہ ان الفاظ میں وحدت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو ایک فرد یا ایک جنس اور دو یعنی تثنیہ نہ منفرد ہے اور نہ ہی جنس۔ لہذا یہ مراد نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ : اگر مرد نے کہا: انت طالق الطلاق اور کہا کہ طالق سے میرا مقصد ایک طلاق تھا اور الطلاق سے دوسری تو اس کی تصدیق کی جائے گی (اور دو رجعی طلاقیں واقع ہوں گی) کیونکہ دونوں لفظ ایقاع طلاق کی صلاحیت رکھتے ہیں گویا اس نے طالق و طالق کہا۔ اگر عورت مدخولہ ہو تو دو رجعی واقع ہوں گی۔

مسئلہ : جب طلاق کو پوری عورت یا اس کے ان اعضاء کی طرف جن سے مراد پوری عورت لیا جا سکتا ہے کی طرف مضاف کرے تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلاق کی نسبت بالکل صحیح ہے۔ مثلاً یوں کہے: انتِ طالق (تجھے طلاق ہے) کیونکہ تاء مؤنث کی ضمیر ہے (جس سے مراد عورت ہے) یا رقبتكِ طالق (تیری گردن کو طلاق ہے) یا عُنقكِ طَالق (تیری گردن کو طلاق ہے)

Marfat.com

یا رأسك طالق (تیرے سر کو طلاق ہے) یا رُوحك یا بَدنك یا جَسدُكِ یا فرجك یا وجهكِ طالق (تیرے روح یا بدن یا جسم یا تیری شرمگاہ یا مُنہ کو طلاق ہے) کیونکہ ان الفاظ سے پورا بدن مراد لیا جا سکتا ہے۔ جسد اور بدن میں تو ظاہر ہے۔ اسی طرح دوسرے الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فتحریر رقبةٍ (رقبہ سے مراد پورا غلام ہے) فَظَلَّتْ اعناقهم (عنق سے مراد صاحبِ عنق یعنی آدمی ہے) حضورؐ کا ارشاد ہے: لَعَنَ اللّٰہُ الفروج علی السروج (فروج سے مراد عورتیں ہیں) فلان رأس القوم یا وجه القوم (راس اور وجہ سے مراد پورا انسان ہے) وهلك روحه یعنی نفسه، اسی معنی میں دم (خون) کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے دَمُهٗ هَدْرٌ (اس کا خون رائیگاں گیا) اسی طرح نفس کا لفظ۔ اور یہ ظاہر ہے۔

مسئلہ: اسی طرح اگر جزو مشہور کی طرف طلاق کی اضافت کی جائے۔ مثلاً کہا جائے تیرے نصف یا تیسرے حصے کو طلاق ہے۔ کیونکہ جزو شائع تمام تصرفات کا محل نہیں بن سکتا۔ جیسے بیع وغیرہ میں (مثلاً نصف غلام فروخت کر دے) اسی طرح جزو شائع محل طلاق بھی بن سکتا ہے لیکن وقوعِ طلاق کی صورت میں تجزی ممکن نہیں۔ لہٰذا ضرورت کے تحت پوری عورت کو طلاق واقع ہو گی۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا کہ تیرے ہاتھ کو طلاق ہے یا تیرے پاؤں کو طلاق ہے تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح ان تمام اعضائے جسمانی کی طرف طلاق منسوب کرنے میں اختلاف ہے جن سے عموماً تمام بدن مراد نہیں ہوتا۔

۱۴۹۰۹

Marfat.com

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عقدِ نکاح کی وجہ سے عورت کے اس عضو سے تمتع ہو چکا ہے تو جس کی یہ کیفیت ہو وہ حکمِ نکاح کا محل ہوتا ہے (کہ نکاح کی وجہ سے مرد کے لئے اس کا تمتع جائز ہوا ہے) پس وہ عضو محلِ طلاق بھی ہوگا (اس لئے طلاق کی وجہ سے ناجائز ہو جائے گا) اور حکم طلاق اپنے منسوب کی وجہ سے اس جزء میں ثابت ہوگا اور پھر یہی حرمت سارے جسم میں سرایت کر جائے گی۔ جس طرح جزو شائع میں آپ بھی قائل ہیں۔ بخلاف اس صورت کے جب نکاح کو ایسے جزو (یعنی جزو معین) کی طرف منسوب کرے۔ کیونکہ ایسی صورت میں جزو کا حکم متعدی ہو کر تمام اجزاء پر غالب نہیں آسکتا بلکہ باقی اجزاء کی حرمت ایک جزو کی حلت پر غالب آجائے گی (کیونکہ جب حلت و حرمت کا مقابلہ ہو تو غلبہ حرمت کو ہوتا ہے) اور طلاق کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہاں ایک جزوِ بدن حرام ہو جاتا ہے تو اس کا اثر بدن کے سارے اجزاء تک سرایت کر جاتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے طلاق بدن کے ایسے جزو کی طرف منسوب کی ہے جو اس کا محل نہیں۔ لہٰذا یہ اضافت ہی لغو ہوگی جیسے مرد طلاق کو اس کی تھوک یا ناخن کی طرف منسوب کرے کیونکہ محل طلاق وہ چیز بن سکتی ہے جس میں قید پائی جائے۔ کیونکہ لفظِ طلاق اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ وہ قید اُٹھ گئی ہے اور ہاتھ میں کوئی قید نہیں ہوتی (بلکہ قید تو مجموعۂ بدن میں ہوتی ہے کیونکہ عورت نکاح کے بعد بھی اپنے مال میں اپنے ہاتھوں سے تصرف کرسکتی ہے) اور اسی لئے عضو معین کی طرف اضافتِ نکاح بھی درست نہیں۔ بخلاف "جزو شائع" کے کیونکہ وہ ہمارے

Marfat.com

نزدیک محلِ نکاح ہوتا ہے۔ لہٰذا نکاح کی اضافت جزو شائع کی طرف درست ہے۔ پس جزو شائع محلِ طلاق بھی ہوگا۔ پُشت اور پیٹ کی طرف طلاق منسوب کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے مگر مشہور یہی ہے کہ طلاق نہیں ہوگی کیونکہ ان اعضاء سے پورا بدن مراد نہیں لیا جاتا۔

مسئلہ : اگر مرد نے عورت کو نصف طلاق دی یا ایک تہائی طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہو سکتے اور ہر وہ چیز جو اجزاء میں منقسم نہ ہو سکے۔ اس کے بعض حصّے کے ذکر کرنے سے پوری چیز مراد ہوگی اور اس سے اوپر ہر حصّے کے ذکر کرنے (یعنی چوتھائی حصّہ، دسواں حصّہ وغیرہ) کی صورت میں بھی یہی جواب ہوگا۔

مسئلہ : اگر مرد نے عورت سے کہا : اَنْتِ طالق ثَلٰثَۃَ اَنْصَافِ تطلیقتین" یعنی تجھے دو طلاقوں کے تین نصف طلاقیں ہیں تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے اور جب تین نصف جمع ہوئے تو ضرورۃً" تین طلاقیں بن گئیں۔

مسئلہ : اگر مرد نے کہا : "انت طالق ثلٰثۃ انصاف تطلیقۃ" یعنی تجھے ایک طلاق کے تین نصف طلاقیں ہیں، تو بعض کے نزدیک دو واقع ہوں گی کیونکہ ایک کے تین نصف مل کر ڈیڑھ ہو گئے۔ مگر آدھی مکمل ہو کر پوری بن گئی اور دو مکمل ہو گئیں۔ بعض نے کہا کہ تین واقع ہوں گی کیونکہ ہر نصف مکمل ہو کر ایک بن جائے گا اور اس طرح پوری تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

مسئلہ : اگر مرد نے کہا : انت طالق من واحدۃٍ الی ثِنْتَیْنِ اَوْ مَا

Marfat.com

بَیۡنَ وَاحِدَۃٍ اِلٰی ثِنۡتَیۡنِ یعنی تجھے ایک سے دو تک طلاقیں ہیں یا جتنی ایک سے دو تک کے درمیان ہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک ہی واقع ہوگی۔ (صاحبین کے نزدیک دو ہونگی اور امام زفرؒ کے نزدیک کچھ نہیں)۔

اور اگر یہ کہا: انت طالق من واحدۃ الی ثلاثٍ او ما بین واحدۃٍ الی ثلث۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دو طلاقیں واقع ہونگی۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں دو اور دوسری صورت میں تین واقع ہونگی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں کچھ بھی نہ ہوگا، البتہ دوسری صورت میں ایک واقع ہوگی۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام زُفرؒ کا قول قیاس کے مطابق ہے کیونکہ دونوں اطراف اپنے منتہا میں داخل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ ایک آدمی کہے کہ میں نے اس دیوار سے اُس دیوار تک جگہ فروخت کر دی تو دونوں دیواریں بیع میں داخل نہیں ہونگی۔ صاحبین کا قول استحسان پر مبنی ہے کہ اس قسم کا کلام جب مذکور ہوتا ہے تو بالعموم اس سے مراد کل ہی ہوتا ہے۔ جیسے آپ کسی سے کہیں کہ خُذ من مالی من درھمٍ الی مائۃٍ (تو میرے مال سے ایک سے سو درہم تک لے سکتا ہے) تو ایک اور سو بھی اس میں داخل ہوتے ہیں۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کلام میں "اکثر من الاقل" اور "اقل من الاکثر" مراد ہوتا ہے (یعنی جہاں دو عددوں کے درمیان کوئی عدد ہو وہاں "اکثر من الاقل" مراد ہوگا جیسے انت طالق من واحدۃ الی ثلث میں۔ اب یہاں "اقل" اور "اکثر" کے درمیان ایک عدد ہے تو

Marfat.com

"اکثر من الاقل" لیں گے۔ اقل ایک ہے، اس سے زیادہ دو۔ لہٰذا دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور اگر دو عددوں کے درمیان کوئی عدد نہ ہو، مثلاً "انت طَالِقٌ من واحدۃٍ الی ثنتین" تو یہاں "اقل من الاکثر" لیں گے۔ اب یہاں اقل ایک ہے اور اکثر دو۔ تو اقل یعنی ایک مراد لیں گے) جیسے کوئی کہے کہ میری عمر ساٹھ ستّر سال کے درمیان ہے تو اُنہتّر مراد ہوگا۔ اور اگر یوں کہے کہ میری عمر ساٹھ اکسٹھ سال ہے تو ساٹھ سال مراد ہوں گے اور لوگ عموماً یہی مراد لیتے ہیں، جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

صاحبین کے جواب میں امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا بیان کردہ طریق طریقِ اباحت ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو طلاق میں اصل ممانعت ہے (لہٰذا آپ کا بیان کردہ طریق یہاں جاری نہ ہوگا)۔

امام زفرؒ کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ غایتِ اولیٰ کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ اس پر غایتِ ثانیہ مترتّب ہو سکے اور اس کا وجود جبھی تسلیم ہو سکتا ہے جب کہ واقع ہو جائے (یعنی اعداد وغیرہ میں پہلی غایت کا اعتبار ضرورۃً کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ میری عمر ساٹھ ستّر کے درمیان ہے اور ساٹھ کا اعتبار ہی نہ کیا جائے تو ستّر ستّر ہی نہیں بن سکتے بلکہ دس بنیں گے۔ لہٰذا غایتِ ثانیہ کے مترتب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ غایتِ اولیٰ کا اعتبار کریں اور یہی صورت طلاق میں ہے) بخلاف بیع کے (کہ وہاں غایتِ اولیٰ کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں) کیونکہ وہاں تو دونوں غایتیں بیع سے پہلے ہی موجود ہوتی ہیں (اور طلاق کی صورت میں طلاق سے پہلے تو غایت موجود نہیں۔ پہلی غایت طلاق دینے پر

Marfat.com

موجود ہوگی۔ اگر پہلی کا اعتبار ہی نہ کریں تو دوسری اس پر کیسے مترتب ہوگی)۔

اگر انتِ طالق من واحدۃٍ الی ثنتین میں ایک کی نیت کرے تو دیانۃً اس کی بات مانی جائے گی لیکن عدالت میں اسے تسلیم نہ کیا جائے گا۔ دیانۃً اس لئے کہ کلام میں اس کا احتمال تو ہے مگر ہے خلافِ ظاہر (کیونکہ ایسی کلام میں اکثر من الاقل مراد ہوتا ہے)۔

مسئلہ: اگر مرد کہے "انت طالق واحدۃ فی ثنتین" اور ضرب و حساب کی نیت کرے یا کچھ نیّت نہ کرے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ عرفِ حساب کے تحت دو واقع ہوں گی۔ حسنؒ بن زیاد کا بھی یہی قول ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ عملِ ضرب اجزاء کو بڑھانے کے لئے ہوتا ہے مضروب میں اضافے کے لئے نہیں (تو واحد فی ثنتین کا مطلب ۱ × ۲ نہیں ہوگا بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ ایک کے دو حصے ہو گئے یعنی ۱ ÷ ۲) اگر ایک طلاق کے اجزاء کثیر ہو جائیں تو اس سے تعدّد لازم نہیں آتا۔

مسئلہ: اگر مرد انت طالق واحدۃ فی اثنتین میں واحدۃ واثنتین کی نیت کرے تو تین طلاقیں واقع ہونگی۔ کیونکہ الفاظ میں ان کا احتمال موجود ہے۔ واؤ بھی جمع کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح ظرف بھی مظروف کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ اگر عورت غیر مدخولہ ہو تو ایک واقع ہوگی جیسا کہ انتِ طالق واحدۃ واثنتین کہے۔

اور اگر "انتِ طالق واحدۃ فی ثنتین" میں "واحدۃ مع ثنتین" کی نیت کرے تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ کلمہ فی بمعنی مع بھی

Marfat.com

مستعمل ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ: "فادخلی فی عبادی ای مع عبادی"۔
(صاحب ہدایہ کی یہ مثال درست نہیں ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ اس آیت میں فی بمعنی مع نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہے: ادخلی فی جملۃ عبادی)
اگر فی سے مراد ظرفیت لے تو ایک واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا دوسری چیز یعنی فی ثنتین کا ذکر لغو ہوگا۔
مسئلہ: اگر مرد نے کہا: انت طالق اثنتین فی اثنتین اور ضرب حساب کی نیّت کر لی تو دو ہی طلاقیں ہوں گی۔ امام زفرؒ کے نزدیک تین۔ کیونکہ حساب کے قاعدے کے مدّنظر تو چار ہوتی تھیں مگر تین سے زیادہ طلاقوں کا وقوع نہیں ہوتا۔ امام زفرؒ کے جواب میں ہم وہی دلیل پیش کریں گے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔
مسئلہ: اگر مرد نے کہا کہ تجھے یہاں سے ملک شام تک طلاق ہے تو یہ ایک رجعی طلاق ہوگی۔ امام زفرؒ کے نزدیک یہ بائن ہوگی۔ کیونکہ مرد نے طلاق کو طول سے متّصف کیا ہے (اور یہ طوالت بائن ہونے کا تقاضا کرتی ہے)۔
ہم کہتے ہیں کہ اس نے طول سے کہاں متّصف کیا بلکہ اس نے محدود کر کے رکھ دیا (کیونکہ انت طالق ایسی عام صفت ہے کہ عورت جہاں بھی ہو، روم میں یا شام میں یا ایران میں، طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ تو مرد نے طلاق کو شام کے ساتھ مقیّد کر کے عمومیت کے امکانات کم کر دیئے) لیکن مذکورہ صورت میں بھی ہر مقام پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ مرد کے مشروط کرنے سے تخصیص نہ ہوگی۔
مسئلہ: اگر مرد نے کہا: انتِ طالق بمکۃ او فی مکۃ تو اسی وقت

Marfat.com

طلاق واقع ہو جائے گی۔ عورت خواہ کسی شہر میں ہو۔ اسی طرح اگر مرد نے کہا "انت طالق فی الدار" کیونکہ طلاق کسی ایک مقام کے ساتھ خاص نہیں ہوتی۔

اگر بمکۃ یا فی مکۃ کی صورت میں مرد کہے کہ میری مراد یہ تھی کہ جب تو مکہ میں آئے گی تجھے طلاق ہو گی تو دیانۃً مرد کی تصدیق کی جائے۔ عدالت میں نہیں کیونکہ اس نے پوشیدہ امور کی نیت کی، اور ایسی نیت کرنا مسلمہ عقائد کے خلاف ہے۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا: "انتِ طالق اذا دخلتِ مکۃ" تو جب تک مکہ میں داخل نہ ہو گی اس پر طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ مرد نے طلاق کو دخولِ مکہ سے معلق کر دیا ہے۔

اگر مرد نے کہا: "انتِ طالق فی دخولكِ الدار" تو یہ طلاق اس فعل سے متعلق ہو جائے گی کیونکہ ظرف اور شرط باہم ملتے جلتے ہیں۔ لہٰذا ظرف مذکور نہ ہونے کی صورت میں اسے شرط گردانا جائے گا۔

فصل فی اضافة الطلاق الی الزمان
وقت اور زمانے کی طرف طلاق منسوب کرنے کا بیان

مسئلہ: اگر مرد عورت سے کہے: انتِ طالق غداً تو طلوعِ فجر کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے عورت کو آنے والے کل کے پورے دن کے ساتھ طلاق سے منسوب کیا ہے، تو تمام دن میں طلاق تبھی متصور ہو سکتی ہے جب کہ دن کے

Marfat.com

اوّل حصّہ میں وقوعِ طلاق ہو جائے۔ اگر آخر النہار کی نیّت کرے تو دیانۃً تصدیق کی جائے گی عدالت میں نہیں۔ کیونکہ اس نے عموم میں تخصیص کی نیّت کی۔ اگرچہ اس کا احتمال موجود تو ہے مگر ظاہر کے خلاف ہے (لہذا عدالت میں تصدیق نہ ہو گی)

مسئلہ: اگر مرد نے کہا: "انت طالق الیوم غداً اَوْ غداً الیوم" تو جو وقت پہلے منہ سے کہے گا اسی کا اعتبار ہو گا۔ پہلی صورت میں اسی دن اور دوسری صورت میں دوسرے دن وقوعِ طلاق ہو گا۔ کیونکہ جب اس نے الیوم (آج) کہا تو یہ فوری طور پر نافذ ہو گا اور فوری نفاذ اضافت کا احتمال نہیں رکھتا (کہ غد کی طرف مضاف کر دیا جائے) اگر پہلے غد کہا تو اس صورت میں بھی اضافت موجود ہے اور کسی متعیّن وقت سے منسوب حکم کا نفاذ فوری نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ اس سے اضافت باطل ہو جاتی ہے۔ لہذا دونوں صورتوں میں دوسرا لفظ لغو قرار پائے گا۔

مسئلہ: اگر مرد نے انت طالق فی غدٍ کہا اور کہنے لگا کہ میری نیّت آخر نہار کی تھی تو امام اعظمؒ کے نزدیک قضاءً بھی تصدیق کی جائے گی۔ مگر صاحبین کے نزدیک نہیں۔ کیونکہ مرد نے عورت کو "کل" کے سارے دن کے ساتھ طلاق سے متصف کیا ہے گویا اس نے فی غدٍ کے بجائے غداً کہا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ لہذا عدمِ نیّت کی صورت میں دن کے اوّل حصّے میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ فی کا اثبات اور حذف برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ غد دونوں صورتوں میں ظرف ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ مرد نے حقیقتِ کلام کی نیّت کی۔ کیونکہ کلمہ "فی"

Marfat.com

حقیقۃً ظرف کے لئے ہے اور ظرف میں استیعاب ضروری نہیں ہوتا ظرف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ مظروف اس کی کسی جزء میں واقع ہو) اور عدمِ نیّت کی صورت میں جزءِ اوّل کی تعیین اس لئے تھی کہ وہاں کوئی مزاحم نہ تھا اور ضرورتاً ہم نے ایسا کر دیا۔ مگر مرد نے جب خود ہی نیّت کر کے آخرِ نہار متعیّن کر دیا تو تعیّن بالارادہ تعیّنِ ضروری سے اولیٰ قرار پائے گا بخلاف اس کے غداً کہنے کے۔ کیونکہ وہ استیعاب کا مقتضی ہے کیونکہ اس نے عورت کو طلاق سے پورے دن کے ساتھ متّصف کیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے واللہ میں تمام عمر روزہ رکھوں گا۔ اور پہلی کی مثال یہ ہے کہ واللہ میں اپنی عمر میں روزہ رکھوں گا اور یہی صورت دھر اور فی الدھر کی ہے۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا کہ تجھے گزشتہ کل طلاق ہے حالانکہ اس نے شادی ہی آج کی ہے تو کچھ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے طلاق کو ایک ایسی حالت معہودہ (یعنی جب نکاح ہی نہ تھا) کی طرف منسوب کیا ہے جس میں اسے ملکیتِ طلاق حاصل نہ تھی۔ لہٰذا یہ کلام لغو ہو جائے گا۔ جیسا کہ یوں کہے: انت طالق قبل ان اُخلق (یعنی تجھے میری پیدائش سے پہلے طلاق ہے) اور یہ اس لئے بھی لغو ہے کہ اس سے مرد گویا خبر دے رہا ہے کہ کل ہمارا نکاح ہی نہ تھا۔ یا تو کل کسی دوسرے خاوند کی مطلقہ ہو چکی تھی۔ (اور آج میری منکوحہ ہو تو یہ کلام بطورِ انشا درست نہیں ہو سکتا بطورِ خبر درست ہو سکتا ہے)۔

مسئلہ: اگر مرد کل (گزشتہ) سے پہلے نکاح کر چکا ہو تو اسی وقت طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں اس نے طلاق ملکیت کی منافی حالت کی

Marfat.com

طرف منسوب نہیں کی اور اسے خبر بنا کر تصحیح بھی نہیں کی جا سکتی۔ لہذا انشا ہوگی (کیونکہ اسے حقِ ملکیت حاصل ہے) اور ماضی میں کسی چیز کا نفاذ گویا اس کا حال میں نافذ ہونا ہے لہذا طلاق اسی وقت واقع ہوگی۔

مسئلہ : اگر مرد نے کہا : انت طالق قبل اَنْ اتزوجك (یعنی تجھے طلاق ہے قبل اس کے کہ میں تجھے نکاح میں لاؤں) تو کچھ واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے ملکیتِ طلاق کو ایسی حالت کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ اسے ملکیتِ طلاق کا حق حاصل نہ تھا۔ تو اس کا یہ کہنا اس قول کے مترادف ہوگا کہ میں نے تجھے طلاق دی جب کہ میں بچہ تھا، یا سودائی تھا۔ اور اس کلام کو بصورتِ خبر بھی کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ : اگر مرد نے کہا : انت طالق مالم اطلقك او متی لم اطلقك او متی مالم اطلقك (یعنی تجھے طلاق ہے جب تک کہ میں تجھے طلاق نہ دوں)۔ یہ کہہ کر مرد خاموش ہو گیا تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے طلاق کو ایک ایسے زمانے کی طرف منسوب کیا ہے جو تطلیق سے خالی ہے۔ اور جب خاموش ہو گیا تو وہ زمانہ پا گیا۔ (سوال آپ متی بمعنی اذا کیوں نہیں لیتے تاکہ جب تک زن و شوہر میں ایک مر نہ جائے طلاق واقع ہی نہ ہو۔ جواب) کلمہ متی اور متی ما صراحتاً وقت کے لئے استعمال ہوتے ہیں کیونکہ ظرف زمان ہیں۔ اور اسی طرح ما بھی وقت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : مَا دُمْتُ حَيًّا ای وقت الحیٰوۃ (یہاں ما وقت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے)۔

Marfat.com

مسئلہ : اگر مرد نے کہا: "انتِ طالق اِن لم اُطلقكِ" (اگر میں تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے) تو مرد کے مرنے تک طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ عدم (طلاق) زندگی سے ناامیدی کے وقت تک متحقق نہیں ہوسکتا (یہ احتمال مرنے تک موجود رہتا ہے کہ اگر آج طلاق نہیں دی تو شاید کل یا پرسوں دے دے یا اس کے بعد دے۔ مگر موت کے بعد احتمال ختم ہوجاتا ہے) اور وہ شرط ہے جیسا کہ مرد کہے : اَنتِ طالق ان لم اٰتِ البصرۃ ("اگر میں بصرے میں نہ آؤں تو تجھے طلاق ہے"۔ مرد کی وفات تک بصرے میں آنے کا احتمال قائم رہے گا) عورت کی موت بھی وہی حیثیت رکھتی ہے جو مرد کی۔ یہی صحیح ہے۔

مسئلہ : اگر مرد نے کہا: "انتِ طالق اذا لم اطلقك او اذا ما لم اطلقك" (یعنی جب تک تجھے (یا اگر میں تجھے) طلاق نہ دوں، تجھے طلاق ہے) تو امام اعظم رحؒ کے نزدیک خاوند کی موت تک طلاق نہ ہوگی۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ مرد کے خاموش ہوجانے پر طلاق واقع ہوجائے گی۔ کیونکہ کلمہ اذا وقت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کلامِ باری تعالیٰ میں اذا الشمس کُوِّرت ("جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا" دیکھئے اذا برائے وقت استعمال ہوا ہے) اور عرب شعراء کے کلام میں

اذا تكون كريهة أُدعى لها واذا يحاس الحيس يدعىٰ جندبَ

یعنی جب جنگ و جدال اور قتل و قتال کا موقع ہوتا ہے تو مجھے بلایا جاتا ہے مگر جب حلوا پکایا جائے تو جندب کو مدعو کیا جاتا ہے۔ (حیس" چوری کو بھی کہا جاتا ہے جو روٹی، گھی اور کھانڈ سے بنائی جاتی ہے)۔

Marfat.com

تو "اذا" بمنزلہ "متی" اور "متی ما" کے ہوگا۔ اسی بنا، پر اگر مرد اپنی عورت سے کہے "انتِ طالق اذا شئتِ" (تو جب چاہے تجھے طلاق ہے) تو مجلس سے اٹھ جانے پر اختیار اس کے ہاتھ سے نہ جائے گا جیسا کہ متی شئتِ کہنے (صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر "إن" سے اختیار دیا جائے تو اسی مجلس تک مقید ہوتا ہے لیکن جب اذا سے اختیار دیا جائے تو آپ بھی کہتے ہیں کہ مجلس سے مقید نہ ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اذا بمنزلہ متی ہے اور یہی ہمارا مطلوب تھا)

امام اعظمؒ صاحبین کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اذا برائے شرط بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح (عرب میں) ایک شخص اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَاسْتَغْنِ مَا اَغْنَاكَ رَبُّكَ بِالْغِنٰی　　وَاِذَا تُصِبْكَ خَصَاصَةٌ فَتَجَمَّلِ

"(یعنی جب تک اللہ تعالیٰ تجھے دولت مندی عطا کرتا ہے تو تو اس کا اظہار کرتا رہ اور اگر تو فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائے تو صبرِ جمیل اختیار کر" دیکھئے یہاں اذا شرط کے معنوں میں ہے کیونکہ اپنے بعد مضارع کو جزم دے رہا ہے)۔

اگر اذا بمعنی شرط لیا جائے تو اِن کی طرح اسی وقت طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر وقت کے معنوں میں لیا جائے تو اسی وقت واقع ہوگی لہٰذا شک و احتمال کی بناء پر وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں دیا جائے گا۔ (یعنی یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مرد نے شرط والا معنی مراد لیا ہے یا وقت والا) بخلاف مسئلہ مشیت کے کیونکہ وقت کے معانی میں اس کا اعتبار کیا جاتا ہے تو اختیار باطل نہیں ہوگا جیسے متی کی صورت میں (یعنی عورت جس وقت بھی چاہے اختیار اس کے ہاتھ میں باقی رہے گا) اور جب اذا کو شرط کے معنوں میں لیا جائے تو مجلس کے بعد اختیار اس

Marfat.com

کے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے حالانکہ اختیار اس کے ہاتھ میں آچکا ہے۔ مگر ہم شک احتمال کی وجہ سے اس کا اختیار ضائع نہیں کرتے اور باقی رکھتے ہیں۔

امام اعظمؒ اور صاحبین میں یہ اختلاف اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے جب مرد نے کوئی نیت نہ کی ہو۔ لیکن اگر وقت کی نیت کرلے تو اسی وقت طلاق واقع ہوگی اور .... اگر شرط کی نیت کرے تو آخر عمر میں، کیونکہ لفظ میں دونوں احتمال موجود ہیں۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا: انتِ طالق مالم اطلقک انت طالق (تجھے طلاق ہے جب تک میں تجھے طلاق نہ دوں تجھے طلاق ہے) تو عورت دوسرے انت طالق سے (استحساناً) مطلقہ ہو جائے گی۔ یہ اس وقت مراد ہوگا جب دوسری بار انت طالق متصلاً ہی کہہ دے (اگر ذرا وقفہ کر کے دوسری بار اَنتِ طالق کہے تو دو واقع ہوں گی) قیاس تو یہ تھا کہ یہ طلاق زمانے کی طرف بھی منسوب ہوتی اور عورت کے مدخولہ ہونے کی صورت میں دو واقع ہوتیں مگر استحسان کے پیش نظر ایک کے واقع ہونے کا حکم دیا گیا)۔

امام زفرؒ کے نزدیک دو واقع ہوں گی۔ کیونکہ ایسے زمانے کا وجود ثابت ہے جو طلاق سے خالی رہا ہے۔ اگرچہ وہ زمانہ بہت ہی قلیل ہے اور وہ زمانہ انت طالق سے فارغ ہونے سے پہلے ہے (یعنی طلاق اس وقت واقع ہوگی جب مرد اَنْ تِ طَالِ قْ کے ق پر پہنچے گا اور اس پر پہنچنے سے پہلے خالی وقت پایا گیا، لہٰذا پہلی طلاق بھی واقع ہوگئی اور دوسری بھی)۔

استحسان کی توجیہ یہ ہے کہ زمانہ قسم (یعنی انت طالق کہنے کا زمانہ) دلالۃً

Marfat.com

حالی کی وجہ سے یمین سے مستثنیٰ ہوتا ہے کیونکہ مقصود برّ ہی ہے اور تحقق برّ (یعنی قسم) ممکن نہیں ہوتا جب تک کہ اس قدر زمانہ مستثنیٰ نہ کیا جائے (یعنی تعلیق ایک قسم کی یمین ہوتی ہے اور ایک شخص الفاظ یمین کو مکمل کرنے کے لئے جو وقت صرف کرتا ہے وہ یمین سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص کہے: بخدا میں اس گھوڑے پر سواری نہیں کروں گا۔ مگر وہ پہلے ہی سوار ہو تو اب اترنے میں جتنا وقت لگے گا وہ یمین سے مستثنیٰ ہوگا تاکہ وہ اپنی قسم سے بری ہوسکے۔ لہذا جب اس قدر وقت ضرورت کے پیش نظر مستثنیٰ کرنا پڑا تو پہلی طلاق واقع نہ ہوگی) اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص قسم کھائے میں اس گھر میں نہیں رہوں گا اور وہاں سے منتقل ہونے میں اسی وقت مصروف ہوگیا (تو یہ وقت یمین سے مستثنیٰ ہوگا) اسی طرح دوسری کئی مثالیں بھی ہیں جن کی تفصیلی بحث کتاب الایمان میں کی جائے گی۔

مسئلہ: جس شخص نے کسی عورت سے کہا: جس دن میں تجھ سے نکاح کر دں تجھے طلاق ہے۔ مگر مرد نے رات کے وقت نکاح کیا تو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ یوم سے مراد دن کی سفیدی اسی وقت لی جائے گی جب اسے کسی فعل ممتد سے ملا دیا جائے جیسا کہ جس دن فلاں شخص آئے گا میں روزہ رکھوں گا یا جس دن فلاں شخص آئے گا تجھے اختیار ہوگا۔ کیونکہ امتداد فعل والی ایسی صورتوں میں وقت معیار ہوتا ہے۔ اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ مگر جب یوم کو فعل غیر ممتد سے ملا یا جائے تو یوم سے مراد مطلق وقت ہوتا ہے (رات کا کوئی حصہ ہو یا دن کا) جیسا کہ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ اور یہاں اس سے مطلق وقت مراد ہے۔ لہذا اسی پر محمول ہوگا بشرطیکہ فعل غیر ممتد سے ملا دیا جائے اور طلاق بھی اسی قسم سے ہے۔ لہذا دن

Marfat.com

اور رات دونوں کو شامل ہوگی۔

مسئلہ: اگر مرد دعوے کرے کہ میں نے تو خصوصاً دن کی سفیدی مراد لی تھی تو قضاءً تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے حقیقتِ کلام کی نیت کی۔ اس لئے رات سے مراد تاریکی اور دن سے مراد سفیدی ہوتی ہے اور یہ لغت ہے۔

فصل

مسئلہ: جو شخص اپنی عورت سے کہے: انا منكِ طالق (میں تجھ سے طلاق ہوں) تو کچھ نہ ہوگا، خواہ طلاق ہی کی نیت کرے۔ اور اگر کہے: انا منكِ بائن او علیكِ حرامٌ (یعنی میں تجھ سے بائن ہوں یا تجھ پر حرام ہوں) اور طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں بھی بشرطِ نیت طلاق ہو جائے گی کیونکہ ملکِ نکاح میاں بیوی دونوں میں مشترک ہوتا ہے حتّٰی کہ عورت بھی مباشرت کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ جس طرح کہ مرد تمکّن علی الوطی کا مطالبہ عورت سے کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اسی طرح حلّت بھی دونوں میں مشترک ہوگی اور طلاق اسی حلّت اور ملکِ نکاح کے ازالے کے لئے ہوتی ہے۔ تو اسے مرد کی طرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے جس طرح کہ عورت کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ اور ابانت و حرمت میں تو آپ نے بھی مرد کی طرف اضافت و نسبت کو درست تسلیم کیا ہے تو نسبتِ طلاق میں کیا مانع ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق قیدِ نکاح کے ازالے کے لئے ہوتی ہے اور یہ

Marfat.com

قید عورت میں پائی جاتی ہے نہ کہ مرد میں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عورت ایک مرد کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی اور اسی طرح (بغیر اجازت) گھر سے بھی نہیں نکل سکتی۔ اگر طلاق کو ازالہ ملک کے لئے بھی تسلیم کیا جائے تو بھی طلاق عورت پر ہی واقع ہوتی ہے کیونکہ وہ مملوکہ ہے اور مرد مالک ہے۔ اسی لئے (مرد کو ناکح اور) عورت کو منکوحہ کہا جاتا ہے۔ بخلاف ابانت کے کیونکہ یہ ابانت اس رشتہ و پیوند کے ازالے کے لئے ہوتی ہے جو دونوں میں مشترک ہے اور بخلاف تحریم کے، کیونکہ یہ ازالہ حلت کے لئے ہوتی ہے اور حلت بھی میاں بیوی دونوں میں مشترک ہوتی ہے تو ان دونوں کی اضافت دونوں کی طرف درست ہے مگر طلاق کو صرف عورت کی طرف ہی منسوب کرنا درست ہوگا۔

مسئلہ: اگر مرد عورت سے کہے: "انت طالق واحدۃ او لا" (تجھے ایک طلاق ہے یا نہیں ہے) تو کچھ نہ ہوگا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جامع الصغیر میں اسی طرح اختلافِ ائمہ کے بغیر درج ہے۔ حالانکہ امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کا یہ آخری قول تھا۔ امام محمدؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ امام محمدؒ کا قول کتاب الطلاق میں مذکور ہے کہ جب مرد عورت سے کہے: "انت طالق واحدۃ او لا شيء" تو دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں۔ اگر جامع الصغیر میں سب کا قول مذکور ہے (تو پھر اس کی توجیہہ یہ ہوگی کہ اس مسئلے میں) امام محمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔

امام محمدؒ اپنی دلیل اسی طرح پیش کرتے ہیں کہ مرد نے واحدۃ میں شک پیدا کر دیا کیونکہ اس نے واحدۃ اور نفی کے درمیان کلمہ "او" استعمال کیا پس اعتبار

Marfat.com

وصفت ساقط ہو گیا اور باقی صرف انت طالق رہ گیا (جس سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی) بخلاف اس کے جب مرد کہے: انت طالق اَوْ لاَ تو یہاں اصلِ ایقاع میں شک ہے اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس کے جواب میں امام اعظمؒ اور ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب وصف (یعنی طلاق) کسی عدد کے ساتھ ملائی جائے تو اس کا وقوع اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ عدد کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ مرد غیر مدخولہ کو انت طالق ثلٰثاً کہے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور انت طالق ثلٰثاً میں اگر فقط انت طالق سے طلاق واقع ہو جاتی ہے تو پھر تین کا ذکر ہی لغو تھا اور یہ ثابت ہے (کیونکہ فقط انت طالق ہی سے بائن ہو گئی) کیونکہ درحقیقت جس سے طلاق واقع ہوتی ہے وہ مصدر طلاق ہے جو محذوف مانا جاتا ہے (جس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ تم پر ایک طلاق واقع ہو (یا تم پر تین طلاقیں واقع ہوں) جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور جب واقع ہونے والی وہ چیز ہے جس کی صفت عدد بنتا ہے تو اصلِ ایقاع میں شک پیدا ہو گیا۔ اس لئے کچھ واقع نہ ہوگا (یعنی جب صفت میں شک پیدا ہو گیا تو موصوف بھی مشکوک ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی)۔

مسئلہ: اگر مرد عورت سے کہے: انت طالق مع مَوْتی او مع موتک (تجھے میری موت پر یا تیری موت پر طلاق ہوگی) تو کچھ واقع نہ ہوگا، کیونکہ مرد نے طلاق کو ایک منافی طلاق حالت کی طرف نسبت کیا۔ کیونکہ مرد کی موت سے طلاق کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے اور عورت کی موت سے طلاق کی محلیت۔ حالانکہ وقوعِ طلاق کے لئے ان دونوں باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

Marfat.com

مسئلہ : اگر مرد اپنی بیوی کا مالک بن گیا یا اس کے کچھ حصے کا۔ یا بیوی مرد کی یا اس کے کچھ حصے کی مالکہ بن جائے تو دونوں میں فرقت پیدا ہو جائے گی کیونکہ ملکِ یمین اور ملکِ نکاح دونوں متضاد ہیں۔ عورت کے مالکہ بننے کی صورت میں یہ نقص پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ مالکہ بھی بن جاتی ہے اور مملوکہ بھی۔ رہا مرد کی ملک کا سوال تو وہ اس لئے ممکن نہیں کہ ملکِ نکاح تو ضرورت کے مدِنظر تھا اور جب ملکِ یمین اسے حاصل ہو جائے تو نکاح کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہٰذا وہ ختم ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : اگر مرد عورت کو خرید لے اور پھر اسے طلاق دے دے تو کچھ واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ طلاق کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے نکاح قائم ہو اور نکاح نہ تو ضمنی طور پر باقی ہے اور نہ کامل طور پر (من وجہ کی مثال یہ ہے کہ اگر مرد عورت کو ایک رجعی طلاق دے دے تو عدت کے ختم ہونے سے پہلے دوسری بھی دے سکتا ہے کیونکہ اگرچہ من کل الوجوہ تو نکاح باقی نہیں مگر من وجہ باقی ہے کیونکہ عدت میں رجوع کر سکتا ہے۔ عورت کا نفقہ، سکنیٰ وغیرہ مرد کے ذمے ہے)

ایسے ہی اگر عورت کامل طور پر مرد کی مالکہ ہو جائے یا اس کے کچھ حصے کی مالکہ بن جائے تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ تضاد موجود ہے جیسا کہ گزر چکا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ عورت پر عدت واجب ہوتی ہے۔ بخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں عدت واجب نہیں بلکہ اسی وقت مباشرت جائز ہے۔

مسئلہ : جب عورت غیر کی لونڈی ہو اور خاوند اسے کہے: انت طالق ثنتین

Marfat.com

مع عتق مولاك ایاك (تجھے مولیٰ کے آزاد کرنے کے ساتھ ہی دو طلاقیں ہیں) مالک نے اسے آزاد کر دیا تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور خاوند رجوع کا مالک ہوگا۔ کیونکہ مرد نے طلاق کو اعتاق یا عتق سے معلق کیا۔ کیونکہ لفظ عتق دونوں کو شامل ہے۔ اور شرط وہ ہے جو فی الحال معدوم ہے مگر عنقریب اس کے موجود ہونے کی توقع ہے اور حکم کا تعلق اس شرط سے ہوتا ہے اور اعتاق یا عتق بھی اس وصف کے ساتھ موصوف ہے کہ فی الحال تو جب اس نے انت طالق الخ کہا تو عتق و اعتاق موجود نہیں مگر اس کے موجود ہونے کی توقع ہے اور حکم یعنی وقوعِ طلاق بھی اسی کے ساتھ معلق ہے) کیونکہ تعلیقات میں تصرف تطلیق ہمارے نزدیک شرط کے موجود ہونے پر ہوگا (کیونکہ ہمارے نزدیک سبب شرط کے موجود ہونے پر ہی سبب بنتا ہے بخلاف امام شافعیؒ کے) تو جب تطلیق اعتاق و عتق سے معلق ہے تو پہلے عتق و اعتاق موجود ہوگا پھر ایقاع طلاق اور اس کے بعد وقوعِ طلاق۔ طلاق عورت پر اس وقت واقع ہوگی جب وہ آزاد ہو جائے گی تو دو سے مغلظہ نہ ہوگی۔ ہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ کلمہ مع معیت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گاہے تاخر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے ارشاد میں ان مع العسر یسرًا ان مع العسرِ یسرًا (کہ تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ یعنی تنگی کے ختم ہونے کے بعد آسانی آتی ہے) تو شرط کی بناء پر یہاں مع بمعنی بعد ہی لیں گے۔

مسئلہ: اگر خاوند نے بیوی سے کہا: اذا جاء غدٌ فانت طالق

Marfat.com

ثنتین (جب کل آئے گا تو تجھے دو طلاقیں ہیں) اور مالک نے کہا: اذا جاء غدٌ فانت حرۃ (جب کل آئے گا تو تو آزاد ہے) جب کل کا دن آگیا (تو عورت جدا ہو گئی اور) جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے گی اس خاوند کے لئے حلال نہ ہو گی اور اس کی عدت تین حیض ہو گی یہ صورت شیخین کے نزدیک ہے (ان کے نزدیک طلاق اس کی باندی ہونے کی صورت میں واقع ہوئی ہے۔ مگر امام محمدؒ کے نزدیک آزاد ہونے کی صورت میں۔ لہذا امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خاوند کو رجعت کا اختیار ہے کیونکہ شوہر نے ایقاعِ طلاق کو اعتاقِ مولیٰ کے ساتھ اکٹھا کر دیا ہے اور خاوند نے بھی (آئندہ دن کے آنے کی) ایک ہی شرط کے ساتھ تعلیق کی ہے۔ جس کے ساتھ مولیٰ نے عتق (آزادی) کو معلق کیا ہے۔ اس لئے معلّق یعنی تطلیق شرط یعنی اعتاق کے پائے جانے پر سبب بنے گا اور عتق اعتاق کے ساتھ ساتھ ہی ہو گا کیونکہ اعتاق علّت ہے اور عتق معلول ہے (قانون۔ استطاعت یعنی علّت دو قسم کی ہوتی ہے: مجازی اور حقیقی۔ استطاعت مجازی وہ ہوتی ہے کہ سلامتی اسباب و آلات ہو اور حقیقی وہ ہے جو معلول کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص قسم کھائے کہ میں بشرطِ استطاعت لاہور جاؤں گا تو اب استطاعت مجازی یہ ہے کہ سلامتی اسباب و آلات ہو۔ اور علّت حقیقی یہ ہے کہ بالفعل چل پڑے اور اعصابی حرکات و سکنات سے قوت پیدا ہو جائے تو استطاعت حقیقی چلنے کے ساتھ ساتھ ہو گی) اور وقوعِ طلاق عتق کے بعد ہو گا لہذا اس کی صورت بھی پہلے مسئلے کی سی ہو گی۔ اسی لئے اس کی عدت تین حیض مقرر کی جاتی ہے۔

Marfat.com

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ خاوند نے طلاق کو اسی شرط کے ساتھ معلّق کیا ہے جس کے ساتھ اس کے مولیٰ نے عتق (آزادی) کو معلّق کیا ہے۔ لہٰذا آزادی عورت کو اس حالت میں ملے گی جب وہ باندی تھی اور اسی طرح طلاق بھی (تو جب طلوعِ فجر ہوا تو ایک طرف سے طلاق وارد ہوگی اور دوسری طرف سے عتق یعنی دونوں بیک وقت وارد ہوں گے) اور دو طلاقیں باندی کے حق میں مغلّظہ ہوتی ہیں بخلاف پہلے مسئلہ کے۔ وہاں تو تعلیق اعتاق مولیٰ کے ساتھ معلّق تھی۔ اور طلاق عتق کے بعد واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور بخلاف عدّت کے۔ کیونکہ وہ احتیاطاً تین حیض قرار دی جاتی ہے۔ اسی طرح حرمت کو بھی حرمتِ غلیظہ قرار دیا گیا (یعنی دو سے مغلّظہ قرار دیا گیا کیونکہ احتیاط اسی میں ہے) امام محمدؒ نے جو کچھ کہا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ عتق کو اگر اعتاق قرار دیا جائے کہ وہ اس کی علّت ہے لہٰذا طلاق کو تعلیق قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کی علّت ہے لہٰذا طلاق و عتق اس صورت میں مشابہ ہوں گے۔

فصل فی تشبیہ الطلاق و وصفہ

طلاق کی تشبیہ اور وصف کا بیان

مسئلہ: جس شخص نے اپنی عورت سے کہا: انت طالق ھکذا (تجھے اس طرح طلاق ہے) اور اپنے انگوٹھے، شہادت والی اور درمیانی انگلی سے اشارہ

Marfat.com

کیا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ عرفِ عام میں انگلیوں کے اشارے سے عدد کا علم ہوتا ہے جب کہ اشارہ عددِ مبہم کے ساتھ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الشهر هكذا وهكذا وهكذا (دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے تین مرتبہ اشارہ فرمایا جس سے مراد تیس دن ہیں) اگر ایک انگلی سے اشارہ کرے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر دو سے اشارہ کرے تو دو واقع ہونگی اور کھلی انگلیوں سے ہی اشارہ ہوا کرتا ہے۔ بعض نے کہا جب انگلیوں کی بیرونی طرف سے اشارہ کرے تو جڑی ہوئی ہوں (انگلیوں کی چار حالتیں ہیں مفتوحہ، مقبوضہ، منشورہ اور مضمومہ۔ یہاں منشورہ اور مضمومہ کا مقابلہ ہے) جب اشارہ منشورہ سے واقع ہوا کرتا ہے تو اگر مضمومتین سے اشارہ کی نیّت کرے تو دیانۃً تصدیق کی جائے گی عدالت میں نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح ہتھیلی سے اشارہ کرنے میں۔ پہلی صورت میں (جب حالت نشر میں دو جڑی ہوئی انگلیوں سے اشارہ کرے) دیانۃً دو ہوں گی اور دوسری (جب کف سے اشارہ کرے حالتِ نشر میں) میں ایک۔ کیونکہ اس کا احتمال پایا جاتا ہے، اگرچہ خلاف ظاہر ہے۔

اگر ساتھ "ھکذا" نہ کہے تو ایک واقع ہوگی کیونکہ اشارہ عددِ مبہم کے ساتھ نہیں ہوا۔ لہٰذا اب اس کے باقی قول انت طالق کا اعتبار کیا جائے گا۔

مسئلہ: جب مرد طلاق کو کسی قسم کی زیادتی یا شدّت سے موصوف کرے تو طلاق بائن واقع ہوگی۔ مثلاً یوں کہے: انت طالق بائن او البتۃ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلاقِ رجعی واقع ہوگی بشرطیکہ بعد از دخول ہو۔

Marfat.com

کیونکہ طلاق اسی طرح مشروع ہے کہ اس کے بعد رجعت ہو سکے۔ تو بینونت وغیرہ سے موصوف کرنا خلاف شرع ہوگا۔ پس وصف لغو قرار پائے گا۔ جیسے کہے انت طالق ان لا رجعة لی علیك (تجھے ایسی طلاق ہے جس سے مجھے رجعت کا اختیار نہ ہوگا تو اس کے ایسا کہنے کے باوجود طلاق رجعی واقع ہو گی)

ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے طلاق کو ایسی چیز سے موصوف کیا ہے جس کا احتمال لفظ میں موجود ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ دخول سے قبل اور عدّت کے بعد طلاق ہی سے فرقت پیدا ہوتی ہے۔ لہذا یہ وصف دو احتمالوں (بائن اور رجعی) میں سے ایک کا تعین کر دیتا ہے۔ آپ کی پیش کردہ مثال میں بھی ہم بائن کے قائل ہیں، نہ کہ رجعی کے۔ تو جب مرد کی نیّت نہ ہو تو ایک بائنہ واقع ہوگی۔ اگر دو کی نیّت کرے تو بھی ایک واقع ہو گی۔ لیکن اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوں گی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے (کیونکہ طلاق جنس ہے جس میں وحدتِ شخصی اور وحدتِ نوعی کا احتمال ہوتا ہے۔ دو نہ تو وحدتِ شخصی ہے اور نہ وحدتِ نوعی)۔

اگر انت طالق سے ایک کی نیّت کرے اور بائن یا بتّہ سے دوسری کی تو دو بائن طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ یہ وصف اس قابل ہے کہ مرد اس سے ابتداءً ہی طلاق واقع کرے۔

مسئلہ: اگر مرد کہے انت طالق افحش الطلاق (تجھے فحش قسم کی طلاق ہے) تو ایک بائن طلاق واقع ہو گی کیونکہ طلاق کو اس وصف سے اسی وقت متصف کیا جاتا ہے جبکہ اس کے اثر کو معتبر سمجھا جائے اور وہ یہ ہے کہ فرقت

Marfat.com

فوراً واقع ہو جائے لہٰذا یہ بھی (انت طالق) بائن کی طرح ہو گیا۔

اسی طرح "اخبث الطلاق او اَسْوَأہُ" (یعنی خبیث یا بُری قسم کی طلاق) کی صورت ہو گی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔

اگر مرد طلاق الشیطان یا طلاق البدعۃ کہے تو بھی ہمارے نزدیک ایک بائن ہو گی۔ کیونکہ ایک رجعی تو سنّت ہوتی ہے اور طلاق بدعت یا شیطان بائن ہو گی۔

ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ مرد کے قول طلاقِ بدعت کی صورت میں نیّت سے بائن ہو جائے گی۔ کیونکہ بعض دفعہ طلاقِ رجعی ہی ایقاع کے لحاظ سے بدعی بن جاتی ہے۔ جیسا کہ حیض میں دے دے تو مذکورہ صورت میں بینونت کے لئے نیّت ضروری ہے۔

امام محمد رح کا قول ہے کہ طلاق کو بدعت اور شیطان سے موصوف کرنے سے رجعی واقع ہو گی۔ کیونکہ یہ وصف تو حالتِ حیض میں طلاق دینے سے بھی پیدا ہو سکتا ہے تو شک کی بنا پر فرقت و بینونت ثابت نہ ہو گی۔

مسئلہ: اگر مرد کہے انت طالق کالجبل (تجھے پہاڑ جیسی طلاق ہے) تو ایک طلاق بائن واقع ہو گی کیونکہ جبل سے تشبیہ کا تقاضا لامحالہ زیادتی ہے اور زیادتی وصف ہی میں ہو سکتی ہے۔

اسی طرح اگر مرد "مثل الجبل" کہے تو بھی یہی صورت ہو گی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ امام یوسف رح رجعی کے قائل ہیں۔ کیونکہ جبل شے واحد ہے۔ لہٰذا تشبیہ وحدت میں ہو گی۔

Marfat.com

مسئلہ: اگر مرد کہے انت طالق اشد الطلاق او کالف او ملأ البیت (یعنی تجھے شدید قسم کی طلاق ہے یا ہزار جیسی یا گھر کے بھرے ہوئے ہونے جیسی) تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگی۔ اِلّا یہ کہ تین کی نیّت کرے۔

کیونکہ پہلی صورت میں اس نے طلاق کو شدت سے موصوف کیا اور وہ بینونت ہے اور طلاق بائن (رجوع کرنے سے) متروک اور ساقط ہونے کا احتمال نہیں رکھتی۔ مگر رجعی میں یہ احتمال باقی رہتا ہے۔

تین کی نیّت اس لئے صحیح ہے کہ اس نے مصدر کا ذکر کیا ہے (اور مصدر جنس ہوتا ہے جس میں وحدتِ نوعی اور وحدتِ شخصی کا احتمال ہوتا ہے)۔

دوسری صورت (کالف) میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ذکر عدد سے کبھی تشبیہ میں زور مراد ہوتا ہے اور کبھی عدد ذکر کیا جاتا ہے۔ ھو الف رجل (کہ وہ ہزار مرد کے برابر ہے) اور مراد قوت ہوتی ہے۔ تو دونوں چیزوں (قوت وعدد) کی نیّت درست ہو سکتی ہے اور عدمِ نیّت کی صورت میں کمتر چیز مراد لیں گے (یعنی ایک بائنہ)

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عدمِ نیّت کی صورت میں بھی تین واقع ہونگی۔ کیونکہ ہزار عدد ہے اس لئے (یقیناً) تشبیہ فی العدد مراد ہوگی۔ گویا کہ مرد نے یوں کہا: انت طالق کعددِ الفٍ (تجھے ہزار کے عدد جیسی طلاق ہے لہٰذا تین واقع ہوں گی)

تیسری صورت کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی تو ایک چیز اپنے عظیم حجم کی وجہ سے گھر کو بھر دیتی ہے اور کبھی کثرت کی وجہ سے۔ تو جس امر کی نیّت کرے گا

Marfat.com

درست ہوگی اور عدم نیت کی صورت میں کمتر چیز کو ثابت کیا جائے گا۔

اسی قسم کی تشبیہات کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب طلاق کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو بائنہ ہوتی ہے۔ خواہ مشبّہ بہ کی عظمت کا ذکر کیا جائے یا نہ (اور مشبّہ بہ فی نفسہٖ خواہ بڑا ہو یا چھوٹا) ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ تشبیہ زیادتِ وصف کا تقاضا کرتی ہے۔

امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ عظمت اور بڑائی کا ذکر کرنے سے بائن ہوگی ورنہ نہیں۔ مشبہ بہ جس قسم کا بھی ہو (بڑا یا چھوٹا) کیونکہ بعض دفعہ تشبیہ سے علیٰ طریق التجرید وحدت بھی مراد ہوتی ہے مگر عظمت کا ذکر لامحالہ زیادتِ وصف کے لئے ہوتا ہے۔

امام زفر رح فرماتے ہیں کہ اگر مشبّہ بہ عرفِ عام میں اس "عظم" سے موصوف ہو سکے تو بائن ہوگی ورنہ رجعی۔

امام محمد رح کے بارے میں بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ وہ امام اعظم رح سے متفق ہیں اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک وہ امام ابو یوسف رح کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔

اس اختلاف کا ظہور اس قول مثل رأس الابرة مثل عظم راس الابرة و مثل الجبل مثل عظم الجبل میں ہے ان مثالوں میں پہلی (مثل راس الابرة) امام اعظم رح کے نزدیک بائن واقع ہوگی۔ جب کہ امام محمد رح امام ابو یوسف رح کے ساتھ ہوں مثل عظم رأس الابرة امام اعظم رح اور ابو یوسف رح کے نزدیک بائن۔ مثل الجبل امام اعظم رح اور امام زفر رح کے نزدیک بائن۔

Marfat.com

مثل عظم الجبل سب کے نزدیک بائن۔ امام اعظمؒ کے نزدیک وجودِ تشبیہ کے لئے۔ ابو یوسفؒ کے نزدیک ذکرِ عظم سے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک اس لئے کہ جبل عرفِ عام میں عظم سے متّصف ہوتا ہے)۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا: انت طالق تطلیقۃ شدیدۃً او عریضۃً اوطویلۃً (تجھے شدید قسم کی یا عریض قسم کی یا طویل قسم کی طلاق ہے) تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ جس چیز کا تدارک ممکن نہ ہو وہ مرد کو شدید ہی معلوم ہوتی ہے اور وہ بائن ہے۔ (کیونکہ اس طلاق کا بھی رجوع کرنے سے تدارک نہیں ہوسکتا) اسی طرح جو کام انسان کے لئے سخت اور مشکل ہو اس کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تو بڑا لمبا چوڑا کام ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ طلاق اس قسم کے اوصاف سے متّصف نہیں ہوسکتی۔ لہذا یہ وصف لغو ٹھہرے گا۔

اگر مذکورہ صورتوں میں مرد تین کی نیّت کرے تو درست ہوگا کیونکہ بینونت کی دو قسمیں ہیں (خفیفہ اور غلیظہ) اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے اور ان الفاظ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

فصل فی الطّلاق قبل الدخول

قبل دخول طلاق دینے کا بیان

مسئلہ: اگر مرد اپنی غیر مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو اس پر واقع

Marfat.com

ہو جائیں گی۔ کیونکہ طلاق کا وقوع مصدرِ محذوف سے ہوتا ہے اور اس کے معنے ہیں طلاقاً ثلاثاً جیسا کہ بیان ہو چکا ہے (سوال: جب مرد نے غیر مدخولہ بیوی کو انت طالق ثلاثاً کہا تو اس پر انت طالق ہی سے طلاق واقع ہو گی اور ثلاثاً تو لغو ہو گا۔ جواب: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب طلاق کو عدد سے متصف کیا جائے تو یہ مصدرِ محذوف کی صفت ہوتا ہے) تو صرف انت طالق سے ایقاع طلاق نہ ہو گا بلکہ تینوں اکٹھی واقع ہوں گی۔

مسئلہ: اگر غیر مدخولہ عورت کو تین طلاقیں متفرق طور پر دی جائیں تو پہلی ہی سے بائن ہو جائے گی، دوسری اور تیسری واقع نہ ہو گی۔ جیسا کہ یہ کہے: انت طالق۔ طالق۔ طالق (تو صرف پہلے طالق سے طلاق واقع ہو گی) کیونکہ ہر لفظ (طالق) الگ ایقاع ہوتا ہے بشرطیکہ آخر کلام میں کوئی ایسی چیز (عدد یا شرط وغیرہ) ذکر نہ کی جائے جو صدرِ کلام میں تغیّر پیدا کر دے۔ حتّٰی کہ کلام کا پہلا حصّہ آخرِ کلام پر موقوف ہو جائے گا (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

چنانچہ پہلی اس وقت واقع ہو جائے گی اور دوسری طلاق عورت پر اس وقت پہنچے گی جب کہ وہ پہلی سے ہی بائن ہو چکی ہے (لہٰذا لغو ہو گی)

اسی طرح اگر مرد غیر مدخولہ عورت سے یہ کہے: انت طالق واحدۃ و واحدۃ (تجھے ایک اور ایک طلاق ہے) تو صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔ جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ عورت پہلی طلاق سے ہی بائنہ ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر مرد کہے: انت طالق واحدۃ (عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ) مگر عورت واحدۃ کے لفظ کی ادائیگی سے پہلے ہی مر گئی تو طلاق باطل

Marfat.com

ہو جائے گی۔ کیونکہ مرد نے وصفِ طلاق کو عدد سے جوڑا ہے پس واقع ہونے والا عدد ہو گا۔ مگر جب ذکرِ عدد سے پہلے عورت مرگئی تو ایقاعِ طلاق سے پہلے محلیت طلاق جاتی رہی۔ لہٰذا طلاق باطل ہو گئی۔

اسی طرح اگر مرد کہے انت طالق ثنتین او ثلاثاً کہ تجھے دو یا تین طلاقیں ہیں (تو بھی طلاق واقع نہ ہو گی) جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ یہ صورت بھی ماقبل کی صورت سے معنوی لحاظ سے مشابہ ہے۔

مسئلہ : اگر مرد نے غیر مدخولہ عورت سے کہا : انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ او بعدھا واحدۃ (تجھے ایک طلاق سے پہلے ایک طلاق ہے یا ایک طلاق کے بعد ایک طلاق ہے) تو ایک واقع ہو گی۔ اس میں اصول یہ ہے کہ جب دو چیزوں کا ذکر کیا جائے اور ان کے درمیان کلمۂ ظرف ہو، اگر اسے ہائے کنایہ کے ساتھ ملایا جائے تو کلمۂ ظرف اس کی صفت بنتا ہے جو آخر میں ذکر کیا جائے۔ جیسے جاء نی زیدٌ قبلہ عمرو (یعنی عمرو زید سے پہلے آچکا تھا) اگر ظرف کے ساتھ ہائے کنایہ کا تذکرہ نہ ہو تو کلمۂ ظرف مذکورہ اوّل کی صفت بنتا ہے۔ جیسے جاء نی زید قبل عمرو (یعنی زید عمرو سے پہلے آیا) طلاق کا ماضی میں واقع ہونا اس کا حال میں واقع ہونا مانا جائے گا۔ کیونکہ ماضی کی طرف منسوب کرنا اس کی وسعت میں ہی نہیں (یعنی جب قبلھا واحدۃ کہا۔ تو ایک تو پہلے ماضی میں واقع ہوتی ہے مگر وہ طلاق کی بات چیت زمانۂ حال میں کر رہا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کیونکہ حالیہ کلام کا ایقاع ماضی میں کرنا اس کی وسعت سے باہر ہے) تو قبل واحدۃ کی صورت میں

Marfat.com

کلمۂ قبل پہلے کی صفت بنے گا - لہٰذا طلاقِ ثانیہ واقع نہ ہوگی اور "بعد ھا واحدۃ" میں بعدیت دوسری کی صفت بنے گی تو ابانت پہلی سے ہوگی (لہٰذا ثانی لغو جائے گی)

مسئلہ: اگر مرد کہے انت طالق واحدۃ قبلھا واحدۃ (تجھے ایک طلاق ہے جس کے پہلے بھی ایک طلاق ہے) تو دو واقع ہوں گی۔ کیونکہ قبلیت دوسرے واحد کی صفت بنے گی اس لئے کہ ظرف حرفِ کنایہ سے متصل ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ طلاق ثانی ماضی میں واقع ہو اور پہلی اسی وقت۔ اور طلاق کا ماضی میں واقع ہونا گویا حال میں واقع ہونا مسلّم ہے تو دونوں اکٹھی ہو جائیں گی اور دونوں واقع ہو جائیں گی۔

اسی طرح اگر مرد کہے انت طالق واحدۃً بعد واحدۃٍ (تجھے ایک طلاق کے بعد ایک اور طلاق ہے) تو دو واقع ہوں گی۔ کیونکہ کلمۂ "بعد" پہلے کلمہ "واحدۃ" کی صفت ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ پہلی تو اسی وقت واقع ہو جائے گی اور دوسری اس سے پہلے۔ پس دونوں اکٹھی ہو جائیں گی۔

مسئلہ: اگر مرد کہے: انت طالق واحدۃ مع واحدۃ او معھا واحدۃً (تجھے ایک کے ساتھ ایک طلاق ہے۔ یا تجھے ایک طلاق ہے جس کے ساتھ ایک ہے) تو دو واقع ہوں گی کیونکہ کلمۂ "مع" دونوں کے اقتران کو ظاہر کرتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک "معھا واحدۃ" کی صورت میں ایک ہی واقع ہوگی کیونکہ ھا ضمیر مرجع کو چاہے گی (اور مرجع پہلے ہے تو دونوں میں قران نہ

Marfat.com

رہا بلکہ دونوں الگ ہو گئیں، لہذا صرف پہلی واقع ہو گی) ۔

مسئلہ : مذکورہ تمام صورتوں میں مدخولہ عورت پر دو طلاقیں واقع ہوتی ہیں کیونکہ پہلی کے وقوع کے بعد دوسری کی محلیت باقی رہتی ہے (کیونکہ مدخولہ پہ عدت واجب ہوتی ہے اس لئے محلیت موجود رہتی ہے) ۔

مسئلہ : اگر مرد نے غیر مدخولہ عورت سے کہا : ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ و واحدۃ (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک اور ایک طلاق ہے) عورت گھر میں داخل ہو گئی تو امام اعظمؒ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہو گی۔ صاحبین دو کے وقوع کے قائل ہیں ۔

اگر مرد نے عورت سے کہا : انت طالق واحدۃ و واحدۃ ان دخلت الدار (تجھے ایک اور ایک طلاق ہے بشرطیکہ تو گھر میں داخل ہو) اس صورت میں اگر عورت گھر میں داخل ہوئی تو سب کے نزدیک دو واقع ہوں گی۔

پہلی صورت میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے استعمال ہوتی ہے (اس میں ثُمَّ وغیرہ کی طرح ترتیب کا خیال نہیں رکھا جاتا) تو دونوں اکٹھی واقع ہوں گی جیساکہ دو پر نص کر دے (یعنی انت طالق ثنتین کہہ دے) یا شرط کو مؤخر کر دے ۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جمع مطلق میں قران اور ترتیب کا احتمال بھی ہوتا ہے تو اعتبارِ اوّل کے لحاظ سے دو واقع ہوں گی۔ مگر اعتبارِ ثانی (ترتیب) کے لحاظ سے صرف ایک ہی واقع ہو گی۔ جیساکہ اگر شرط کا ذکر ہی نہ کرے اور صرف "انت طالق واحدۃ و واحدۃ کہہ دے تو آپ بھی کہتے ہیں کہ شک کی بنا"

Marfat.com

پر ایک سے زیادہ واقع نہ ہوں گی (ملاحظہ فرمائیے یہاں واؤ قران و ترتیب کے لئے ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جب پہلی سے بائن ہو گئی تو دوسری کی کیا ضرورت ہے)۔ بخلاف اس صورت کے جب شرط کو مؤخر کرے کیونکہ شرط سے صدرِ کلام میں تغیّر پیدا ہو جاتا ہے اور پہلا کلام شرط پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا اکٹھی واقع ہوں گی۔ لیکن جب شرط پہلے ہو تو صدرِ کلام میں تغیّر نہیں آتا اور توقّف کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اگر حرف فا سے عطف کیا جائے (اور کہے ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ فواحدۃ) تو امام کرخیؒ کے قول کے مطابق اسی طرح اختلاف ہے مگر فقیہ ابو اللیثؒ نے ذکر کیا ہے کہ بالاتفاق ایک طلاق واقع ہو گی کیونکہ فا تعقیب کے لئے ہوتی ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

کنایات: طلاق کی دوسری قسم کنایات ہے۔ کنایات سے طلاق، نیت یا دلالتِ حال سے واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ الفاظ کنایہ طلاق کے لئے موضوع نہیں ہوتے بلکہ ان میں طلاق کا احتمال بھی ہوتا ہے اور دوسرا بھی۔ لہٰذا نیّت یا دلالتِ حال سے تعیین ضروری ہو گی۔

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ کنایات کی دو قسمیں ہیں (۱) ان میں سے تین لفظ ایسے ہیں جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور وہ بھی صرف ایک۔ اور یہ الفاظ ہیں اعتدی (تو عدّت گزار یا شمار کر) استبرئی رحمك (تو اپنے رحم کا استبراء کر) اور انت واحدۃ (تو ایک ہے)

پہلی صورت میں اس لئے کہ اعتدی کا مطلب اعتدا د عن النکاح

Marfat.com

بھی ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اگر اوّل الذکر معنے کی نیّت کرے تو یہ معنی نیّت سے متعیّن ہو جائے گا۔ مگر یہ عبارت سابقاً طلاق کا تقاضا کرتی ہے (مرد نے گویا اس طرح کہا: کُونی طالِقاً ثم اعتدی کہ پہلے تجھے طلاق ہے پھر عدت گزار) اس طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے۔

دوسری صورت میں اس طرح کہ استبرئی رحملک کے الفاظ بھی اعتداد کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ کیونکہ عدّت سے جو (استبراء) مقصود ہوتا ہے اس کلام میں اس کی تصریح موجود ہے تو یہ الفاظ بھی بمنزلہ اعتدی کے ہو گئے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان الفاظ سے مطلقاً استبراء مقصود ہو۔ تاکہ اسے طلاق دے سکے (تو نیّت ہی سے طلاق والا معنی متعیّن ہو گا)

رہی تیسری صورت تو اس میں احتمال ہے کہ واحدۃ مصدرِ محذوف کی صفت ہو اور انت واحدۃ کی یہ صورت ہو گی کہ انتِ تطلیقۃٌ واحدۃ پس مرد جب طلاق کی نیّت کرے گا تو گویا اس نے انت تطلیقۃ واحدۃ کہا اور ایسی طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے۔ اس میں دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کے نزدیک یا اپنی قوم میں یکتا ہے۔

اور چونکہ ان تینوں قسم کے الفاظ میں طلاق اور عدم طلاق دونوں کا احتمال ہے۔ لہٰذا طلاق کے سلسلے میں نیّت کرنا ضروری ہو گا اور ایک ہی واقع ہو گی۔ کیونکہ پہلی دونوں صورتوں میں انت طالق مقتضیٰ کے طور پر اور تیسری میں مضمر صورت میں موجود ہے کیونکہ اگر انت طالق ظاہر کر کے کہے تو بھی ایک ہی

Marfat.com

واقع ہوتی ہے تو جب مضمر ہوئی تو بدرجہ اَوْلیٰ ایک ہی ہوگی۔ سوال: تیسری صورت میں آپ مصدرِ محذوف تسلیم کرتے ہیں۔ تو پھر تین بھی واقع ہو سکتی ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بعد میں واحدۃ موجود ہے جو کہ نیّت ثلاثہ کے منافی ہے۔

بعض نے کہا کہ واحدۃٌ کہنے سے طلاق نہ ہوگی بلکہ واحدۃً کہنے سے ہوگی اور وَاحِدَۃ کنایہ ہوگا۔ مگر عام مشائخ کے نزدیک اعراب کا کوئی اعتبار نہیں اور یہی صحیح مانا گیا ہے کیونکہ عوام اعراب کی اقسام کی کوئی تمیز نہیں رکھتے۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ باقی کنایات میں اگر طلاق کی نیّت کی جائے تو ایک بائنہ واقع ہوگی۔ اگر تین کی نیّت کرے تو تین۔ اور دو کی نیّت کرے تو بھی ایک بائنہ واقع ہوگی۔ کنایہ کے الفاظ کی مثالیں یہ ہیں انت بائن (تو بائن ہے) وبتۃ و بتلۃٌ (دونوں بمعنی قطع ہے یعنی تو مقطوع ہے) وَحَرامٌ (حرام ہے) وَحَبْلُكِ علی غارِبلكِ (تیری رسی تیری گردن پر ہے) وَالْحِقِي باهلك (اپنے اہل کے پاس چلی جا) وَخلیۃٌ وَبَرِیّۃٌ (تو خالی ہے تو بری ہے) وَوَهَبْتُكِ لِأَهْلِكِ (میں نے تجھے تیرے اہل کو بخش دیا) وسرّحتك (میں نے تجھے چھوڑ دیا) وفارقتك (میں تجھ سے جدا ہو گیا) وامركِ بيدكِ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے) واختاری (تو اپنے آپ کو اختیار کرے) وانت حرۃ (تو آزاد ہے) وَتَقنّعِي (اپنا دوپٹہ اوڑھ لے) وتخمّری (اپنی اوڑھنی لے لے) واستبرئی (استبراء کر) وَاَعْزبی (دور ہو جا) واخرجی (نکل جا)

Marfat.com

و اذھبی (چلی جا) و قومی (اٹھ کھڑی ہو) وابتغی الازواج (اور خاوند تلاش کرلے) ان الفاظ میں طلاق اور عدمِ طلاق دونوں کا احتمال ہے۔ لہذا نیّت ضروری ہوگی۔

البتہ اگر طلاق کا ذکر ہو رہا ہو اور مرد مذکورہ الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کرے تو قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی لیکن دیانۃً واقع نہ ہوگی۔ سوائے اس صورت کے جب کہ وہ خود نیّت کرے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قدوریؒ نے مذکورہ تمام الفاظ کو برابر تسلیم کیا ہے (جبکہ حالت مذاکرۂ طلاق کی ہو) حالانکہ یہ ان الفاظ میں جائز ہے جو احتمالِ ردّ نہ رکھتے ہوں۔

اس سلسلے میں قانون یہ ہے کہ احوال تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) حالتِ مطلقہ یعنی حالتِ رضا۔ (۲) حالتِ مذاکرۂ طلاق۔ (۳) حالتِ غضب و غصّہ۔

کنایات کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) جو جواب و ردّ دونوں کی صلاحیت رکھتے ہیں (۲) جن میں جواب بننے کی صلاحیّت تو ہو مگر ردّ کی نہ ہو۔ (۳) جو جواب بھی بن سکتے ہیں اور سبّ و شتم بھی۔

حالتِ رضا میں نیّت کے بغیر کسی لفظ سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی اور انکارِ نیّت کی صورت میں مرد کی بات تسلیم کی جائے گی۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں (کیونکہ ان الفاظ میں طلاق اور عدمِ طلاق دونوں کا احتمال ہے لہذا مرد کی نیّت پر دار و مدار ہوگا۔

حالتِ مذاکرۂ طلاق میں ان الفاظ میں جو جواب کی صلاحیّت تو رکھتے ہیں

Marfat.com

لیکن ردّ کی نہیں۔ مرد کی تصدیق نہیں کی جائے گی (کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی) مثلاً خلیہ۔ بریہ۔ بائن۔ بتہ۔ حرام۔ اعتدی۔ امرک بیدک اور اختاری کیونکہ ظاہراً ان سے مراد طلاق ہے جبکہ مسئلہ طلاق در پیش ہو۔

جو الفاظ جواب اور ردّ دونوں کی صلاحیت رکھتے ہیں ان میں مرد کی تصدیق کی جاسکتی ہے (کہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہوگی) مثلاً اذھبی، اخرجی، قومی، تقنعی، تخمری اور جو ان کے قائم مقام ہوں۔ اعزبی استتری (چھپ جا) وغیرہ کیونکہ ان میں رد طلاق کا احتمال بھی ہے اور اس احتمال کو ملحوظ رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ لہٰذا اسی پر محمول کیا جائے گا۔

حالتِ غضب میں ان تمام الفاظ میں مرد کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ ردّ کرنے اور گالی دینے کا احتمال موجود ہے۔ مگر وہ الفاظ کہ جن میں صرف طلاق کی صلاحیت ہے رد اور سب وشتم کی نہیں۔ مثلاً اعتدی، اختاری اور امرك بيدك ان الفاظ میں مرد کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ حالتِ غیظ وغضب ہی ارادہ طلاق پر دلالت کرتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لا ملك لی علیك (تجھ پر میری کوئی ملکیت نہیں) خَلَّیْتُ سبیلكِ (میں نے تیرا راستہ خالی کر دیا ہے) اور فارقتك (میں نے تجھ سے جدائی اختیار کر لی ہے) وغیرہ میں غضب کی حالت میں مرد کی بات مانی جائے گی۔ کیونکہ ان الفاظ میں گالی گلوچ کے معنی کا احتمال ہے۔

(متن میں ذکر کردہ) پہلے تین الفاظ کے علاوہ بائن طلاق کا واقع ہونا احناف کے نزدیک مسلم ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

Marfat.com

کیونکہ مذکورہ الفاظ (طلاق کے لئے موضوع نہیں ہیں بلکہ) ان میں طلاق کا کنایہ موجود ہے اور اسی لئے نیّت کرنا شرط ہے اور اس سے عدد کو کم کیا جا سکتا ہے اور ایسی طلاق کے لئے رجوع ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ صریح کی صورت میں ہوتا ہے۔ (امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے طلاق مراد لی جاتی ہے۔ جب ط ل ق سے طلاق دی جائے تو رجعی واقع ہوتی ہے۔ ہاں اگر ان کے اصلی معنوں میں طلاق کا مفہوم ہوتا تو بائن ہو سکتی تھی۔ مگر آپ ان کے اصلی معنی نہیں لے سکتے۔ کیونکہ (۱) اگر ان کے اپنے معنی لیں اور ان سے ہی طلاق ثابت ہو تو پھر یہ الفاظ کنایہ نہ ہوں گے۔ (۲) اگر ان کے حقیقی معنی لئے جائیں تو یہ صریح ہوں گے اور پھر نیّت کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ (۳) اور اگر ان کے اپنے معنی لئے جاتے تو پھر طلاق کا عدد کم نہ ہوتا کیونکہ مرد تین طلاقوں کا مالک ہوتا ہے۔ مگر ایک طلاقِ کنایہ دینے کے بعد اگر رجوع کرے گا تو دو کا مالک ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ان سے مراد طلاق ہے اور ط ل ق سے رجعی واقع ہوتی ہے)۔

احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ فرقت میں تصرّف اس شخص کی طرف سے ہوتا ہے جو اس کا اہل ہے (کیونکہ وہ خاوند ہے اور عاقل و بالغ ہے اور اس میں طلاق دینے کی اہلیت بھی ہے) نیز فرقت کی نسبت بھی اس طرف ہوئی ہے جو محلِ طلاق ہے (کیونکہ وہ اس کی منکوحہ ہے) اور شریعت مرد کو بائن طلاق دینے کی ولایت بھی دیتی ہے (جو نکاح سے موجود ہوتی ہے) تو مذکورہ صورتوں میں اہلیت، محلّیت اور ولایت میں کوئی خفا نہیں۔ اور ولایتِ (ابانت) کو ثابت کرنے کی ضرورت بھی ہے تاکہ اس کا تدارک ہمیشہ کے لئے مسدود ہو کر نہ رہ جائے

Marfat.com

اور عورت کی موجودگی میں بلا قصد مراجعت نہ ہو جائے اور پھر عورت کی ذمہ داری اس پر آ پڑے (کیونکہ مرد اگر اپنی بیوی سے پورے طور پر دل برداشتہ ہو چکا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں اسے ایسی طلاق دوں جس سے میری گلو خلاصی ہو جائے اور بغیر ضرورت رجوع بھی نہ کر سکوں۔ لیکن اگر عورت اس طلاق سے متاثر ہو کر اپنی اصلاح کر لے اور میں اسے دوبارہ بسانا چاہوں تو حلالے وغیرہ کا چکر بھی درپیش نہ آئے تو اب آپ ہی بتائیں کہ اس قسم کی ضرورت طلاق رجعی سے پوری ہو سکتی ہے یا بائن سے۔ کیونکہ نفرت مستقل ہو چکی ہے لہٰذا عارضی رجعت بالآخر تین طلاق پر منتج ہو گی اور وہ مغلظہ ہو جائے گی)۔

کنایات طلاق حقیقی نہیں ہوتے (جیسا کہ امام شافعیؒ کا خیال ہے) کیونکہ یہ کنایات اپنے حقیقی معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں (جب یہ کنایات مجازی ہوئے تو حقیقۃً کنایہ عن الطلاق نہ ہوں گے کہ طل ق کا مادہ ثابت ہو جائے اور ایک رجعی واقع ہو۔ چونکہ یہ الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں اس لئے جب انہیں طلاق کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو نیّت شرط قرار دی جاتی ہے)۔

(آپ نے نیّت والی جو دلیل دی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بینونت دو قسم کی ہے۔ یعنی نکاح سے بائن یا کسی اور چیز مثلاً نیکی وغیرہ سے) تو نیّت کو اس لئے شرط قرار دیا جاتا ہے کہ بینونت کی دو قسموں میں سے ایک قسم کا تعیّن ہو جائے (یعنی بائن عن النکاح والی قسم کا) اس سے ہرگز یہ مقصد نہیں ہوتا کہ نیت طلاق کے لئے شرط ہوتی ہے (بلکہ یہ تو بینونت کی ایک نوع متعین کرنے کے لئے

Marfat.com

شرط ہے)

عدد اس لئے کم ہوتا ہے کہ ملاپ کو توڑ دینے سے (یعنی بتہ و بائن وغیرہ کہنے سے) طلاق کا ثبوت ہوجاتا ہے (نہ یہ کہ ہم یہ الفاظ بول کر مراد طلاق لے رہے ہیں) - تین کی نیّت اس لئے درست ہے کہ بینونت کی دو قسمیں ہیں؛ خفیفہ وغلیظہ اور عدمِ نیّت کے وقت بینونت خفیفہ ثابت ہوگی (اور اگر غلیظہ کی نیت کر لے تو اس کا ثبوت نیّت کی بناء پر ہو جائے گا) -

مسئلہ: ہمارے نزدیک دو کی نیّت کرنا درست نہیں بخلاف امام زفر رح کے - کیونکہ دو عدد ہے (نہ وحدتِ نوعی ہے اور نہ وحدتِ شخصی) اس پہ تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے -

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا: اعتدی (تو عدّت گزار) اعتدی، اعتدی - اور کہا کہ پہلے لفظ سے میری مراد طلاق تھی اور باقی دو سے حیض - تو عدالت میں اس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا - کیونکہ اس نے حقیقتِ کلام کی نیت کی ہے اور چونکہ انسان اپنی بیوی کو طلاق کے بعد عدّت کا حکم ہی دیتا ہے لہٰذا ظاہری صورتِ حال بھی اسی کی تائید کرتی ہے -

مسئلہ: اگر مرد کہے کہ باقی دو الفاظ سے میں نے کچھ نیّت نہیں کی تو یہ تین طلاقیں شمار ہونگی - کیونکہ جب اس نے پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی تو یہ مذاکرہ طلاق والی حالت ہوگئی تو باقی دو الفاظ کا بھی اسی دلالت سے طلاق کے لئے تعیّن ہو جائے گا - لہٰذا نفیٔ نیت میں اس کی تصدیق نہ کریں گے - ہاں اگر مرد کہے کہ میں نے کسی لفظ سے بھی طلاق کی نیّت نہیں کی تو کچھ نہ

Marfat.com

ہوگا کیونکہ ظاہری صورتِ حال بھی اس کی تکذیب نہیں کرتی۔

اگر مرد کہے کہ میں نے پہلے دو الفاظ سے طلاق کی نیّت نہیں کی، بلکہ تیسرے لفظ سے کی تھی۔ تو ایک واقع ہوگی۔ کیونکہ پہلے دو الفاظ کے وقت حالتِ مذاکرۂ طلاق نہ تھی۔

مذکورہ تمام صورتوں میں نفیٔ نیّت کے بارے میں مرد سے قسم لے کر اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنے دل کی بات کی خبر دینے میں امین ہے اور ہمیشہ امین کی بات ہی تسلیم کی جاتی ہے مگر اس سے قسم لی جاتی ہے۔

بابُ تفویضِ الطّلاق

تفویضِ طلاق کا بیان

اختیار کا بیان

مسئلہ: جب مرد نے عورت سے کہا: اختاری (تجھے اختیار ہے) اور اس سے نیّتِ طلاق کی۔ یا مرد نے کہا: طلّقی نفسك (تو چاہے تو اپنے آپ کو طلاق دے لے) تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ جب تک اس مجلس میں ہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔ لیکن اگر مجلس سے اُٹھ جائے یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائے تو اختیار اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ کیونکہ باجماعِ صحابہؓ اس کا اختیار اسی مجلس تک محدود ہوتا ہے۔ اور تفویض چونکہ عورت کو مالکہ بناتی ہے اور اس مالک بنانے کے جواب کا تقاضا اسی مجلس میں ہوتا ہے جیساکہ بیع

Marfat.com

میں ہوتا ہے کیونکہ مجلس کی ساعات بمنزلہ ساعتِ واحد شمار ہوتی ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مجلس گاہے تو چلے جانے سے بدل جاتی ہے اور گاہے دوسرے کام میں مشغول ہونے سے۔ کیونکہ مجلس خورد و نوش مجلس مناظرہ سے الگ ہوتی ہے اور اسی طرح مجلسِ قتال ان دونوں سے علیحدہ۔

مسئلہ : عورت کا خیار محض قیام سے باطل ہو جائے گا کیونکہ مجلس سے کھڑا ہونا گویا انحراف کی علامت ہے۔ بخلاف بیع صرف اور سلم کے۔ کیونکہ ان میں بغیر قبضہ مجلس سے چلے جانا مفسد ہے۔

"اختاری" وغیرہ الفاظ میں نیتِ طلاق بھی ضروری ہے۔ کیونکہ صرف لفظ اختیار سے طلاق بھی مراد ہو سکتی ہے اور کسی دوسرے تصرف کا اختیار بھی مراد ہو سکتا ہے۔

مسئلہ : اگر "اختاری" کے جواب میں عورت نے کہا "اخترت" یعنی میں نے اختیار کر لیا۔ تو ایک بائن طلاق واقع ہو گی۔ قرینِ قیاس تو یہ تھا کہ ان الفاظ سے کچھ بھی واقع نہ ہو۔ اگرچہ خاوند نیّتِ طلاق بھی کرے کیونکہ (انت طالق کی طرح) خاوند ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں کر سکتا۔ تو ان الفاظ سے دوسرے کو کس طرح مالکِ طلاق بنا سکتا ہے۔ مگر ہم نے قیاس کو چھوڑتے ہوئے استحسان کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی اسی پر ہے۔ نیز مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے نکاح میں باقی رکھے یا اسے چھوڑ دے۔ لہٰذا وہ اسے صفت کی مالکہ بنا سکتا ہے۔ نیز اس سے بائن طلاق واقع ہو گی۔ کیونکہ عورت کے اختیارِ نفس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو اس طرح اختیار کرے

Marfat.com

کہ اس اختیار کو اپنے ساتھ مختص کرے۔ اور یہ بات (رجعی طلاق سے نہیں ہو سکتی) بائن سے ہو سکتی ہے۔ (اختصاص نفس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کا عورت پر پھر اختیار نہ رہے)

اس صورت میں اگر زوج تین کی نیت بھی کرے تو تین واقع نہ ہونگی کیونکہ اختیار میں تنوّع نہیں ہوتا۔ بخلاف ابانت کے، کیونکہ اس میں خفیفہ وغلیظہ ہونے کا تنوّع ہو سکتا ہے۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مرد یا عورت کے کلام میں نفس کا لفظ ضرور ہو۔ حتیٰ کہ اگر مرد نے کہا "اختاری" اور عورت نے کہا "اخترت" تو ایسا کہنا باطل ہوگا کیونکہ یہ معروف ہے اور اجماع سے ثابت ہے۔ اور اجماع بھی ایک جانب میں نفس کے لفظ کی تفسیر چاہتا ہے۔ نیز مبہم مبہم کی تفسیر نہیں ہو سکتا اور ابہام کے ہوتے ہوئے تعیّن ممکن نہیں۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا: اختاری نفسك (تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے) اور عورت نے جواب میں کہا: اخترت تو ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ مرد کا کلام (لفظ نفس کے ساتھ) مفسّر ہے اور عورت کا کلام اس کے جواب میں صادر ہوا ہے۔ پس وہ مرد کے کلام کے اعادہ کو متضمّن ہوگا (گویا عورت نے یوں کہا: اخترت ما امرتنی باختیار ہ)

اسی طرح اگر مرد کہے اختاری اختیارۃ اور عورت کہے اخترت کیونکہ اختیارۃ کی ۃ اتحاد وانفراد کی خبر دیتی ہے (یعنی یہ اختیار نفس میں ہی ہوگا دوسرے کاموں میں نہیں ہوگا) عورت کا اپنے نفس کو اختیار کرنا کبھی ایک

Marfat.com

بار ہوتا ہے اور لگا ہے متعدد بار (مثلاً مرد کہے کہ تجھے ہمیشہ اختیار ہے تو اس صورت میں جب بھی ایک طلاق کے بعد نکاح کرے گا عورت کو اختیار ہوگا) اس لئے یہ کلام بھی مرد کی طرف سے مفسّر ہوگا۔

مسئلہ: اگر مرد اختاری کہے اور عورت جواب میں "اخترت نفسی" کہے۔ اگر مرد نے نیّتِ طلاق کی ہے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، کیونکہ عورت کا کلام مفسّر ہے۔ اور مرد نے جس کی نیّت کی ہے اس کے کلام میں اس کا احتمال موجود ہے۔ (کیونکہ اس سے طلاق کی نیّت بھی کر سکتا ہے اور کسی دوسری چیز کی بھی۔ جب ثابت ہوگیا کہ نیّتِ طلاق بھی محتملاتِ کلام سے ہے تو مرد کی جانب بھی نفس کا لفظ ثابت ہوگیا کہ گویا مرد نے بھی اختاری نفسك کہا تھا)۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا اختاری اور عورت نے جواب میں انا اختار نفسی (میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں) کہا، تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ طلاق واقع نہ ہو۔ کیونکہ (اختار بمعنی مستقبل) محض وعدہ بن جاتا ہے۔ یا (بصورت معنی حال) اس کا احتمال رکھتا ہے تو یہ صورت اس طرح ہوگئی طلقی نفسك (تو اپنے نفس کو طلاق دے سکتی ہے) اور عورت نے کہا انا اطلق نفسی (یہ مسلّم ہے کہ اس صورت میں طلاق نہ ہوگی) لیکن یہاں استحسان کی وجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ قول ہے لا بل اختار الله و رسوله (نہیں بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرتی ہوں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو معتبر مانا تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ "اختار" حقیقۃً حال کے معنی دیتا ہے اور مجازاً

Marfat.com

مستقبل کا۔ جیسا کہ کلمۂ شہادت اور دوسری گواہیوں میں (کیونکہ وہاں بھی اَشْهَدُ مضارع کا صیغہ ہی استعمال کیا جاتا ہے اور حال کے معنی لئے جاتے ہیں) بخلاف اُطلِّقِی نفسی کے۔ اسے حال پر محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ کسی موجود حالت کا بیان نہیں ہے۔ بخلاف ایسی صورت کے جبکہ عورت کہے انا اختار نفسی کیونکہ وہ حالت کا بیان ہو سکتا ہے اور وہ اس کا اپنے نفس کو اختیار کرنا ہے (یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اختیار افعالِ قلوب سے ہے یعنی جب عورت کو اختیار دیا جاتا ہے تو پہلے اپنے دل میں اختیار کو قبول کرتی ہے اور پھر زبان سے اخترتُ کہتی ہے تو فعل قلب محکی عنہ اور فعل لسان حکایت ہوگا مگر طلاق دینا یا لینا فعلِ لسانی ہے اس لئے کسی چیز کی حکایت اور بیان نہ ہوگا۔ بلکہ مضارع کا صیغہ محض وعدہ ہوگا۔ لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی)۔

مسئلہ: اگر مرد عورت سے کہے اختاری، اختاری، اختاری، عورت نے جواب دیا کہ میں نے پہلا، درمیانہ اور آخری اختیار قبول کر لیا۔ تو امام اعظمؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور مرد کے نیّت کرنے کی حاجت نہ ہوگی مگر صاحبینؒ کے نزدیک اس سے ایک طلاق واقع ہوگی۔ تاہم خاوند کا نیّت کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ تکرار اس امر طلاق پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ اختیار کا تکرار صرف حقِ طلاق ہی میں ہو سکتا ہے (دوسرے کاموں میں نہیں)۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ پہلی طلاق اور اس کی قائم مقام طلاقوں کا ذکر اگرچہ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا لیکن مفرد معنوں کا فائدہ ضرور دیتا ہے۔ لہٰذا جو فائدہ دے رہا ہے اسی کا اعتبار ہوگا۔ (عورت کے اخترت الاولیٰ کہنے

Marfat.com

کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے ایک طلاق اختیار کر لی۔ جب ایک بائن واقع ہوگئی تو دوسری اور تیسری واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ عورت ایک ہی سے بائنہ ہوگئی اور باقی دو کا محل نہ رہی) (یعنی اُولیٰ، وُسطیٰ اور آخرہ ہر ایک کی دو صفات ہیں۔ اولیٰ میں ایک تو اولیت ہے اور دوسری انفرادیت۔ یعنی ایک طلاق۔ وسطیٰ میں ایک تو وسطیت اور دوسری انفرادیت ہے۔ اسی طرح آخرہ میں آخریت اور انفرادیت ۲ وصفات ہیں۔ مگر زوجہ نے چونکہ مجموعی طور پر اختیار کی ہیں لہذا ترتیب تو نہ رہی اور اولیت، وسطیت اور آخریت والا وصف جاتا رہا۔ صرف انفراد والی صورت باقی رہ گئی۔ اس لئے ایک ہی واقع ہوگی)۔

امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ یہ وصف ہی لغو ہے کیونکہ جو شئے ملک میں مجتمع طور پر آئے اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ تین چار آدمی اگر ایک مکان میں اکھٹے بیٹھے ہوں تو ان میں ترتیب ضروری نہیں ہوتی اور کلام میں ترتیب کا لحاظ ہوتا ہے اور مفرد ہونا اس کی ضروریات سے ہے۔ لہذا جب کلام اصل کے لحاظ سے لغو ہوگیا تو اس امر کے حق میں بھی لغو ہوگا جو اس پر مبنی ہے (یعنی اپنے نافذ ہونے میں بھی لغو شمار ہوگا۔ یعنی جب اصل لغو ہوا تو لوازم بھی لغو ہونگے اور عورت کا کلام درست نہ رہے گا بلکہ لغو ہو جائے گا۔ مگر مرد کا کلام صحیح رہے گا۔ اس لئے عورت کے اختیار کرنے سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی)۔

مسئلہ : اگر مذکورہ صورت کے جواب میں عورت اخترت اختیارۃ

Marfat.com

کہے تو سب کے نزدیک تین واقع ہوں گی۔ کیونکہ اختیارۃ برائے مرۃ استعمال ہوا ہے تو گویا عورت نے اس طرح کہا کہ میں نے تینوں کو یکبارگی اختیار کر لیا۔ نیز اختیارۃ تاکید کے لئے ہے اور جب بغیر تاکید کے تین واقع ہوتی ہیں تو تاکید کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ تین واقع ہوں گی۔

مسئلہ: اگر عورت جواب میں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی۔ یا اپنے آپ کو ایک طلاق کے ساتھ اختیار کیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور مرد رجوع کا مالک ہوگا۔ کیونکہ لفظ کا تقاضا ہے کہ طلاق عدت کے گزرنے کے بعد واقع ہو۔ تو گویا عورت نے اپنے نفس کو عدت کے بعد اختیار کیا۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا کہ طلاق دینے کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا تو طلاق کو اختیار کر سکتی ہے۔ عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو ایک رجعی طلاق ہوگی۔ کیونکہ مرد نے اسے اختیار تو ضرور دیا ہے لیکن صرف ایک طلاق کا، لہٰذا اس کے بعد رجعت موجود ہوگی۔

فصل فی الأمر بالید

اختیار دینے کا بیان

مسئلہ: اگر مرد نے تین طلاقوں کی نیت کرتے ہوئے عورت سے کہا: امرك بیدك (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے) عورت نے جواب میں کہا:

Marfat.com

اخترت نفسی بواحدۃٍ (میں نے اپنے لئے ایک اختیار کر لی) تو تین واقع ہوں گی۔ (اگر کہا جائے کہ مرد اور عورت کے کلام میں مطابقت نہیں ہے کیونکہ عورت کو جواب میں امری بیدی کہنا تھا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اختیار (کا لفظ) بھی امر بالید کا جواب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اختیار دینے کی طرح امر بالید سے بھی عورت کو مالک بنایا جا سکتا ہے (عورت کے کلام میں) واحدۃ اختیار کی صفت ہے۔ گویا عورت نے اس طرح کہا: اخترت نفسی بمرّۃٍ واحدۃ (میں نے اپنے نفس کو ایک بار ہی اختیار کر لیا) چنانچہ اس قول سے تین طلاقیں واقع ہونگی۔

مسئلہ: اگر عورت مذکورہ کلام کے جواب میں کہے: قد طلقت نفسی بواحدۃ او اخترت نفسی بتطلیقۃٍ (میں نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی۔ یا میں نے ایک طلاق کو اپنے لئے اختیار کیا) تو ایک بائن طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ واحدہ مصدرِ محذوف کی صفت ہے اور وہ پہلی صورت میں اختیار ہے اور دوسری صورت (طلقت نفسی بواحدۃٍ) میں طلاق، اور طلاق بھی بائن ہوگی۔ کیونکہ بائن طلاق کی سپردگی ضرورت کی بناء پر ہے۔ جب کہ خود مرد نے اسے اس امر کا مالک بنایا۔ اور عورت کا قول اس کے جواب میں صادر ہوا۔ چنانچہ جو صفت تفویض میں مذکور ہوگی وہی طلاق واقع ہونے پر پائی جائے گی (لہٰذا مرد اور عورت کے کلام میں مطابقت موجود ہے)۔

نیز امرك بیدك میں تین کی نیّت اس لئے درست ہے کہ امر بالید میں عموم (تین) اور خصوص (ایک) دونوں کا احتمال موجود ہے اور تین کی نیّت

Marfat.com

تعمیم کی نیّت ہے (جو درست ہے) بخلاف مرد کے قول "اختاری" کے۔ کیونکہ اس میں عموم کا احتمال نہیں۔ (اختیار قابلِ تقسیم نہیں ہوتا۔ بخلاف بینونت کے کہ وہ خفیفہ وغلیظہ ہوتی رہتی ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)۔

مسئلہ: اگر خاوند نے عورت سے کہا: امرك بيدك اليوم و بعد غد (تجھے آج اور کل کے بعد اختیار ہے) تو اس میں رات شامل نہیں ہوگی (کیونکہ قید لگاتار نہیں ہے)۔ اگر اس دن کا اختیار عورت نے ردّ کر دیا تو اس دن کا اختیار باطل ہو جائے گا۔ اور بعد غدٍ (یعنی پرسوں کا) اختیار عورت کے ہاتھ میں ہوگا کیونکہ مرد نے ایسے دو وقتوں کی تصریح کی ہے جن کے بیچ میں ان کی جنس ہی کا وقت ہے جس کو امر بالید شامل نہیں۔ (یعنی آج اور پرسوں میں کل کا دن ہے جو امر بالید میں شامل نہیں ہے۔ اب مصنفؒ فرماتے ہیں کہ رات کیوں شامل نہ ہوگی)۔ جب لفظِ یوم کو منفرد طور پر ذکر کیا جائے تو اس میں رات شامل نہیں ہوتی اس لئے امر الیوم اور امر بعد الغد دونوں الگ الگ امر ہیں لہٰذا ایک کے ردّ کرنے سے دوسرا ردّ نہیں ہوگا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ تفویض کی دونوں صورتیں دراصل ایک ہی امر بالید ہیں۔ جیسا کہ کوئی صریح طلاق میں کہے: انت طالق اليوم وبعد غد (تجھے آج اور پرسوں طلاق ہے) ایسی صورت میں آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسی دن طلاق واقع ہو جائے گی اور دو الگ الگ وقت نہیں ہونگے۔

ہم کہتے ہیں کہ طلاق میں وقت مقرر کرنے کا احتمال نہیں ہوتا (یعنی

Marfat.com

طلاق ایسی چیز نہیں ہے جو کسی وقت کے تقرر کو قبول کر لے۔ کیونکہ جو طلاق آج واقع ہوگی وہ رات کو بھی اسی طرح واقع ہوگی اور پرسوں بھی) اور امر بالید میں یہ احتمال موجود ہے (کہ آج کا اختیار الگ ہو اور پرسوں کا الگ) تو امر بالید پہلے وقت کے متعلق ہوگا (یعنی مرد نے دو وقت بیان کئے ہیں۔ آج اور پرسوں تو اختیار آج کے ساتھ مؤقّت ہوگا) اور دوسرا وقت نئے سرے سے امر بالید قرار دیا جائے گا (یعنی پرسوں کا دن نیا امر بالید ہوگا۔ لہذا الیوم کا اختیار رد کر دینے سے بعد غدٍ کا اختیار رد نہ ہوگا)۔

مسئلہ: اگر مرد کہے امرك بيدك اليوم وغداً (آج اور کل تجھے اختیار ہے) تو اس میں رات بھی شامل ہوگی۔ اگر وہ اس دن (الیوم) کا اختیار ردّ کر دے تو دوسرے دن اس کے ہاتھ میں اختیار باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ یہ (اختیار) امرِ واحد ہے اور دونوں مذکورہ وقتوں کے درمیان ان کی جنس کا کوئی ایسا وقت مخل نہیں جس کو امر بالید کا قول شامل نہ ہوا ہو (آج اور کل میں صرف رات شامل ہے مگر وہ اجازت ہی میں داخل ہے۔ کیونکہ) گاہے مجلسِ مشورت ختم نہیں ہوتی اور رات آجاتی ہے (تو شمولِ لیل کلام کا مقتضیٰ ہی ہے۔ گویا کہ مرد نے یوں کہا: امرك بيدك في يومين (دو دن تجھے اختیار ہے) (تو اس صورت میں رات کا شمول مضر نہیں)۔

امام اعظمؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر عورت الیوم کا اختیار ردّ کر دے تو اسے حق حاصل ہوگا کہ آئندہ روز اپنے نفس کو اختیار کر سکے کیونکہ عورت امر بالید کو ردّ کرنے کی مالک نہیں ہوتی۔ جیسا کہ وہ مرد کے ایقاعِ طلاق کو

Marfat.com

نہیں روک سکتی (یعنی اگر مرد کہے انت طالق الیوم و غداً تو عورت پر اسی وقت طلاق واقع ہوجائے گی۔ ایقاع طلاق کو روکنا اس کے بس میں نہیں ہے۔ اسی طرح اگر الیوم کے اختیار کو ردّ کر دے تو وہ کل کے اختیار کو ردّ کرنے کی مالکہ نہ ہوگی)۔

ظاہر الروایۃ کی وجہ یہ ہے کہ عورت نے جب اپنے نفس کو آج اختیار کر لیا تو پھر اس کو کل کے روز اختیار نہیں رہے گا۔ پس اسی طرح اگر اس نے امر بالید کو ردّ کر کے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا (تو بھی کل کے روز اسے اپنے نفس کو اختیار کرنے کی قدرت نہ رہے گی) کیونکہ جس کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جائے اسے دو میں سے ایک چیز کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اگر مرد کہے امرك بيدك اليوم وامرك بيدك غداً (تجھے آج اختیار ہے اور تجھے کل اختیار ہے) تو یہ دو اختیار ہیں کیونکہ مرد نے ہر ایک وقت کی خبر کو علیحدہ ذکر کیا ہے (یعنی ہر کلام بذاتہٖ مستقل ہے) بخلاف پہلی صورت کے (یعنی امرك بيدك اليوم وغداً امر واحد ہے)

مسئلہ: اگر مرد نے کہا: امرك بيدك يوم يقدم فلان (جس دن فلاں شخص آیا، تجھے اپنے آپ کا اختیار ہوگا) پس وہ آدمی آگیا۔ مگر اس کی آمد کا علم نہ ہوسکا۔ حتیٰ کہ رات کی تاریکی چھا گئی تو عورت کے ہاتھ میں اختیار نہیں رہے گا۔ کیونکہ امر بالید امر ممتد ہے (یعنی اس میں توسیع ممکن ہے طلاق کی طرح غیر ممتد نہیں کہ اسی وقت واقع ہوجائے) اس لئے جو "یوم" امر

Marfat.com

ممتد سے متصل ہوگا اس سے مراد دن کی سپیدی ہوگی۔ اس کی تحقیق ہم فصل "اضافۃ الطلاق" میں بیان کر چکے ہیں۔ پس اختیار دن ہی دن تک مؤقت رہے گا اور دن کے گزر جانے سے اختیار بھی ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ : اگر مرد نے عورت کو امر بالید کا موقع دیا یا اسے اختیار دیا۔ پس اس دن وہ اسی جگہ رہی اور کھڑی نہ ہوئی تو اسے اختیار حاصل رہے گا جب تک کہ وہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ یہ اختیار دینا عورت کو اپنے آپ کو طلاق دینے کی مالکہ بنانا ہوتا ہے (یعنی اختیار سے عورت اپنے آپ پر طلاق وارد کرنے کی مالکہ بن جاتی ہے) کیونکہ مالک وہی ہوتا ہے جو اپنی رائے سے جس طرح چاہے تصرف کرے اور عورت اسی صفت سے موصوف ہے (یعنی اپنے نفس کی مالکہ ہو چکی ہے، طلاق اختیار کرے یا نہ کرے) اور مالکہ بنانے کا یہ حق مجلس تک محدود رہتا ہے جس کی تحقیق ہم "فصلِ اختیار" میں بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ : اگر عورت مرد کے اس قول کو سن رہی ہو تو عورت کی وہی مجلس معتبر ہوگی جس میں اس نے یہ بات سنی۔ اگر وہ خود نہیں سن رہی تو عورت کی وہ مجلس معتبر ہوگی جس میں اسے علم ہوا یا اسے خبر پہنچی کیونکہ اس تملیک میں تعلیق کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس لئے مجلس کے بعد تک موقوف ہوگی اور مرد کی مجلس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا کیونکہ امر بالید کا معلق کرنا شوہر کے حق میں لازم ہے (یعنی اب وہ اپنی تعلیق سے رجوع کر کے حقِ اختیار واپس نہیں لے سکتا)۔ بخلاف بیع کے۔ کیونکہ بیع میں تملیک محض تملیک ہی ہوتی ہے اور اس

Marfat.com

میں تعلیق کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔

اور جب عورت کی مجلس کا اعتبار پیش نظر ہو تو مجلس کبھی تو جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہے اور گاہے ایک کام چھوڑ کر دوسرا کام شروع کرنے سے جیساکہ خیار کی بحث میں ہم اس کی پوری تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

نیز عورت کے کھڑا ہونے سے بھی اس کے ہاتھ سے اختیار جاتا رہے گا کیونکہ یہ قیام اعراض کی دلیل ہوگا۔ اور قیام رائے میں بھی تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ بخلاف اس کے جب وہ دن بھر اسی طرح بیٹھی رہے، نہ تو اُٹھے اور نہ کسی دوسرے کام میں لگے۔ کیونکہ مجلس گاہے طویل ہو جاتی ہے اور گاہے مختصر۔ پس مجلس برابر باقی رہے گی۔ یہاں تک کہ کوئی ایسا امر پایا جائے جو مجلس کو برخاست کر دے یا عورت کے اعراض پر دلالت کرے۔

جامع الصغیر میں امام محمدؒ کے قول "مکثت یوماً" سے مراد وقت کا اندازہ نہیں (کہ اس قدر وقت سے زائد نہ ہو۔ بلکہ محض مثال کے طور پر بیان ہوا ہے ورنہ اس سے زائد عرصہ بھی ممکن ہے) اور ان کے قول مالم تأخذ فی امر آخر سے مراد وہ عمل ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ اس مجلس کو منقطع کرنے والا ہے جس میں عورت موجود تھی۔ مطلق کام مراد نہیں ہے۔ (مثلاً اگر کھڑی تھی تو بیٹھ گئی یا بیٹھی تھی تو تکیہ لگا لیا۔ تو یہ کام قاطع مجلس نہ ہوگا)۔

مسئلہ: اگر عورت کھڑی تھی پھر بیٹھ گئی تو اس کا اختیار باقی رہے گا کیونکہ یہ تو متوجہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ بیٹھ جانا رائے کو جامع اور

Marfat.com

صائب ہونے کا موقع دیتا ہے۔

اسی طرح اگر عورت بیٹھی تھی پھر تکیہ لگا لیا۔ یا تکیہ لگائے ہوئے تھی اور تکیے سے ہٹ کر بیٹھ گئی (تو اختیار باقی رہے گا) کیونکہ یہ ایک صورت نشست کو چھوڑ کر بیٹھنے کی دوسری صورت اختیار کرنا ہے۔ لہٰذا یہ اعراض شمار نہ ہوگا جیسا کہ وہ دونوں زانو کھڑے کر کے بیٹھی ہو اور پھر چار زانو ہو جائے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں یہ جامع الصغیر کی روایت ہے مگر دوسری کتب میں مذکور ہے کہ عورت اگر بیٹھی ہوئی تھی پھر تکیہ لگا لیا تو اسے اختیار نہیں رہے گا۔ کیونکہ تکیہ لگانا اس امر سے بے اعتنائی کا اظہار کرنا ہے۔ پس یہ دلیلِ اعراض ہو گی۔ لیکن (امام محمدؒ کا) پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

اگر عورت بیٹھی ہوئی تھی پھر لیٹ گئی تو اس مسئلے میں ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں (یعنی اختیار کا باقی رہنا اور زائل ہو جانا۔ دلائل وہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں)۔

مسئلہ : اگر عورت نے کہا کہ لوگو! میرے باپ کو بلا لاؤ تاکہ میں اس سے مشورہ کر لوں۔ یا کہا کہ گواہوں کو بلا لاؤ تاکہ میں ان کو اس امر پہ گواہ بناؤں تو اس کا اختیار باقی رہے گا۔ کیونکہ مشورہ کرنا درست بات معلوم کرنے کی کوشش کے لئے ہوتا ہے اور گواہ قائم کرنا انکار سے بچنے کے لئے ہوتا ہے اس لئے دلیلِ اعراض نہ ہو گی۔

مسئلہ : اگر عورت جانور پہ سوار تھی یا کجاوے میں تھی۔ پھر سواری

Marfat.com

ٹھہر گئی تو خیار باقی رہے گا۔ لیکن اگر سواری روانہ ہو گئی تو اختیار باطل ہو جائے گا کیونکہ جانور کا چلنا اور رُکنا عورت کی طرف ہی منسوب ہو گا۔

مسئلہ: کشتی بمنزلہ گھر کے ہے کیونکہ اس کی روانی سوار کی طرف منسوب نہیں ہوتی۔ آپ جانتے ہیں کہ سوار اس کے روکنے پر قادر نہیں ہوتا مگر جانور کا سوار اسے روکنے پر قادر ہوتا ہے (لہٰذا کشتی کے چلنے سے اختیار باطل نہ ہو گا)۔

فصل فی المشیۃ

مشیت کا بیان

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا طلقی نفسك اور مرد کی نیت کچھ بھی نہ تھی یا اس نے ایک طلاق کی نیت کی اور عورت نے جواب میں کہا طلقت نفسی تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں اور مرد نے بھی تین کا ارادہ کیا ہو تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ اس (یعنی پہلی صورت میں ایک اور دوسری میں تین کا واقع ہونے) کی دلیل یہ ہے کہ مرد کے قول طلقی کا مطلب یہ ہے افعلی فعل الطلاق اور طلاق اسم جنس ہے جس کا اطلاق فرد ادنیٰ (واحد) پر ہو گا۔ مگر کُل (تین) کا احتمال بھی رہے گا جیسا کہ تمام اسمائے اجناس کا اصول ہے۔ اس لئے طلاق میں تین کی نیت مؤثر ہوتی ہے اور عدم نیت کے موقع پر اس سے ایک طلاق مراد لی

Marfat.com

جائے گی اور یہ ایک بھی رجعی ہوگی۔ کیونکہ طلاقِ صریح عورت کے سپرد کی گئی ہے اور وہ رجعی ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر مرد دو کی نیت کرے تو صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ دو کی نیت عدد کی نیت ہوگی (حالانکہ اسم جنس سے وحدتِ شخصی یا وحدتِ نوعی مراد لی جاتی ہے اور دو نہ وحدتِ شخصی ہے اور نہ نوعی) البتہ جب یہ منکوحہ باندی ہو (تو دو کی نیت درست ہے) کیونکہ دو کا عدد اس کے حق میں جنس ہے۔

مسئلہ: مرد نے اپنی بیوی سے کہا طلقی نفسک عورت نے جواب میں کہا ابنت نفسی (میں نے اپنے آپ کو بائنہ کر لیا) تو بھی ایک رجعی ہوگی۔ اگر عورت جواب میں قد اخترت نفسی کہے تو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ ابانت الفاظِ طلاق سے ہے۔ کیا آپ کو یہ تسلیم نہیں کہ اگر مرد کہے ابنتک (میں نے تجھے بائن کر دیا) اور اس سے طلاق کی نیت کرے یا عورت کہے ابنتُ نفسی (میں نے اپنے آپ کو بائنہ کر لیا) اور مرد کہے میں اس کی اجازت دیتا ہوں تو عورت پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اصل طلاق میں عورت نے شوہر کی تفویض کی موافقت کی۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ عورت نے اس میں ایک وصف کا اضافہ کر دیا یعنی ابانت کی تعجیل (کیونکہ رجعی سے تو ابانت عدت کے بعد ہوتی تھی۔ مگر عورت نے ایقاعِ ابانت میں جلد بازی سے کام لیا) لہٰذا زائد وصف لغو ہو جائے گا اور (رجعی) طلاق باقی رہے گی۔ جیسا کہ عورت طلقی نفسک کے جواب میں طلقتُ نفسی تطلیقۃ بائنۃ کہے (تو بھی اصل طلاق یعنی رجعی واقع ہوگی) اور مناسب یہی ہے کہ طلاقِ رجعی واقع

Marfat.com

ہو۔ بخلاف اس صورت کے جب عورت کہے کہ میں نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا کیونکہ اختیار کرنا الفاظِ طلاق سے نہیں ہے۔ کیا آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اگر مرد اسے اختر تلک یا اختاری کہے اور اس کی نیّت طلاق کی تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر عورت پہل کرے اور کہے اخترت نفسی اور زوج کہے کہ میں نے اجازت دی تو کچھ واقع نہ ہوگا کیونکہ بالاجماع اخترت نفسی اس وقت طلاق شمار ہوتی ہے جب یہ تخییر کے جواب میں واقع ہو اور مرد کا طلقی نفسلک (عورت کے جواب میں) کہنا تخییر نہیں ہے لہٰذا عورت کا اخترت نفسی کہنا لغو ہوگا۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے قول ابنتُ نفسی سے کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ شوہر نے جو چیز عورت کے سپرد کی تھی اس نے اس کے بجائے دوسری چیز کو اختیار کیا کیونکہ ابانت طلاق کے مغائر ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا طلقی نفسلک تو مرد کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ تفویض میں قسم یعنی تعلیق کے معنی ہوتے ہیں۔ اور اس صورت میں طلاق عورت کے طلاق دینے سے معلّق ہو جاتی ہے اور تعلیق یا قسم کا تصرّف واجب ہوتا ہے (جس سے رجوع نہیں کیا جا سکتا)۔

مسئلہ: اگر عورت اپنی مجلس سے کھڑی ہو گئی تو تفویض باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ تملیک ہے (اور تملیک صرف مجلس تک رہتی ہے) بخلاف اس صورت کے جب مرد اپنی عورت سے کہے کہ تو اپنی سوت کو طلاق دے۔ کیونکہ یہ وکیل اور نائب بناتا ہے تو یہ مجلس تک محدود نہ ہوگی، نیز اس سے رجوع

Marfat.com

بھی کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ : اگر مرد نے عورت سے کہا طلقی نفسك متی شئت (تو جب بھی چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے) تو عورت اس مجلس میں اور اس مجلس کے بعد بھی طلاق کا اختیار رکھتی ہے کیونکہ لفظ متٰی سب اوقات کے بیان کرنے میں عام ہے۔ گویا مرد نے یوں کہا فی ای وقت شئت یعنی جس وقت بھی تو چاہے۔

مسئلہ : جب ایک مرد دوسرے مرد سے کہے طلق امرأتی (تو میری عورت کو طلاق دے دے) تو اس مرد کو اختیار ہے کہ اس مجلس میں طلاق دے یا بعد میں۔ اور خاوند رجوع بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ توکیل (وکیل بنانا) ہے اور استعانت ہے تو لازم نہیں (بلکہ اس سے رجوع بھی کیا جا سکتا ہے) اور نہ ہی مجلس تک محدود ہوگا (بخلاف مرد کے اپنی عورت کو طلقی نفسك کہنے کے۔ کیونکہ عورت اپنے آپ پر تصرف کر سکتی ہے تو یہ تملیک ہے توکیل نہیں ہے۔

مسئلہ : اگر مرد نے کہا طلقھا ان شئت (اگر تو چاہے تو اسے طلاق دے دے) تو وکیل کو صرف اسی مجلس میں طلاق دینے کا اختیار ہوگا اور زوج کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ اور پہلی صورت (طلق امرأتی) دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ مشیت کی تصریح کرنا یا نہ کرنا برابر ہے اس لئے کہ وکیل اپنی مشیت سے تصرف کرتا ہے (یعنی وکیل کی مرضی پر منحصر ہے کہ طلاق دے یا نہ دے

Marfat.com

خاوند ان نشئت کہے یا نہ کہے) پس "وکیل طلاق" "وکیل بیع" کی طرح ہوگا جب وکیل بیع کو یہ کہا جائے بعہ ان شئت (اگر تو چاہے تو اسے بیچ دے تو یہ اختیار مجلس تک محدود نہ ہوگا)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تملیک ہے (کیونکہ خاوند نے اِن شئت سے وکیل کے تصرفات کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا کہ اب وہ پورے طور پر مالک جیسے اختیارات رکھتا ہے) کیونکہ خاوند نے (طلاق کو) وکیل کی مشیئت سے معلق کر دیا ہے اور مالک وہی ہوتا ہے جو اپنی مرضی سے تصرّف کرتا ہے اور طلاق ایسی چیز ہے جو تعلیق (شرط) کو برداشت کرتی ہے مگر بیع میں یہ بات ممکن نہیں۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا طلقی نفسك ثلاثًا (تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے) لیکن عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو ایک ہی واقع ہوگی کیونکہ جب وہ تین واقع کرنے کی مالک بن گئی ہے تو ایک طلاق کے ایقاع کی بھی ضرورةً مالکہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر مرد اپنی بیوی سے کہے طلقی نفسك واحدة مگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دیں تو امام اعظمؒ کے نزدیک کچھ بھی واقع نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ایک واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ عورت نے وہ کچھ کیا جس کی وہ مالکہ تھی۔ مگر ساتھ کچھ اضافہ بھی کر دیا (لہذا اضافہ لغو ہوگا اور ایک طلاق واقع ہو جائے گی) جیسا کہ شوہر اسے ایک ہزار طلاق دے ڈالے (تو تین واقع ہوں گی اور باقی لغو ہوں گی)۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت نے وہ چیز کی جو شوہر نے اس کے سپرد

Marfat.com

نہیں کی تھی۔ تو گویا عورت نے سرے سے اپنے آپ کو طلاقیں دے رہی ہے (اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ ابتداءً اپنے آپ کو طلاق دے سکے) کیونکہ خاوند نے تو اسے صرف ایک طلاق کا مالک بنایا تھا اور تین کا عدد ایک نہیں ہوتا۔ کیونکہ ثلاث ایک مرکب جمع عدد کا نام ہے اور واحد فرد ہے جس میں ترکیب نہیں پائی جاتی۔ تو ایک اور تین میں باہم ضدین کی مغائرت ہے۔ بخلاف زوج کے کہ وہ اپنے ملک کے دائرہ میں تصرف کرتا ہے (لہذا جب اس نے ہزار طلاق دی تو ایجاب صحیح ہے مگر بقدر محل تین واقع ہونگی) اور اسی طرح پہلے مسئلے میں (ای طلقی نفسک ثلاثاً فطلقت واحدۃ) کیونکہ وہ تین کی مالکہ تھی (اور تین میں ایک بھی موجود ہوتا ہے) مگر اس صورت میں وہ تین کی مالکہ نہیں ہے اور جو اس نے کیا ہے وہ اس کے اختیار میں نہ دیا گیا تھا۔ لہذا تفویض ہی لغو ہو گئی۔

مسئلہ: اگر شوہر نے عورت کو ایسی طلاق کا حکم دیا جس سے وہ رجوع کر سکے مگر عورت نے اپنے آپ کو طلاق بائن دے دی یا مرد نے بائن طلاق کا حکم دیا اور عورت نے رجعی واقع کی۔ تو طلاق خاوند کے حکم کے مطابق واقع ہو گی۔

پس پہلے مسئلے کی صورت یہ ہے کہ جب خاوند کہے تم اپنے کو ایسی طلاق دے سکتی ہو جس سے میرے لئے رجوع ممکن ہو تو بیوی کہے کہ میں اپنے نفس کو بائن طلاق دیتی ہوں مگر رجعی طلاق واقع ہو گی کیونکہ اس نے اصل کے ساتھ کچھ مزید اپنے اوپر وارد کیا۔ تو صفت زائد لغو ہو جائے گا اور اصل باقی رہ

Marfat.com

جائے گا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اور دوسرے مسئلے کی صورت یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو طلاق بائن دے سکتی ہو اور عورت جواب میں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو ایک رجعی طلاق دی لیکن طلاق بائن واقع ہو گی کیونکہ عورت کا یہ کہنا کہ اس نے ایک طلاق رجعی دی لغو ہے۔ اور یہ لغو حرکت خود عورت کی طرف سے ہے۔ کیونکہ جب خاوند نے سپرد کردہ طلاق کی صفت معیّن کر دی تو عورت کا کام یہ ہے کہ وہ اسی (موصوف) طلاق کو واقع کر لے۔ اپنی طرف سے وصف کا تعیّن نہ کرے تو گویا عورت نے اصل طلاق پر اکتفا کیا۔ پس رجعی یا بائن اسی صفت کے ساتھ واقع ہو گی جو مرد نے معیّن کی ہے۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا طلقی نفسک ثلثاً ان شئت (اگر تو چاہے تو اپنے آپ کو تین طلاقیں دے سکتی ہے) اور عورت نے ایک اختیار کی تو کچھ واقع نہ ہو گا۔ کیونکہ مرد کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو تین چاہے۔ مگر عورت کے ایک واقع کرنے سے معلوم ہوا کہ اس نے تین کو نہیں چاہا ہے، لہذا شرط نہ پائی گئی۔

مسئلہ: اگر خاوند نے بیوی سے کہا طلقی نفسک واحدة ان شئت یعنی اگر تو چاہے تو اپنے آپ کو ایک طلاق دے سکتی ہے مگر عورت نے تین دیں تو بھی امام اعظم رح کے نزدیک وہی حکم ہو گا۔ کیونکہ تین کی مشیّت ایک کی مشیّت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ تین کا واقع کرنا ایک کا واقع کرنا نہیں ہوتا (یعنی مرد کہے کہ تو ایک طلاق دے سکتی ہے اور عورت تین دے تو یہ تین کا ایقاع ایک کا ایقاع نہ ہو گا)۔

Marfat.com

صاحبین کا قول ہے کہ ایک واقع ہوگی کیونکہ تین طلاقوں کی مشیئت میں ایک طلاق بھی موجود ہے جیسا کہ تین طلاقوں کا واقع کرنا ایک کا واقع کرنا بھی ہوتا ہے۔ پس شرط پائی گئی۔

مسئلہ: اگر مرد نے بیوی سے کہا: انت طالق ان شئتِ (اگر تو چاہتی ہے تو تجھے طلاق ہے) بیوی نے جواب میں کہا: شِئتُ ان شِئتَ (اگر تو چاہے تو مجھے منظور ہے) مرد نے نیتِ طلاق کرتے ہوئے کہا: شِئتُ (میں تو چاہتا ہوں) تو عورت کا اختیار باطل ہو گیا۔ کیونکہ شوہر نے تو عورت کی طلاق کو اس کی آزاد رائے کے ساتھ معلق کیا تھا۔ مگر عورت نے اپنی رائے کو خود مقید کر دیا۔ تو (تفویض کی) شرط برقرار نہ رہی اور وہ عورت کا لایعنی باتوں میں مشغول ہونا ہے (یعنی مرسلہ کو چھوڑ کر معلقہ کو اختیار کر لیا تو اختیار اس کے ہاتھ سے جاتا رہا)۔ لہٰذا مرد کے شِئتُ کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی خواہ وہ نیتِ طلاق بھی کر لے۔ کیونکہ بیوی کے قول میں طلاق کا ذکر نہیں ہے تاکہ مرد اس کی طلاق کا چاہنے والا ہو (یعنی عورت نے صرف اتنا کہا کہ میں چاہتی ہوں اگر تو چاہے۔ اس قول میں طلاق کا لفظ مذکور نہیں ہے)۔ نیت ایسی چیز میں کچھ کام نہیں آتی جو مذکور ہی نہ ہو۔ البتہ اگر مرد شِئتُ ان شِئتَ کے جواب میں یوں کہے شِئتُ طلاقکِ (میں تیری طلاق چاہتا ہوں) تو طلاق واقع ہو جائے گی بشرطیکہ نیتِ طلاق بھی ہو۔ کیونکہ یہ تو گویا از سرِ نو طلاق دینا ہے کیونکہ طلاق کا چاہنا اس کے ہونے کی خبر دے رہا ہے بخلاف اردتُ طلاقکِ (میں تیری طلاق کا ارادہ کرتا ہوں) کہنے کے۔ کیونکہ ارادہ

Marfat.com

اس کے موجود ہونے کی خبر نہیں دیتا - اسی طرح اگر عورت نے جواب میں کہا: شئتُ ان شاء ابی (مجھے منظور ہے اگر میرے والد کو منظور ہو) یا شئت ان کان کذا (اگر یہ کام اس طرح ہو جائے تو مجھے منظور ہے) یعنی کسی ایسے کام سے مشروط کر دے جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا (تو یہی صورت ہوگی) جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ عورت نے اپنی مشیّت کو معلّق کر دیا ہے (حالانکہ وہ مطلق تھی) اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور اختیار باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر عورت نے مشیّت کو کسی ایسے کام سے معلّق کیا جو پہلے واقع ہو چکا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ کسی موجود چیز سے مشروط کرنا گویا فوری نافذ کرنا ہے۔

مسئلہ: اگر خاوند نے زوجہ سے کہا: انت طالق اذا شئتِ او اذا ما شئتِ او متیٰ شئتِ او متیٰ ما شئتِ (تو جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے) مگر عورت نے اس تفویض کو رد کر دیا۔ لیکن یہ رد نہیں ہوگی اور نہ ہی مجلس تک محدود رہے گی۔

رہا کلمہ متیٰ اور متیٰ ما تو یہ دونوں وقت کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور یہ تمام اوقات کے لئے عام ہیں۔ گویا مرد نے یوں کہا: فِی اَیِّ وقتٍ شِئتِ تو یہ اختیار بالاجماع مجلس تک محدود نہ ہوگا۔ اگر عورت اختیار کو ردّ کر دے تو بھی ردّ نہ ہوگا کیونکہ مرد نے اسے ہر اس وقت میں جب بھی وہ چاہے طلاق کا مالک بنا دیا ہے۔ لہٰذا اس کو ایسا چاہنے سے پہلے تملیکِ طلاق ثابت نہ ہوگی کہ ردّ کرنے سے ردّ ہو جائے۔

Marfat.com

عورت اپنے آپ کو ایک ہی طلاق دے سکتی ہے کیونکہ کلمہ متٰی زمانے کے لئے تو عام ہے لیکن فعل کے لئے عام نہیں۔ پس عورت کو ہر زمانے میں طلاق دینے کا اختیار تو ہوگا مگر ایک دفعہ طلاق دینے کے بعد دوبارہ طلاق کا اختیار نہ ہوگا۔

کلمہ اذا اور اذا ما صاحبین کے نزدیک متٰی کے ہم معنی ہیں۔ مگر امام اعظمؒ کے نزدیک اگرچہ اذا کا استعمال شرط کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ وقت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس صورت میں عورت کے ہاتھ میں اختیار آ چکا ہے تو شک کی وجہ سے زائل نہ ہوگا۔ اس کی بحث اضافۃ الطلاق الی الزمان کی فصل میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا: انت طالق کلما شئت (تو جب بھی چاہے تجھے طلاق ہے) تو عورت اپنے آپ کو ایک کے بعد دوسری طلاق دے سکتی ہے۔ حتٰی کہ تین طلاقیں بھی دے سکتی ہے کیونکہ کلمہ کلما تکرار فعل کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر یہ تعلیق یا اختیار عورت کو اسی وقت تک حاصل ہوگا جب تک وہ اس مرد کے نکاح میں رہے۔ ورنہ اگر کسی دوسرے خاوند سے طلاق لے کر اس پہلے مرد کے نکاح میں آجائے اور اپنے آپ کو طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ نیا ملک ہے۔ نیز عورت کو یہ اختیار نہیں کہ یکبارگی اپنے آپ کو تین طلاقیں دے۔ کیونکہ کلمہ کلما ایک طلاق کے عموم کا تقاضا کرتا ہے، اکٹھی طلاقوں کا نہیں۔ لہٰذا عورت کو یکبارگی دینے اور جمع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

Marfat.com

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا انت طالق حیث شئت او این شئت (تو جہاں بھی چاہے تجھے طلاق ہے) تو جب تک عورت نہ چاہے طلاق نہ ہوگی۔ اگر وہ اس مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی تو اسے اختیار باقی نہ رہے گا کیونکہ حیث اور این دونوں اسم مکان ہیں۔ اور طلاق کا کسی مکان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لہذا جگہ کا ذکر لغو ہوگیا اور مطلق مشیت باقی رہ گئی۔ اس لئے مجلس تک محدود ہوگی۔ بخلاف زمانے کے۔ کیونکہ طلاق کو زمانے سے تو تعلق ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ طلاق کسی زمانے میں واقع ہوتی ہے اور کسی میں نہیں۔ اس لئے بطورِ خصوص اور بطورِ عموم زمانے کا اعتبار کرنا ضروری ہے (یعنی خاص زمانہ ہو جیسے انت طالق غداً یا عام ہو جیسے انت طالق فی ای وقتٍ شئتِ)

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا انتِ طالق کیف شئتِ (تو جس طرح چاہے تجھے طلاق ہے) تو عورت پر ایک طلاق واقع ہوگئی جس میں مرد کو رجعت کا اختیار ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت کی مشیت سے پہلے ہی ایک طلاق واقع ہو جائے گی (پھر عورت جس طرح کی طلاق چاہے، بائن یا رجعی، وہ بھی وارد ہو جائے گی)۔

اگر عورت کہے کہ میں ایک بائن یا تین چاہتی تھی۔ اور مرد کہے میری نیت بھی یہی تھی تو مرد کے کہنے کے مطابق ہوگا کیونکہ اس صورت میں عورت کی مشیت اور مرد کے ارادے میں مطابقت ثابت ہوگی۔ لیکن اگر عورت تین کا ارادہ کرے اور زوج ایک بائن کا یا علی العکس تو ایک رجعی واقع ہوگی کیونکہ دونوں میں عدم موافقت کی وجہ سے عورت کا تصرف لغو ہو جائے گا اور زوج کا طلاق

Marfat.com

واقع کرنا باقی رہ گیا۔
اگر مشیت کا اختیار دیتے وقت زوج کی کوئی نیت نہ ہو تو مشائخ متاخرین کے قول کے مطابق عورت کی مشیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ تخییر کا تقاضا یہی ہے۔
مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے مبسوط میں اس کو امام اعظمؒ کا قول قرار دیا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ عورت واقع نہ کرے (یعنی مذکورہ مسئلے میں امام اعظمؒ کے نزدیک ایک تو عورت کی مشیت سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے مگر صاحبین عدم وقوع کے قائل ہیں) پس وہ عورت رجعی طلاق چاہے یا بائن یا تین چاہے (اس کی مشیت کے مطابق واقع ہوگی) مسئلہ عتاق بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے (مثلاً ایک شخص اپنے غلام سے کہے انت حرٌ کیف شئت، امام اعظمؒ کے نزدیک اسی وقت آزاد ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک جب چاہے گا)۔
صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ خاوند نے طلاق کو عورت کے سپرد کر دیا ہے جس کیفیت پر بھی چاہے تو ضروری ہے کہ اصل طلاق عورت کی مشیت کے ساتھ معلق ہو۔ تاکہ ہر حالت میں اس کے لئے مشیت ثابت رہے۔ ہر حالت سے مراد یہ ہے کہ دخول سے پہلے ہو یا بعد، کوئی فرق نہ ہوگا۔
امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ کلمۂ کیف وصف دریافت کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ کَیْفَ اَصْبَحْتَ یعنی تو نے صبح کیسے کی (یعنی صحت کے ساتھ یا بیماری یا کسی اور عارضے میں مبتلا ہو کر۔ یہاں وصف مراد ہے نہ کہ صبح) اور

Marfat.com

وصفِ طلاق کو سپرد کرنا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اصل طلاق پہلے موجود ہو اور طلاق اسی صورت میں موجود ہو سکتی ہے کہ جب وہ پہلے واقع ہو جائے (لہٰذا مشیئت سے قبل وجودِ طلاق ضروری ہے)۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا انت طالق کم شئت او ماشئت (تو جتنی طلاقیں چاہے اپنے آپ کو دے سکتی ہے) تو عورت اپنے نفس کو جتنی طلاقیں چاہے دے سکتی ہے کیونکہ کلمۂ کم اور ما عدد کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور مرد نے عورت کو وہ عدد سپرد کر دیا ہے جو وہ چاہے۔

اگر عورت مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی تو تفویض باطل ہو جائے گی اور اگر اختیار کو ردّ کر دیا تو ردّ ہو جائے گا کیونکہ یہ تفویض امرِ واحد ہے (کہا کی طرح اس میں تکرار نہیں ہوتا) اور فوری خطاب ہے۔ لہٰذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ جواب بھی فوری ہو۔

مسئلہ: اگر مرد عورت سے کہے طلقی نفسك من ثلاث ماشئت (یعنی تو تین میں سے جتنی طلاقیں چاہے اپنے آپ کو دے سکتی ہے) تو وہ اپنی ذات کو ایک یا دو طلاقیں دے سکتی ہے تین نہیں دے سکتی۔ یہ صورت امام اعظمؒ کے نزدیک ہے۔

صاحبین کہتے ہیں کہ اگر چاہے تو تین بھی دے سکتی ہے کیونکہ کلمۂ "ما" خصوصاً عموم کے لئے ہی آتا ہے (تاویل و تخصیص کا احتمال نہیں رکھتا) اور کلمہ "من" گاہے تمیز اور پہچان کے لئے آتا ہے لہٰذا وہ جنس کی تمیز اور پہچان پر محمول ہوگا۔ (ہاں گاہے من تبعیضیہ بھی ہوتا ہے مگر یہاں تو بیان کے لئے ہے یعنی تین

Marfat.com

طلاقوں سے جس قدر چاہے اپنے اوپر وارد کرلے تو اس صورت میں تین بھی وارد کرسکتی ہے) جیسا کہ کہا جاتا ہے کل من طعامی ما شئت (تو اس صورت میں پورا طعام بھی کھایا جا سکتا ہے) اسی طرح طلق من نسائی من شئت (میری بیویوں میں سے جو بھی چاہے اسے طلاق دے دے) (تو اس صورت میں بھی سب کو طلاق دی جا سکتی ہے)۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ من کا حقیقی استعمال تبعیت کے لئے ہوتا ہے اور ما کا عموم کے لئے تو ان دونوں کو ملا کر محمل کیا جائے گا (یعنی بعض عام مراد ہوگا) اور جو مثالیں آپ نے پیش کی ہیں پہلی میں تو تبعیت کو اس لئے چھوڑا گیا ہے تاکہ سخاوت کا اظہار ہوسکے۔ اور دوسری مثال میں عموم صفت ہے اور یہ صفت مشیت ہے (یعنی جب فعل کا فاعل عام ہو تو فعل میں بھی عموم ہوتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ مثال میں عورتیں عام ہیں لہٰذا مشیت والا فعل بھی عام ہوگا۔ اس بناء پر تمام عورتوں کو بھی طلاق دی جا سکتی ہے) اگر مرد طلق من نسائی من شئت کہہ دے تو پھر اس صورت کے خلاف ہوگا (کیونکہ اب فاعل خاص ہے لہٰذا فعل بھی خاص ہوگا اور ساری عورتوں کو طلاق نہ دے سکیگا۔

باب الأیمان فی الطلاق

طلاق میں قسم کھانے یا شرط لگانے کا بیان

مسئلہ: اگر مرد طلاق کو (ہونے والے) نکاح سے مشروط کر دے تو نکاح

Marfat.com

کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے کہے ان تزوجتك فانت طالق (اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے) یا کل امرأةٍ اتزوجها فھی طالق (میں جس عورت سے بھی نکاح کروں اسے طلاق ہے) (تو طلاق واقع ہو جائے گی)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاطلاق قبل النکاح (نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوا کرتی)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تصرّف یمین (قسم) ہے کیونکہ اس میں شرط و جزا دونوں موجود ہیں تو اس کلام کے صحیح ہونے کے لئے فوری طور پر مِلک طلاق موجود ہونا شرط نہیں۔ کیونکہ وقوع (طلاق) تو شرط کے موجود ہونے پر ہو گا اور شرط کے موجود ہونے کے وقت مِلک یقیناً حاصل ہو جاتا ہے اور شرط کے وجود سے قبل اس کا اثر رُکا رہتا ہے اور مرد کے تصرّف پر موجود ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فوری طور پر ایسی عورت پر طلاق واقع نہ ہو گی جس پر مِلک ہی حاصل نہ ہو۔ اور حدیث کا یہ مطلب عمرؓ، ابن مسعودؓ، شعبیؒ، زہریؒ وغیرہم علمائے سلف سے مروی ہے۔

مسئلہ: اگر مرد نے طلاق کو کسی شرط سے معلّق کیا تو شرط کے پورا ہونے پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً مرد اپنی عورت سے کہے ان دخلتِ الدار فانت طالقٌ (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ پر طلاق ہے) اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کیونکہ مِلکِ نکاح اس حالت میں قائم ہے اور ظاہر یہی ہے کہ شرط

Marfat.com

کے موجود ہونے تک یہ ملک قائم رہے گا۔ (صاحب ہدایہ نے ظاہر کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کیونکہ یہ احتمال بھی تو موجود ہے کہ وجودِ شرط سے پہلے ہی اسے طلاق دے دے اور ملک ہی باقی نہ رہے)۔ پس یہ قول قسم بننے کی یا طلاق واقع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

مسئلہ: طلاق کو کسی شرط سے مشروط کرنا صحیح نہیں ہو سکتا جب تک قسم کھانے والا ملکِ طلاق نہ رکھتا ہو یا وہ اسے ملک کی طرف منسوب نہ کرے۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ شرط کی جزا ظاہر ہو تاکہ مرد عورت کو اس سے ڈرا سکے تو قسم کی صورت پیدا ہو جائے گی اور وہ صورت مرد کا ملک طلاق یا ملک کی طرف منسوب کرنے پر قدرت اور غلبہ ہے اور سببِ ملک یعنی نکاح کی طرف منسوب کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ نفسِ ملک کی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ سبب ملک (ملک) کے وقت ظاہر ہو جاتا ہے (جیسا کہ کوئی شخص سببِ ملک کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہے اذا اشتریتک فانت حرٌّ یعنی جب میں تمہیں خرید لوں گا تو آزاد ہو جائے گا۔ یہ بمنزلہ اضافۃ الی الملک ہے۔ یعنی اِنْ مَلَکْتُکَ فَأَنْتَ حرٌّ کے قائم مقام ہے)۔

مسئلہ: اگر مرد نے کسی اجنبیہ سے کہا اذا دخلت الدار فانت طالقٌ (اگر تو گھر میں داخل ہو گی تو تجھے طلاق ہے) پھر اس سے شادی کر لی اور وہ عورت گھر میں داخل ہو گئی تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ کیونکہ قسم کھانے والا بالفعل طلاق کا مالک نہیں ہے اور نہ ہی اس نے طلاق کو ملک یا سببِ ملک کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ (مالکِ طلاق ہونے کے لئے) ملک کا ہونا یا سببِ ملک

Marfat.com

کی طرف منسوب ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ: شرط کے الفاظ یہ ہیں: ان (اگر) اذا - اذا ما (جب - جب کبھی) کل - کلما (جب کبھی بھی) متی اور متی ما کیونکہ شرط جس مصدر سے مشتق ہے۔ اس کے ایک معنی علامت بھی ہیں اور مذکورہ الفاظ ایسے ہیں جن کے ساتھ جب افعال واقع ہوتے ہیں تو قسم توڑنے کی علامت بن جاتے ہیں (مثلاً عورت سے کہا کلما دخلت الدار فانت طالق جب بھی تو گھر میں داخل ہوگی تجھے طلاق ہوگی۔ پس گھر میں داخل ہونا "طالق" ہونے کی علامت ہوگا۔ الغرض جو افعال ان الفاظِ شرط کے بعد آتے ہیں۔ جب ان کا وقوع ہوگا تو یہ جزاء یعنی طلاق کی علامت ہوں گے) پھر کلمہ اِنْ تو محض شرط ہی کے لئے ہے اس میں وقت کے معنی نہیں پائے جاتے (کیونکہ دوسرے الفاظِ شرط کی طرح اِنْ ظرف نہیں ہے) اور باقی الفاظ اِنْ کے ساتھ ملحق ہیں اور کلمہ کُل درحقیقت شرط نہیں ہے کیونکہ کل کے ساتھ جو متصل ہوتا ہے وہ اسم ہوتا ہے اور شرط وہ ہوتی ہے جس کے ساتھ جزاء ہو اور جزا کا تعلق افعال سے ہوتا ہے مگر کُل کو الفاظِ شرط کے ساتھ اس لئے ملایا گیا کہ فعل کا تعلق اسی اسم کے ساتھ ہو جاتا ہے جو کل سے متصل ہو جیسا کہ آپ کہیں: کل عبدٍ اشتریته فهو حرٌ یعنی جو غلام بھی میں خریدوں وہ آزاد ہوگا (اس مثال میں آزادی خریداری کے ساتھ مشروط ہے اور خریداری کا تعلق عبد سے ہے جس پہ لفظِ کُل داخل ہے تو اسم بمنزلۂ فعل ہوگیا اور کُل کو لفظِ شرط قرار دیا گیا)

Marfat.com

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں۔ ان الفاظ میں جب شرط پائی گئی تو قسم تحلیل ہو کر ختم ہو جائے گی (یعنی ان دخلت الدار فانت طالق کی صورت میں عورت اگر گھر میں داخل ہو گئی تو اس پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور قسم بھی ختم ہو جائے گی) کیونکہ لغت کی رو سے یہ الفاظ عموم اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتے۔ فعل کے ایک بار پائے جانے سے شرط پوری ہو جاتی ہے اور شرط کے بغیر قسم باقی نہیں رہتی (اگر بعد میں عورت گھر میں داخل ہو تو کچھ نہ ہوگا) البتہ کُلَّمَا فعل کے عموم کا مقتضی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا (یعنی جب بھی ان کے چمڑے گل سڑ جائیں گے ہم نئے چمڑے تبدیل کر دیں گے۔ اس آیت میں فعل کا عموم ظاہر ہے) اس میں عموم پائے جانے کی بناء پر تکرار لازم ہوگا۔

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرد نے اس عورت سے (جو دوسرے خاوند سے طلاق حاصل کر چکی ہے) پھر نکاح کر لیا اور شرط کا تکرار پایا گیا (یعنی گھر میں داخل ہونا) تو اب کچھ واقع نہ ہوگا کیونکہ پہلے نکاح میں مرد جن تین طلاقوں کا مالک تھا وہ ان کو پورے طور پر استعمال کر چکا ہے۔ لہٰذا اب جزا باقی نہ رہی اور قسم کا بقا تو اسی جزا پر تھا یا شرط پر (لہٰذا اب قسم ختم ہو گئی)۔ اس مسئلے میں امام زفرؒ کو اختلاف ہے جسے ہم انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں بیان کریں گے۔

مسئلہ : اگر کلمہ کُلَّمَا نفس تزوج پر داخل ہو۔ مثلاً یوں کہے کُلَّمَا

Marfat.com

تزوّجت امرأۃً فَھِیَ طالقٌ (یعنی میں جب بھی کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے) تو ہر بار نکاح کرنے پر حانث ہوگا۔ خواہ یہ نکاح دوسرے خاوند کے طلاق دینے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس قسم کا انعقاد اس حقِ طلاق کی وجہ سے ہے جس کا مالک وہ نکاح کرنے کی وجہ سے بنتا ہے اور اس کا کوئی شمار نہیں ہو سکتا (یعنی جب بھی نئے طور پر نکاح کرے گا۔ طلاق واقع ہوتی جائے گی)۔

مسئلہ: امام قدوری فرماتے ہیں قسم کھانے کے بعد ملک کا زائل ہونا قسم کو باطل نہیں کرتا کیونکہ شرط پوری نہ ہو سکی۔ لہٰذا قسم باقی رہی اور محلِّ جزاء یعنی عورت کے باقی ہونے سے جزا ابھی باقی ہے (تو جب شرط و جزا دونوں باقی ہیں) یمین بھی باقی ہوگی۔ پھر اگر شرط اس کے ملک میں پائی گئی تو قسم تحلیل ہو جائے گی اور طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ شرط پائی گئی اور "محل" یعنی عورت میں جزا کی اہلیت موجود ہے اور قسم باقی نہ رہے گی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر شرط غیر کے ملک میں پائی جائے تو قسم تحلیل ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی گئی مگر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ عورت اب محل طلاق نہیں رہے گی۔

مسئلہ: اگر میاں بیوی میں شرط کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو مرد کی بات تسلیم کی جائے گی۔ البتہ اگر عورت گواہ پیش کر دے (تو اس کی تصدیق کی جائے گی) کیونکہ مرد کا تمسک اصل سے ہے اور وہ شرط کا نہ ہونا ہے (کیونکہ زوج مدعیٰ علیہ اور زوجہ مدعیہ ہے اور ان دونوں میں متمسک بالاصل مدعیٰ علیہ ہوتا ہے) دوسری بات یہ ہے کہ مرد وقوعِ طلاق اور زوال

Marfat.com

ملک کا منکر ہے اور عورت اس کی مدعیہ ہے (والقول قول المنکر)۔

مسئلہ: اگر شرط اس قسم کی ہو کہ اس کا علم عورت کے بتانے سے ہی ہو سکتا ہو تو اس کے اپنے حق میں اس کی بات قبول کی جائے گی (ورنہ نہیں) مثلاً مرد عورت سے کہے ان حضت فانت طالق وفلانۃُ (اگر تجھے حیض آئے تو تجھے اور فلاں عورت کو طلاق ہے) عورت نے کہا کہ مجھے حیض آگیا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ مگر "فلاں" عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس عورت پر بھی طلاق کا واقع ہونا بطریق استحسان ہے۔ ورنہ قیاس تو یہ ہے کہ (جب مرد منکر ہو تو) طلاق واقع نہ ہو۔ کیونکہ یہ شرط ہے تو عورت کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ جس طرح گھر میں داخل ہونے کے مسئلے میں (یعنی اگر مرد انکار کرے اور عورت دخولِ دار کا دعوے کرے تو مرد کی بات مانی جاتی ہے)۔

استحسان کا سبب یہ ہے کہ عورت کو اپنے نفس کے بارے میں علم ہونا اس کے لئے بمنزلہ امانت کے ہے۔ کیونکہ اس شرط کا علم محض عورت کی جانب سے ہی ممکن ہے لہٰذا اسی کا قول مقبول ہوگا جیسا کہ عدت اور وطی کے بارے میں ہوتا ہے (جب تک عورت انقضائے عدت کی خبر نہ دے مرد کو نان و نفقہ دینا پڑے گا۔ اسی طرح جب عورت دوسرے خاوند سے طلاق لے کر پہلے خاوند کے پاس آئے اور کہے کہ اس خاوند نے مجھ سے مباشرت کر لی ہے تو عورت کی بات مان لی جائے گی۔ یا عورت اپنے خاوند سے کہتی ہے کہ میں ایام حیض میں ہوں تو مرد اس کی بات مان لیتا ہے) (یہ عورت اگرچہ اپنے نفس کے حق میں تو امینہ ہے) لیکن اپنی سوت کے حق میں بطور گواہ شمار ہوگی۔ بلکہ اس پر الزام عاید ہوگا کہ

Marfat.com

اسے تو طلاق ہو چکی ہے مگر اپنی سوت کو خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کر رہی ہے)
لہذا اس کی بات سوت کے حق میں مقبول نہ ہوگی۔ اور اس طرح اگر مرد نے عورت
سے کہا ان کنتِ تحبّین ان یعذبک اللّٰہ فی نار جہنم فانتِ طالق وعبدی
حرٌ (اگر تیرے نزدیک یہ امر پسندیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ کی آگ
میں عذاب دے تو تجھے طلاق ہے اور میرا غلام آزاد ہے) عورت نے جواب دیا
احبہ (میں پسند کرتی ہوں) یا مرد نے کہا ان کنتِ تحبینی فانتِ طالق
وھذہ معک (اگر تو مجھ سے محبت کرتی ہے تو تجھے طلاق ہے اور تیرے ساتھ
اس کو بھی) عورت نے کہا احبک (میں تجھ سے محبت کرتی ہوں) تو عورت پر
طلاق واقع ہو جائے گی مگر غلام آزاد نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی سوت کو طلاق
ہوگی۔ اس کی دلیل اوپر مذکور ہو چکی ہے اور عورت کے کذب پر یقین نہیں کیا
جا سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات اسے خاوند سے اس قدر شدید بغض و کینہ ہو جاتا
ہے کہ وہ اس سے عذاب کے بدلے بھی رہائی حاصل کرنے کو ترجیح دیتی ہے
اور اس عورت کے حق میں حکم کا تعلق اس کے خبر دینے پر ہے خواہ وہ جھوٹی ہی
کیوں نہ ہو۔ مگر دوسری عورت کے حق میں حکم اصل پر رہے گا اور وہ محبت
ہے جس کا علم نہیں ہو سکتا (یعنی سوت کے بارے میں یہی اصل ہوگا کہ وہ خاوند
سے محبت کرتی ہے اور عذاب ناپسند نہیں کرتی)۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا اذا حضت فانت طالق (جب
تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے) پس عورت نے حیض کا خون دیکھا تو طلاق واقع
نہ ہوگی۔ جب تک کہ یہ خون تین دن تک جاری نہ رہے کیونکہ جو خون تین دن سے

پہلے منقطع ہو جائے حیض نہیں ہوتا۔ اور جب تین دن مکمل ہو گئے تو ابتدائے حیض سے طلاق کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ تین دن گزرنے پر معلوم ہوا کہ یہ خون رحم سے آرہا ہے اور حیض کا ہے۔ لہٰذا ابتداء ہی سے حیض متصوّر ہو گا۔

مسئلہ: اگر مرد نے بیوی سے کہا اذا حضتِ حیضۃ فانت طالق (جب تجھے ایک حیض آگیا تو تجھے طلاق ہے) تو جب تک عورت حیض سے پاک نہ ہو گی طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ لفظ حیضۃً جب ہا کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد پورا حیض ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے استبراء کی حدیث میں لفظ حیضہ کو پورے حیض پر محمول کیا گیا ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے بارے میں فرمایا تھا لا توطا حامل حتی تضع ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضۃً یعنی حاملہ عورتوں سے وضع حمل تک مباشرت نہ کی جائے اور غیر حاملہ عورتوں سے پورا حیض آنے تک وطی نہ کی جائے) اور حیض پورا اسی وقت شمار ہوتا ہے جب اختتام پذیر ہو جائے اور یہ اختتام طہر آنے سے ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر مرد نے بیوی سے کہا انت طالق اذا صُمتِ یَوْمًا (جب تو نے کسی دن روزہ رکھا تو تجھے طلاق ہے) تو عورت جس دن روزہ رکھے گی اس دن غروبِ آفتاب کے بعد اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ دن کو جب ایک مسلسل فعل کے ساتھ منسوب کیا جائے تو اس سے مراد دن کی سپیدی ہوتی ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ مرد کہے انت طالق اذا صُمتِ (جب تو روزہ رکھے تو تجھے طلاق ہے) اس صورت میں گھڑی بھر کے روزے سے

Marfat.com

بھی طلاق واقع ہو جائے گی)۔ کیونکہ مرد نے روزے کے لئے کوئی معیار مقرر نہیں کیا۔ اور روزہ اپنے رکن اور شرط کے ساتھ پایا گیا۔

مسئلہ : جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا اذا ولدت غلاما فانت طالق واحدۃ واذا ولدت جاریۃ فانت طالق ثنتین (جب تیرے بطن سے لڑکا پیدا ہوا تو تجھے ایک طلاق ہے اور جب لڑکی پیدا ہوئی تو دو طلاقیں ہیں) چنانچہ لڑکا اور لڑکی اکھٹے پیدا ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے پہلے کون پیدا ہوا ہے تو قانوناً ایک طلاق واقع ہو گی۔ مگر دیانۃً اور تنزیہاً دو واقع ہونگی۔ اور اس کی عدت بھی ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ جب اس نے پہلے لڑکا جنا تو ایک طلاق واقع ہو گئی اور لڑکی کے پیدا ہونے پر عدت ختم ہو گئی۔ البتہ لڑکی کی پیدائش سے کوئی مزید طلاق نہیں پڑے گی۔ کیونکہ وہ عدت گزارنے کی حالت میں ہے۔

لیکن اگر لڑکی پہلے پیدا ہوئی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور لڑکے کی پیدائش سے عدت ختم ہو جائے گی۔ اور مزید کوئی طلاق واقع نہ ہو گی۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ وہ عدت گزارنے کی حالت میں ہے تو اب صورت یہ ہوئی کہ پہلی حالت میں ایک واقع ہوتی ہے اور دوسری میں دو۔ تو دوسری طلاق بوجہ شک و احتمال کے واقع نہ ہو گی۔ مگر احتیاط و تقویٰ اسی میں ہے کہ دو کے وقوع کے قول پر عمل کیا جائے اور عدت تو یقیناً ختم ہو جائے گی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ : ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے ابوعمرو اور

Marfat.com

ابو یوسف سے کلام کیا تو تجھے تین طلاقیں ہیں لیکن اس کے بعد مرد نے اسے ایک طلاق دے دی اور عورت کی عدت گزر گئی۔ اور وہ بائن ہو گئی۔ (مطلّقہ ہو جانے کے بعد) اس عورت نے ابو عمرو سے گفتگو کر لی۔ پھر اس سے اسی خاوند نے دوبارہ شادی کر لی۔ شادی کے بعد عورت نے ابو یوسف سے بھی گفتگو کر لی تو اس پر پہلی طلاق کو ملا کر تین واقع ہو جائیں گی۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ طلاقیں واقع نہ ہونگی۔ اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ اگر دونوں شرطیں (یعنی ابو عمرو اور ابو یوسف سے گفتگو) حالتِ نکاح میں پائی گئیں تو طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ ظاہر ہے۔

۲۔ اگر دونوں شرطیں اس وقت پائی جائیں جب کہ نکاح زائل ہو چکا ہے تو کچھ بھی واقع نہ ہو گا۔

۳۔ پہلی شرط حالتِ نکاح میں اور دوسری حالت عدمِ نکاح میں پائی گئی تو بھی بالاتفاق تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔ کیونکہ جزا غیر ملک میں مؤثر نہیں ہوتی۔

۴۔ پہلی شرط غیر ملک میں اور دوسری شرط ملک میں پائی گئی۔ کتاب کا اختلافی مسئلہ اسی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی کا دوسری پر قیاس کریں گے (یعنی جس طرح شرطِ اوّل ملک میں اور دوسری غیر ملک میں واقع ہو تو تین واقع نہیں ہوتیں، اسی طرح اس صورت میں بھی واقع نہیں ہوں گی) اس لئے کہ دونوں شرطیں طلاق کے حکم میں ایک ہی چیز کی مانند ہیں۔

Marfat.com

ہماری دلیل یہ ہے کہ کلام کی صحت و درستی متکلم کی اہلیت کے مطابق ہوتی ہے (اور جب مرد نے شرط بیان کی تو اس میں اہلیت موجود تھی لہٰذا اس کا کلام اثر انداز ہوگا) البتہ (کلام کو مؤثر بنانے کے لئے) شرط بیان کرتے وقت ملک کا ہونا ضروری ہے تاکہ جزا (یعنی وقوع طلاق) کا وجود غالب ہو سکے۔ کیونکہ وہ حالتِ مذکورہ کے ساتھ ہے۔ لہٰذا قسم صحیح ہوگی (کیونکہ صحیح قسم وہی ہوتی ہے جس کا پورا کرنا غالباً ممکن ہو۔ اگر یہ لفظ کسی مُردہ عورت کو مخاطب کرکے کہے تو قسم لغو ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں قسم کا پورا ہونا ممکن نہیں اس لئے ملک کو شرط قرار دیا گیا)۔ اور شرط کے پورا ہونے کے وقت بھی ملک شرط ہے تاکہ جزا اپنے محل میں صحیح طور پر وارد ہو سکے اور جزا اسی وقت وارد ہو سکتی ہے کہ جب "محل جزا" ملک میں ہو۔ مگر دونوں مذکورہ امور کے درمیان قسم باقی رہنے کی حالت ہے (یعنی ملک میں قسم کھانے سے شرط کے پائے جانے تک جو حالت ہوتی ہے وہ قسم کے باقی رہنے کی حالت ہوتی ہے) وہ ملک کے قیام و بقا کی محتاج نہیں کیونکہ شرطیہ قسم کا بقا اپنے محل کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ (قسم کھانے والے کا) ذمّہ ہے۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا (اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے تین طلاقیں ہیں) مگر (شرط کے وقوع سے پہلے) مرد نے اسے دو طلاقیں دے دیں اور عورت نے دوسرے مرد سے شادی کرلی اور اس نے عورت سے مباشرت بھی کرلی اور پھر (طلاق لے کر) پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی اور گھر میں داخل ہوئی تو امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

Marfat.com

اس پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک طلاق جو باقی رہ چکی ہے وہی واقع ہو گی۔ امام زفرؒ سے بھی یہی روایت ہے۔

امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرنا تین سے کم طلاقوں کو بھی معدوم کر دیتا ہے تو عورت پھر پہلے شوہر کی طرف تین طلاقوں کی ملکیت (نئے سرے سے) لے کر لوٹتی ہے مگر امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سے کم معدوم نہیں ہوتیں۔ اس لئے عورت باقی (حقِ طلاق) کو لے کر لوٹے گی۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ بعد میں بیان کی جائے گی۔

مسئلہ : اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں ہیں) پھر کہا انت طالق ثلاثاً (تجھے تین طلاقیں ہیں) تو عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا۔ اور مرد نے اس سے مباشرت بھی کی۔ پھر پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئی اور گھر میں داخل ہوئی تو اب کچھ نہ ہو گا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ تین واقع ہو جائیں گی۔ کیونکہ جزاء (یعنی وقوع ثلاثہ) لفظ کے مطلق ہونے کی وجہ سے مطلق ہے (کیونکہ مرد نے یہ شرط تو نہیں لگائی تھی کہ اگر ابھی تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے بلکہ اس کا قول مطلق ہے اور طلاق کے وقوع کا احتمال باقی ہے (کہ دوسرے مرد سے طلاق لے کر پھر پہلے سے نکاح کر لے) لہٰذا یمین باقی رہے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جزاء کی تین طلاقیں اسی ملک نکاح کی طلاقیں ہیں کیونکہ

Marfat.com

یہی طلاقیں اس کو گھر میں داخل ہونے سے منع کرنے والی ہیں اور جو ملک دوسرے شوہر (کی طلاق) کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ بظاہر معدوم ہوتا ہے۔ اور قسم کا مدعا تو یہ ہے کہ کسی کام سے روکا جائے یا اس کے کرنے کی ترغیب و تحریک دلائی جائے۔ تو مذکورہ صورت میں جب یہ ثابت ہو گیا کہ تین طلاقوں کا تعلق اسی ملکِ نکاح سے تھا مگر فوری طور پر تین طلاقوں کی وجہ سے جزا ختم ہو گئی۔ کیونکہ ان تین طلاقوں نے محلّیت کو ہی باطل کر دیا تو قسم باقی ہی نہ رہی۔ بخلاف اس صورت کے جب مرد عورت کو (ایک یا دو طلاقیں دے کر عدّت گزرنے کی وجہ سے) بائنہ کر دے (تو قسم باقی رہتی ہے) کیونکہ لقائے محل کی بنا پر جزا باقی ہے)۔

مسئلہ: اگر بیوی سے کہا اذا جامعتك فانت طالق (جب میں تجھ سے مباشرت کروں تو تجھے طلاق ہے) پس عورت سے مباشرت کی تو جیسے ہی دونوں کے فروج باہم ملیں گے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اگر مرد گھڑی بھر بھی ٹھہرا رہا (یعنی عورت سے فوراً جدا نہ ہوا) تو بھی اس پر مہر واجب نہیں ہو گا۔ لیکن اگر اس نے عضو کو نکالنے کے بعد پھر داخل کیا تو اس پر مہر واجب ہو گا اور یہی حکم ہے۔ جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے کہے اذا جامعتكِ فانت حرہ (جب میں تجھ سے مباشرت کروں تو تجھے طلاق ہے)۔

امام ابو یوسف رحمہ پہلی صورت میں بھی (یعنی جب فوراً جدا نہ ہو) مہر واجب قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ عضو کے برابر دخول سے مباشرت پائی گئی (اور یہ مباشرت حرام تھی) کیونکہ دونوں کے فروج ملتے ہی طلاق واقع ہو گئی اور بعد میں مباشرت حرام

Marfat.com

تھی۔ البتہ (اس جماع حرام سے) حدِ زنا لازم نہ آئے گی۔ کیونکہ جماع کا اطلاق آغاز سے آخر تک ہوگا۔ (لیکن اس کا ابتداً جائز تھا لہذا آخر حرام ہونے سے جماع کے ایک ہی ہونے سے حد لازم نہ آئے گی)۔

ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ جماع فرج کو فرج میں داخل کرنے کو کہتے ہیں اور داخل کرنا کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کے لئے دوام ہو۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ نکال کر پھر داخل کرے۔ کیونکہ اس صورت میں طلاق کے بعد "ادخال" پایا گیا۔ ہاں مگر اس چیز کو مدِّنظر رکھتے ہوئے کہ مجلس اور مقصود ایک ہے، حدِ زنا واجب نہ کریں گے (کیونکہ شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے) تو جب حد واجب نہ ہوئی مہر واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ وطی کرنے پر دونوں (حد اور مہر) میں سے ایک چیز لازمی ہے (یعنی جائز ہے تو مہر ملے گا اور ناجائز ہے تو حد جاری ہوگی)۔

اگر مذکورہ شرط میں طلاق رجعی دے تو ابو یوسف رح کے نزدیک ادخال کے بعد کچھ دیر ٹھہرنے سے رجوع بھی خود بخود ہو جائے گا۔ کیونکہ مساس پایا گیا۔ مگر امام محمد رح کو اختلاف ہے۔

اگر اخراج کے بعد پھر ادخال کرے تو تمام ائمہ کے نزدیک رجوع ثابت ہو جائے گا کیونکہ اب از سرِ نو جماع پایا گیا۔

Marfat.com

فصل فی الاستثناء

استثناء کے بیان میں

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: انت طالق اور ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ دیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے طلاق یا عتاق کی قسم کھائی اور اس کے متصل ہی انشاء اللہ کہہ دیا تو وہ حانث نہیں ہوتا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قسم کھانے والے نے یہ قول شرط کی صورت میں کہا ہے اس لئے شرط کی بناء پر یہ تعلیق ہو جائے گی۔ اور تعلیق جزا کے لئے شرط کے وقوع سے پہلے مانع ہوتی ہے۔ مگر اس مذکورہ صورت میں شرط کا علم نہیں ہو سکتا۔ لہذا (جزا بھی) اصل کے لحاظ سے معدوم ہوگی۔ اسی لئے یہ شرط ہے کہ انشاء اللہ پہلی کلام کے ساتھ بالکل متصل ہی کہا جائے جیسا کہ دوسری شرائط ہوتی ہیں۔

مسئلہ: اگر مرد نے انت طالق کہہ کر کچھ دیر توقّف کیا تو کلام کے پہلے حصے کا حکم ثابت ہو جائے گا (یعنی طلاق واقع ہو جائے گی) پھر سکوت کے بعد انشاء اللہ کہنا یا کوئی دوسری شرط بیان کرنا پہلی کلام سے رجوع کرنے کے مترادف ہوگا (مگر طلاق تو واقع ہو گئی۔ اب رجوع سے کچھ نہ ہوگا)

اسی طرح اگر مذکورہ صورت میں انشاء اللہ کہنے سے پہلے پہلے عورت مر جائے (یعنی مرد نے انت طالق ہی کہا تھا کہ عورت کا دم نکل گیا تو اب بھی

Marfat.com

طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ استثناء کی وجہ سے کلام موجب طلاق نہ رہا۔ اسی کو صاحب ہدایہ بیان کرتے ہیں) کیونکہ انشاء اللہ کہنے سے مرد کا یہ قول واجب نہ رہا (اگر کہا جائے کہ انشاء اللہ سے پہلا کلام واجب ہو جاتا ہے مگر انشاء اللہ موت کے بعد کہا گیا لہذا اسے مؤثر تسلیم نہ کیا جائے اور پہلے کلام ہی کا اعتبار کیا جائے۔ اس کے جواب میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ) کہ موت حکم کے واجب کرنے کی نفی کرتی ہے باطل کی نفی نہیں کرتی۔ (یعنی انشاء اللہ کا جملہ موجب (ماقبل) نہیں ہے کہ موت اس کے منافی ہو۔ بلکہ یہ تو (ماقبل کا مبطل ہے اور یہ موت کے منافی نہیں۔ کیونکہ خود موت بھی تو مبطل ہے۔ تو جب انشاء اللہ ماقبل کا مبطل بنا تو طلاق واقع نہ ہوئی)۔

بخلاف اس صورت کے جب شوہر انشاء اللہ کہنے سے پہلے مر گیا (تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی) کیونکہ اس کلام کے ساتھ استثناء یعنی انشاء اللہ متصل نہیں ہوا۔

مسئلہ: اگر مرد نے بیوی سے کہا انت طالق ثلاثا الا واحدۃ (تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک) تو عورت پر دو طلاقیں واقع ہونگی۔ اور اگر مرد نے کہا انت طالق ثلاثا الا ثنتین (تجھے تین طلاقیں ہیں مگر دو) تو ایک طلاق ہی واقع ہوگی۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ استثناء حقیقت میں اس چیز کا بیان ہوتا ہے جو مستثنیٰ کے بعد باقی رہ جائے اور یہی قول صحت کے زیادہ قریب ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ استثناء اس کلام کو کہا جاتا ہے کہ مستثنیٰ منہ کے باقی (حصے) کو شامل ہو۔ افلان علیّ درھم (مجھے فلاں آدمی کا ایک درھم دینا

Marfat.com

ہے) اور لفلانٍ علیّ عشرۃ اِلّا تسعۃ (میں نے فلاں کے دس درہم دینے ہیں مگر نو) میں کوئی فرق نہیں۔ کُل سے بعض کا استثناء کرنا درست ہے کیونکہ استثناء کرنے کے بعد بعض کا بیان باقی رہ جاتا ہے۔ مگر کُل سے کُل کا استثناء درست نہیں ہوتا۔ کیونکہ استثناء کرنے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی جس کو بیان کیا جا سکے اور الفاظ کو اس کی طرف پھیرا جا سکے (مثلاً لفلان علیّ عشرۃ الاعشرۃ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ استثناء کرنے کے بعد باقی کچھ نہیں رہتا۔ اس لئے ایسا کلام لغو ہوگا)۔

نیز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ استثناء اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ وہ ماقبل کلام سے متصل ہو۔ جب یہ قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو اس کے اجراء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی صورت (انت طالق ثلاثاً الاواحدۃ) میں استثناء کے بعد دو طلاقیں باقی رہتی ہیں۔ لہٰذا یہی دو واقع ہوں گی اور دوسری صورت میں ایک باقی رہتی ہے لہٰذا ایک ہی واقع ہوگی۔

اگر خاوند کہے انت طالق ثلاثاً اِلّا ثلاثاً تو تین واقع ہوں گی کیونکہ یہ استثناء کُل من الکُل ہے۔ لہٰذا استثناء درست نہ ہوگا اور تین طلاقوں کا وقوع ہو جائے گا (یعنی کلام کا ابتدائی حصہ انت طالق ثلاثاً برقرار رہے گا اور الاثلاثاً لغو ہو جائے گا) واللہ اعلم۔

Marfat.com

باب طلاق المریض

مریض کی طلاق کا بیان

مسئلہ : جب خاوند نے اپنے مرضِ موت میں اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دی۔ اور عورت کی عدت کے دوران ہی مرد کی وفات ہو گئی تو عورت خاوند کی میراث میں حصّہ دار ہو گی۔ اگر خاوند کی وفات عدت گزرنے کے بعد ہو تو وہ میراث سے محروم رہے گی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت دونوں مذکورہ صورتوں میں میراث کی حقدار نہ ہو گی۔ کیونکہ طلاق بائن کے پیش آنے سے زوجیّت باطل ہو گئی اور میراث کا سبب بھی زوجیّت تھی۔ لہٰذا اگر مذکورہ صورتوں میں عورت کی وفات ہو جائے تو مرد اس کی وراثت سے محروم رہتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد کے مرض الموت میں عورت کی زوجیت وارث ہونے کا سبب بنتی ہے۔ مگر شوہر نے اس سبب کو ضائع کرنے کا قصد کیا (کیونکہ ایسی حالت میں طلاق دینے سے اور کیا مقصد ہو سکتا ہے) لہٰذا شوہر کے اس قصد کو اس طرح باطل کر دیا جائے گا کہ جب تک عورت کی عدّت پوری نہ ہو جائے مرد کے قصد کو ملتوی رکھا جائے گا تاکہ عورت نقصان سے محفوظ رہے۔ اور اس قسم کا التوا ممکن بھی ہے۔ کیونکہ عدّت کے اندر بعض آثار کے لحاظ سے نکاح باقی ہوتا ہے (جیسا کہ اگر شوہر عدّت کے اندر رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور زمانۂ عدّت میں نفقہ و سُکنیٰ وغیرہ مرد کے ذمّے ہوتا ہے) تو یہ بھی ممکن ہے کہ

Marfat.com

مرد سے عورت کے میراث پانے کے حق کے لئے بھی نکاح کو باقی تسلیم کر لیا جائے بخلاف اس صورت کے جب عدّت گزر جائے (کیونکہ انقضائے عدّت کے بعد مرد کے مقصد کو جاری ہونے سے کوئی شے نہیں روک سکتی) کیونکہ اب امکان نہیں رہا (کہ نکاح کسی ایک وجہ سے بھی باقی ہو)

(امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب دیتے ہوئے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں (یعنی جب مرد بیماری کی حالت میں طلاق دے اور عورت پہلے مر جائے) زوجیّت مرد کے عورت کے مال پر وارث ہونے کا سبب نہیں بنتی۔ پس وراثت کا حق مرد کے بارے میں باطل ہو جائے گا۔ خصوصاً جب کہ مرد اپنی مرضی سے عورت کو طلاق دے دے (کیونکہ اس طرح اس نے اپنا حق اپنی ہی مرضی سے باطل کر دیا)۔

مسئلہ: اگر مرد (حالتِ مرض میں) عورت کے کہنے پر اسے تین طلاقیں دے۔ یا مرد نے عورت کو اختیار دیا اور اس نے قبول کر لیا۔ یا عورت نے مرد سے خُلع لے لیا۔ پھر خاوند کی وفات ہو گئی۔ اور عورت ابھی عدّت گزار رہی تھی تو اس صورت میں مرد کی وراثت سے محروم رہے گی۔ کیونکہ عورت خود حقِ میراث کو باطل کرنے پر راضی ہوئی ہے۔ اور (پہلے) تاخیر و التوا اسی کے حق کی بناء پر تھا (مگر جب اس نے اپنا حق خود ہی باطل کر دیا تو التوا بے معنی ہے)۔

مسئلہ: اگر عورت نے طلاقِ رجعی کا مطالبہ کیا مگر مرد نے تین بائن دے دیں تو (اس صورت میں خاوند کی وفات پر) عورت وارث ہو گی۔ کیونکہ طلاقِ رجعی سے نکاح کا (کلیتہً) ازالہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا عورت کو طلاق رجعی کے مطالبہ

Marfat.com

کرنے پر اپنے حق کے بطلان پر راضی تصور نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر مرد نے مرض موت میں اپنی بیوی سے کہا: میں نے صحت کے دنوں میں تجھے تین طلاقیں دی تھیں اور تیری عدّت بھی گزر چکی ہے۔ عورت نے مرد کے قول کی تصدیق کر دی۔ پھر شوہر نے اقرار کیا کہ میرے ذمّہ عورت کا کچھ قرض تھا۔ یا شوہر نے اپنے مال سے اس کے لئے وصیت کر دی تو قرض یا وصیّت سے جو رقم بھی کم ہو گی وہ عورت کو ملے گی۔ امام اعظمؒ قرض اور وصیّت کے ساتھ میراث کو بھی شامل کرتے ہیں (کہ تینوں میں سے کم رقم دی جائے گی) مگر صاحبین صرف قرض اور وصیّت کے قائل ہیں۔

اگر مرد نے مرض میں عورت کے کہنے پر تین طلاقیں دیں، پھر قرض کا اقرار کیا یا وصیّت کر دی تو متفقّہ طور پر قرض، وصیّت اور میراث میں سے جو کم ہو وہی ملے گا۔ امام زفرؒ اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرض یا وصیّت جس کا بھی اقرار کرے پورا پورا ملے گا۔ کیونکہ جب عورت کے مطالبے کی بناء پر حق میراث باطل ہو گیا تو اب اقرار و وصیّت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے (کیونکہ وراثت وصیّت سے مانع ہوتی ہے مگر اب حقِ وراثت باطل ہو چکا ہے)۔

پہلے مسئلے میں صاحبین اپنے قول کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب زوجین نے وقوعِ طلاق اور انقضائے عدّت کو باہمی طور پر تسلیم کر لیا، تو یہ عورت خاوند کے لئے ایک اجنبی عورت کی طرح ہو گئی۔ حتّٰی کہ شوہر اس عورت کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے (تو اب اقرار وصیّت بھی جائز ہے) اور (ایک وارث کو دوسرے وارث پر فضیلت دینے کی) تہمت کا بھی سوال نہ رہا۔ کیا آپ کو تسلیم نہیں کہ اب

Marfat.com

عورت کے حق میں مرد کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے اور اسے زکاۃ دے سکتا ہے۔ بخلاف دوسرے مسئلے کے۔ کیونکہ ابھی عدّت باقی ہے اور یہ تہمت کا سبب بھی بن سکتی ہے اور تہمت کے سبب پر حکم جاری کیا جا سکتا ہے (کہ مرد عورت کو خواہ مخواہ وصیّت کر کے دوسرے وارثوں پر فوقیت دے رہا ہے اور ان کا حق سلب کر رہا ہے) اور اسی بنا پر نکاح و قرابت پر حکم کا مدار ہے۔ (جہاں قرابت و نکاح ہو وہاں ضرور تہمت کا موقع پیدا ہو جاتا ہے اس لئے شہادت بھی قبول نہیں کی جاتی اور زکاۃ بھی نہیں دی جا سکتی) اور پہلے مسئلے میں عدّت باقی نہیں ہوتی (لہٰذا تہمت لگانے کا بھی کوئی موقع پیدا نہیں ہوتا)۔

امام اعظمؒ دونوں مسئلوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں امکانِ تہمت موجود ہے۔ کیونکہ عورت کبھی اس غرض کے تحت بھی طلاق اختیار کر لیتی ہے تاکہ اقرار و وصیت کا دروازہ اس کے لئے وا ہو جائے اور اس کے حق میں اضافہ ہو سکے۔ بعض دفعہ خاوند و بیوی خفیہ طور پر سازش کر کے طے کر لیتے ہیں کہ وقوعِ طلاق اور انقضائے عدت کا اقرار کر لیں (تاکہ عورت کو میراث سے زیادہ رقم بذریعہ وصیت یا اقرارِ قرض مل سکے) تو یہ تہمت اضافے کے سلسلے میں ہے مگر ہم نے اضافے کو ردّ کر دیا۔ میراث کی مقدار میں کوئی تہمت نہیں۔ لہٰذا ہم نے مقدارِ میراث کو برقرار رکھا۔ لہٰذا قرض، وصیّت اور میراث سے جو بھی کم ہو اس کے دینے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (صاحبین نے اپنے مطلوب کے اثبات کے لئے جو مثال دی تھی اس کے جواب میں امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ) عموماً زکاۃ دینے، بیوی کی بہن سے نکاح کرنے اور شہادت کے لئے اس قسم کی

Marfat.com

خفیہ تدابیر نہیں کی جاتیں۔ لہٰذا ان صورتوں میں تہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (کیونکہ ایسے واقعات بہت کم پیش آتے ہیں کہ بیوی کو زکاۃ دینے یا اس کی بہن سے شادی کرنے یا اس کی شہادت کو قابلِ قبول بنانے کے لئے میاں بیوی بائن ہونے کا اقرار کرلیں)۔

مسئلہ : جو شخص دشمنوں کے محاصرے میں ہو یا لڑائی کی صف میں ہو اور اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو عورت وراثت سے محروم رہے گی۔ اگر مرد میدانِ جنگ میں کسی مقابل کے سامنے آیا، یا قصاص میں قتل کرنے کے لئے پیش کیا گیا، یا رجم کرنے کے لئے (میدان میں) لایا گیا۔ (اگر ان حالات میں مرد طلاق دے) تو عورت وارث ہوگی۔ جب کہ مرد مارا جائے یا قتل کیا جائے۔ اس کی دلیل ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ جو شخص میراث سے بھاگنے کے لئے طلاق دے تو بدلیلِ استحسان عورت اس کی وراثت میں شریک ہوگی۔ فرار (عن المیراث) کا حکم اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جب کہ عورت کا حق مرد کے مال میں ثابت ہو رہا ہو۔ اور اس کا حق مرد کے مال سے اسی وقت متعلق ہو جائے گا جب مرد ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جس سے غالباً ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ وہ مستقلاً صاحبِ فراش ہو جائے اور تندرست آدمی کی طرح اپنی ضروریات کو سرانجام نہ دے سکے۔

گاہے فرار کا حکم ایسے امر سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جو ہلاکت میں غالباً مرض الموت کے ہم معنی و مشابہ ہو۔ مگر جس امر میں سلامتی اور بچاؤ کا پہلو غالب اور نمایاں ہو اس سے فرار کا حکم ثابت نہ ہوگا۔ اب جو شخص قلعہ میں

Marfat.com

محصور ہے، یا جنگ کی صف میں کھڑا ہے اس کی سلامتی اور بچ نکلنے کا خیال زیادہ غالب ہوتا ہے۔ کیونکہ قلعہ عموماً دشمن کے ضرر اور نقصان سے بچاؤ کرتا ہے اور لشکر کے متعلق بھی یہی گمان ہوتا ہے (کہ اس قدر لشکرِ جرّار اس کو دشمن کی مضرت سے بچا لے گا) لہٰذا ان دونوں صورتوں میں حکمِ فرار ثابت نہ ہوگا۔ مگر جو شخص عملی طور پر دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر ہو گیا یا قصاص یا رجم کے لئے میدان میں لایا گیا تو ان صورتوں میں ہلاکت کا پہلو نمایاں ہے۔ لہٰذا ایسے حالات میں (طلاق دینے سے) فرار ثابت ہو جائے گا۔ اس مسئلے کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ جن میں مذکورہ اصول کا اجراء کیا جا سکتا ہے۔ (جیسا کہ کوئی شخص ایسے جنگل میں پھنس جائے جہاں مہلک قسم کے درندے ہوں، یا دریا کے وسط میں کشتی میں شگاف ہو جائے، یا ہوائی جہاز کے انجن پرواز کے دوران خراب ہو جائیں تو ان تمام حالات میں طلاق دینے سے فرار ثابت ہو گا)۔

امام محمدؒ کا یہ قول "ان مات فی ذلك الوجه او قتل" کہ اس بناء پر مر جائے یا قتل کر دیا جائے۔ اس امر کی دلیل ہے کہ اس سبب سے مرے یا اُس سبب سے کوئی فرق نہیں (حکمِ فرار ثابت ہو گا) جیسا کہ ایک صاحبِ فراش یعنی خواہ وہ کسی مرض سے مرے یا قتل ہو جائے۔

مسئلہ: اگر صحت کی حالت میں خاوند نے اپنی بیوی سے کہا: اذا جاء رأس الشهر او اذا دخلت الدار او اذا صلی فلان الظهر او اذا دخل فلان الدار فانت طالق" (یعنی جب مہینے کی ابتداء ہو یا جب تو گھر میں داخل ہو یا جب فلاں شخص ظہر کی نماز ادا کرے یا جب فلاں شخص گھر میں

Marfat.com

داخل ہو تو تجھے طلاق ہے) مگر ان سب امور کا وقوع اس وقت ہوا جب کہ خاوند بیمار تھا۔ تو (خاوند کی وفات پر) عورت وارث نہ ہو گی اور اگر مذکورہ باتیں بحالتِ مرض ہوں تو عورت وارث ہو گی۔ سوائے ایک صورت کے جب مرد اسے (مرض میں) کہے: "ان دخلت الدار" (کیونکہ اس صورت میں عورت اگر گھر میں داخل ہوئی تو اس نے اپنا حق اپنے اختیار سے ساقط کر دیا۔

اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ طلاق کو کسی وقت کے آنے پر معلّق کیا جائے۔ دوسری یہ کہ طلاق کو کسی اجنبی کے فعل سے معلّق کرے۔ تیسری یہ کہ اپنے فعل سے معلّق کرے اور چوتھی یہ کہ عورت کے فعل سے معلّق کرے۔ پھر ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ تعلیق کرنا حالتِ صحت میں تھا اور شرط کا وجود حالتِ مرض الموت میں ہوا۔ دوم تعلیق اور وجودِ شرط دونوں حالتِ مرض میں ہوں۔

اب پہلی دو صورتوں کو لیجئے۔ یعنی (۱) جب تعلیق کا تعلّق وقت سے ہو۔ مثلاً یوں کہے کہ جب مہینے کی ابتداء ہو تو تجھے طلاق ہے (۲) جب تعلیق کسی اجنبی کے فعل سے ہو مثلاً اذا اصلی فلان الظهر یا اذا دخل فلان الدار (فانت طالق)۔

اگر ان دو صورتوں میں تعلیق اور شرط بحالتِ مرض ہوں تو عورت کو میراث ملے گی۔ اس حالت میں شوہر کی طرف سے قصدِ فرار کا ثبوت ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے تعلیقِ طلاق ایسی حالت میں کی جب کہ عورت کا حق اس کے مال سے متعلّق ہو چکا تھا۔

Marfat.com

(۳، ۴) اگر مذکورہ دونوں صورتوں میں تعلیق بوقتِ صحت ہو اور وجودِ شرط بوقت علالت ہو تو اسے میراث ہرگز نہیں ملے گی۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اسے میراث ملے گی۔ کیونکہ جو طلاق شرط سے معلّق ہو وہ وجودِ شرط کے وقت اسی کیفیت میں واقع ہوتی ہے جو بغیر تعلیق کے (اسی وقت) دی جاتی ہے۔ تو گویا مرد نے مرض الموت ہی میں طلاق دی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تعلیقِ سابق وجودِ شرط کے وقت حکماً طلاق بنتی ہے، قصداً نہیں بنتی۔ اور قصد کے بغیر ظلم ثابت نہیں ہوتا تو اس کا تصرّف رد نہ ہوگا (یعنی گویا مرد نے حالتِ صحت میں طلاق دی)۔

(۵، ۶) تیسری صورت یہ ہے کہ مرد طلاق کو اپنے فعل سے معلّق کرلے۔ اور تعلیق صحت میں ہو اور وجودِ شرط مرض میں یا دونوں مرض میں ہوں۔ تو ہر دو صورت میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر طلاق کو ایسے فعل سے معلّق کرلے جس سے اسے چارہ ہو (مثلاً فلاں وقت کھانا) یا اسے چارہ نہ ہو (مثلاً کھانا، نماز، رفع حاجت وغیرہ) تو بھی کچھ فرق نہیں۔ شوہر کو فرار مانا جائے گا کیونکہ اس میں عورت کے حق کو ساقط کرنے کا قصد پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ مرض میں تعلیق کرے یا مرض میں شرط کو وجود میں لائے (کوئی خاص فرق نہیں پڑتا) کیونکہ اگر اسے فعلِ شرط سے چارہ نہیں تھا تو تعلیق نہ کرنے میں تو اسے ہزار طرح سے چارہ تھا (یعنی اس نے اپنے ایسے فعل سے طلاق کو معلّق کیا جس سے اسے مفر نہ تھا تو اس نے کیوں ایسی تعلیق کی۔ اسے اس پر کسی نے مجبور تو نہیں کیا تھا) لہٰذا مرد کا تصرّف رد کردیا جائے گا تاکہ عورت

Marfat.com

کو ضرر و نقصان سے بچایا جا سکے۔

(۷، ۸) چوتھی صورت یہ ہے کہ طلاق کو عورت کے اپنے فعل سے معلّق کیا جائے۔ اگر تعلیق اور وجودِ شرط دونوں حالتِ مرض میں ہوں اور فعل بھی ایسا ہو جس سے عورت بچ سکتی ہے۔ مثلاً کسی سے کلام کرنا یا کسی کے گھر جانا تو عورت وارث نہ ہو گی۔ کیونکہ اپنا حق ساقط کرنے میں اس کی رضا پائی گئی۔

لیکن اگر تعلیق عورت کے ایسے فعل سے کی گئی ہو جس سے گریز کی کوئی صورت نہیں۔ جیسے کھانا یا نماز، یا ماں باپ سے بات چیت۔ تو ان افعال سے (طلاق واقع ہونے پر) عورت وراثت کی حقدار ٹھہرے گی۔ کیونکہ وہ ان افعال کو کرنے پر مجبور تھی۔ اور ان مذکورہ افعال سے باز رہنے میں دنیا یا عاقبت کی ہلاکت و خسران کا اندیشہ تھا اور اضطرار کے ہوتے ہوئے رضا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگر تعلیق صحت میں ہو اور شرط بحالتِ مرض پائی جائے اور فعل بھی ایسا ہو جس سے عورت بچ سکتی ہے تو اب عورت کے میراث میں حقدار نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

لیکن اگر تعلیق ایسے فعل سے ہو جس سے عورت کے لئے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ تو امام محمدؒ کے نزدیک وہی حکم ہے (کہ اسے میراث نہ ملے گی) امام زفرؒ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ جب عورت کا حق مرد کے مال سے متعلّق ہو چکا تو مرد کی طرف سے اس حق کو ساقط کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ (لہٰذا اب مرد

Marfat.com

تصور وارث نہ ہوگا) امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عورت وارث قرار پائے گی (کیونکہ اس فعل کے نہ کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا مرد کی طرف سے زیادتی پائی گئی) کیونکہ شوہر ہی نے اسے عمل میں لانے پر مجبور کیا تھا۔ تو فعل مرد کی طرف راجع ہوگا۔ کیونکہ اس کام میں عورت مرد کی آلہ کار تھی جیسے اکراہ یا مجبوری کی حالت میں ہوتا ہے۔ (مثلاً ا، ب کو کسی مال کے تلف کرنے پر مجبور کرے تو مال کا ضامن ا ہوگا)۔

مسئلہ: امام محمدؒ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے حالتِ مرض میں تین طلاقیں دیں، پھر تندرست ہوگیا۔ مگر بعد میں مرگیا تو اب عورت وارث نہ ہوگی۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ وارث ہوگی۔ کیونکہ مرد نے حالتِ مرض میں طلاقیں واقع کی تھیں۔ اس لئے قصدِ فرار ثابت ہوگیا اور عورت عدّت میں تھی جب کہ (وہ تندرست ہوکر) مرا۔

لیکن ہماری دلیل یہ ہے کہ مرض کے بعد جب صحت یاب ہوگیا تو وہ مرض بمنزلہ صحت ہوگا۔ کیونکہ اب اس کا مرض الموت ہونا باقی نہ رہا۔ اور ظاہر ہوگیا کہ عورت کا کچھ حق بھی مرد کے مال سے متعلّق نہیں ہوا۔ اس لئے یہ تصوّر نہ کیا جائے گا کہ خاوند نے راہِ فرار اختیار کی۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت کو مرض موت میں طلاق دی۔ پھر خدانخواستہ عورت مرتد ہوگئی۔ اس کے بعد دوبارہ اسلام لے آئی۔ اور شوہر اس مرض میں مرگیا تو عورت وارث نہ بن سکے گی۔ البتہ اگر عورت مرتد نہ ہوئی لیکن خاوند

Marfat.com

کے بیٹے کو مباشرت پر راضی کر لیا تو وہ وارث ہوگی۔

دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ عورت نے مرتد ہو کر وراثت کی اہلیت ضائع کر دی کیونکہ مرتد کسی (مسلمان) کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اور وارث کی اہلیت کے بغیر وراثت باقی نہیں رہ سکتی۔ مگر خاوند کے بیٹے کے ساتھ مباشرت کرنے سے اس کی اہلیتِ وراثت ضائع نہیں ہوتی۔ کیونکہ محرمیت میراث کے منافی نہیں ہوتی (جیسا کہ مرد کی ماں اور بہن وارث بنتی ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے لئے دائمی طور پر حرام ہیں) اور ہم صرف میراث ہی کو باقی رکھتے ہیں (کیونکہ عورت تو پہلے ہی مرد پر تین طلاقوں کی بناء پر حرام ہو چکی ہے) بخلاف اس صورت کے جب عورت قیامِ نکاح کی حالت میں خاوند کے بیٹے سے برضامندی مباشرت کرے (تو بھی میاں بیوی میں جدائی ہوگی اور وراثت سے محروم ہوگی) کیونکہ قیامِ نکاح کی حالت میں (خاوند کے بیٹے سے مباشرت کرنا) جدائی ثابت کر دیتا ہے۔ پس عورت نے اپنا حق اپنی رضا سے باطل کر دیا۔ مگر تین طلاقوں کے بعد شوہر کے بیٹے کو جماع پر راغب کرنا حرمت والی فرقت پیدا نہیں کرتا کیونکہ جدائی تو پہلے تین طلاقوں سے پیدا ہو چکی ہے' اس لئے دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔

مسئلہ: جس شخص نے اپنی تندرستی کے زمانے میں عورت پر زنا کی تہمت لگائی۔ اور لعان حالتِ مرض میں کیا تو عورت وارث ہوگی۔ امام محمدؒ کے نزدیک وارث نہ ہوگی۔ اگر مرض کے دوران تہمت لگائی ہو تو سب کے نزدیک وارث ہوگی۔

Marfat.com

مسئلے کی یہ صورت ایسی تعلیق سے منسوب ہے جس میں عورت کے لئے ایسا فعل کرنے سے کوئی چارۂ کار نہیں۔ کیونکہ عورت اپنی ذات سے زنا کی تہمت دُور کرنے کے لئے دعوےٰ کرنے پر مجبور ہے۔ ہم اس کی توجیہہ پہلے بیان کر چکے ہیں (یعنی مرد نے عورت کو جدائی کے لئے آلۂ کار بنایا اور اس کی صورت اکراہ کی سی ہوگی)۔

مسئلہ : اگر مرد نے صحت کی حالت میں عورت سے ایلا کیا۔ پھر ایلا کی وجہ سے عورت بائنہ ہوگئی۔ اور خاوند ابھی مریض تھا تو عورت وارث نہ بنے گی۔ اگر ایلا بھی مرض میں کیا ہو تو عورت وارث بنے گی۔ کیونکہ ایلا بھی طلاق کو معلق کرنے کے مترادف ہے جبکہ چار ماہ بغیر مباشرت کے گزر جائیں تو وہ تعلیق آنے والے وقت سے منسوب ہو جائے گی۔ اور اس کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (کہ تعلیق سابق تعلیق فی الحال ہوتی ہے)۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جس طلاق میں مرد کو رجوع کرنے کا اختیار ہو اس کی تمام صورتوں میں عورت وارث شمار ہوگی۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ رجعی طلاق سے نکاح زائل نہیں ہوتا حتیٰ کہ مباشرت جائز ہوتی ہے تو سبب قائم رہا (یعنی عدّت)۔ اور جہاں کہیں بھی ہم نے عورت کے وارث ہونے کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ صرف ایسی صورت میں وارث ہوگی جب کہ اس کی عدّت کے دوران ہی خاوند کی وفات ہو اور ابتدائے باب میں اسے بیان کیا جا چکا ہے۔

Marfat.com

باب الرَّجعۃ

رجوع کرنے کا بیان

مسئلہ : اگر خاوند نے اپنی بیوی کو ایک یا دو رجعی طلاقیں دے دیں تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ عدت میں رجوع کرلے۔ خواہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فامسکوھن بمعروف" مطلق مذکور ہوا ہے (کہ عورت کی رضا ہو یا نہ ہو) نیز عدّت کا قیام ضروری ہے کیونکہ رجعت کے معنی ہیں ملک کو برابر قائم رکھنا (اور عدّت گزر جانے کے بعد ملکِ نکاح قائم نہیں رہتا) کیا آپ اسے تسلیم نہیں کرتے کہ (قرآن کریم میں) رجعت کو امساک کہا گیا ہے۔ اور امساک کے معنی باقی رکھنے کے ہیں اور ملک کا باقی رکھنا عدّت ہی میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عدت گزر جانے کے بعد ملکِ نکاح باقی نہیں رہتا۔

مسئلہ : رجعت اس طرح ہوتی ہے کہ مرد عورت کو مخاطب کرکے کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ (یا گواہوں کو مخاطب کرکے کہے) کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا۔ یہ الفاظ رجعت میں بالکل صریح ہیں اور ان میں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مسئلہ : (رجعت اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ) مرد اس سے مباشرت کرے یا اسے چوم لے یا شہوت سے اسے مس کرے۔ یا اس کے فرج کی طرف شہوت سے نظر کرے۔ یہ تمام صورتیں احناف کے نزدیک ہیں۔ مگر امام شافعی رحمہ فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ جب کہنے پر قدرت حاصل ہو تو بغیر کہے رجعت صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ رجعت (امام شافعیؒ کے نزدیک) نکاح جدید کی طرح ہے۔ حتیٰ کہ دورانِ عدّت عورت سے مباشرت حرام ہے۔ مگر ہمارے نزدیک رجعت استدامتِ نکاح کے حکم میں ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی اس کی مزید وضاحت کی جائے گی۔ مرد کا فعل بھی اس کے نکاح کے قائم ہونے کی دلیل بن سکتا ہے جیسا اختیار کے ساقط کرنے میں (مثلاً کسی نے ایک گھوڑا تین دن کے اختیار پر لیا مگر سواری کرنے کے بعد کہیں اپنے کام پر چلا گیا۔ تو خیار ساقط ہو گیا، اور بیع قائم ہو گئی۔ یا مثلاً ایک باندی خیار پر خریدی گئی اور اس سے وطی کر لی تو خیار ساقط ہو گیا) اور فعل کا دلیلِ رجعت ہونا ایسے افعال سے ہوتا ہے جو نکاح کے ساتھ خاص ہوں اور یہ مذکورہ افعال نکاح ہی سے خاص ہیں خصوصاً آزاد عورت کے حق میں۔ بخلاف اس مَس اور نظر کے جو بغیر شہوت ہوں۔ کیونکہ بغیر شہوت چھونا، دیکھنا کبھی بغیر نکاح کے بھی جائز ہوتا ہے جیسے دائی اور طبیب وغیرہ کو (لہذا ایسا مَس و نظر معتبر نہ ہوگا۔ یا ان دونوں کے علاوہ دوسروں کو مثلاً ختنہ کرنے والا یا زنا کا گواہ) اور فرج کے علاوہ نظر کرنا ایک جگہ پر رہنے والوں میں بھی بارہا اتّفاق ہو جاتا ہے اور عدّت کے دوران شوہر عورت کو ساتھ ہی رکھتا ہے۔ لہذا فرج کے علاوہ دوسرے اعضاء پر نظر کرنے کو بھی اگر رجعت قرار دیں (تو خاوند چونکہ رجعت کا خواہاں نہیں) لہذا پھر اس کو طلاق دے گا۔ اور عورت کی عدت خواہ مخواہ طویل ہوتی چلی جائے گی۔

Marfat.com

مسئلہ : مستحب یہ ہے کہ رجعت پر دو گواہ قائم کرے۔ اگر گواہ نہ بھی ہوں تو بھی رجعت صحیح ہو گی۔ امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق اور امام مالکؒ کے نزدیک بغیر گواہ کے رجعت صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : واشہدوا ذوی عدل منکم (دو عادل گواہ قائم کر لو) اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی نصوص گواہوں کی قید کے بغیر بھی ہیں (جیسے فامسکوھن بمعروف۔ الطلاق مرّتان فامساك بمعروف۔ وبعولتھن احقّ بردھن۔ فلا جناح علیھما ان یتراجعا وغیرہ) نیز چونکہ رجعت نکاح کا باقی رکھنا ہوتا ہے اور نکاح کو باقی رکھنے میں شہادت شرط نہیں ہوتی۔ جیسا ایلا میں رجوع کرتے وقت شہادت شرط نہیں ہے۔ ہاں گواہ قائم کرنا احتیاط کے پیش نظر مستحسن ضرور ہے تاکہ لوگوں کو اس سے لاعلمی نہ رہے۔ اور امام شافعیؒ نے جو آیت بطور دلیل پیش کی ہے اس میں بھی امر استحباب پر محمول ہو گا۔ کیا آپ تسلیم نہیں کرتے کہ اس شہادت کو مفارقت کے ساتھ لایا گیا ہے (یعنی جس آیت میں رجعت کے ساتھ گواہوں کا ذکر ہے وہاں ہی "فارقوھن" کے ساتھ گواہوں کا بھی ذکر ہے) حالانکہ بوقت مفارقت (طلاق) گواہ قائم کرنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ رجعت کے متعلق عورت کو بتا دے تاکہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے (کہ عدت کے بعد کسی اور کے پاس چلی جائے۔ یا عدت ہی میں دوسرے کے ساتھ وعدہ مواعید کرتی رہے)۔ فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واشھدوا ذوی عدل منکم...

Marfat.com

(۶) **مسئلہ** : جب عدت ختم ہو جائے اور مرد کہے کہ میں نے عدت ہی میں تجھ سے رجوع کر لیا تھا۔ عورت نے بھی تصدیق کر دی۔ تو یہ رجعت شمار ہوگی۔ اگر عورت مرد کی بات کو جھٹلا دے تو عورت کی بات تسلیم کی جائے گی۔ کیونکہ خاوند نے ایسی بات کی خبر دی ہے جس کو وہ فوری طور پر موجود کرنے کا مالک نہیں لہذا وہ اس میں متہم ہوگا۔ (کہ اب عدت تو گزر چکی ہے اور مرد کسی حیلے بہانے سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس کا قول قابلِ قبول نہ ہوگا) البتہ عورت کے تصدیق کرنے سے تہمت رفع ہو جاتی ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک عورت پر قسم واجب نہیں ہے اور یہ بھی چھ باتوں میں قسم لینے کا مسئلہ ہے جس کے متعلق کتاب النکاح میں بیان کیا جا چکا ہے۔

(۷) **مسئلہ** : اگر مرد نے کہا کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ مگر عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت گزر چکی ہے۔ تو امام اعظمؒ کے نزدیک رجعت صحیح نہیں ہوگی۔ صاحبین کہتے ہیں کہ رجعت صحیح ہوگی۔ کیونکہ رجعت کا عدت سے اتصال پایا گیا (یعنی عورت نے بعد میں کہا کہ میری عدت گزر چکی ہے مگر مرد نے رجوع پہلے کر لیا ہے) کیونکہ بظاہر عدت اس وقت تک باقی ہوتی ہے جب تک کہ عورت عدت کے گزرنے کی خبر نہ دے۔ مگر خبر دینے سے پہلے رجعت کا وقوع ہو چکا ہے۔ اسی بناء پر اگر عورت سے کہے کہ میں نے تجھے (دوسری) طلاق دے دی۔ مگر عورت جواب دے کہ میری عدت گزر چکی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ رجعت کا وقوع اختتامِ عدت کی حالت میں ہوا

Marfat.com

ہے کیونکہ عورت عدت گزرنے کی خبر دینے کی امین ہے۔ جب اس نے شوہر کو اس کی خبر دی تو اس سے ثابت ہوا کہ عدت پہلے گزر چکی ہے اور عدّت گزرنے کی قریبی حالت وہی ہے جب مرد نے رجعت کی بات کی تھی (تو عدّت پہلے گزری اور مرد کا کہنا بعد میں ہوا) اور مسئلہ طلاق میں بھی اسی طرح اختلاف ہے۔ اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ طلاق کا مسئلہ بلا اختلاف ہے (تو ہم کہتے ہیں کہ طلاق دینے اور رجعت میں فرق ہے) کیونکہ طلاق تو عدّت گزرنے کے بعد شوہر کے اقرار سے واقع ہوتی ہے مگر مراجعت اس کے اقرار سے ثابت نہیں ہوتی (کیونکہ مراجعت کی صورت میں مرد متہم ہو سکتا ہے۔ اس لئے عورت کی بات تسلیم کی جاتی ہے لیکن طلاق تو بہرصورت مرد کے اختیار ہی میں ہوتی ہے۔ عورت خواہ عدّت گزرنے کے متعلق کچھ بتلائے یا نہ بتائے)۔

مسئلہ: جب باندی کے شوہر نے اس کی عدّت گزرنے کے بعد اسے کہا کہ میں نے عدّت میں رجوع کر لیا تھا اور مولیٰ نے بھی اس کی تصدیق کی۔ لیکن باندی نے اس کی تکذیب کردی۔ تو امام اعظم رح کے نزدیک باندی کا قول قابلِ قبول ہوگا۔

صاحبین کہتے ہیں کہ مولیٰ کی بات مانی جائے گی کیونکہ عدّت گزرنے کے بعد عورت سے تمتع کے حق کا مالک مولیٰ ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا مولیٰ نے اپنے حقِ خالص کا باندی کے شوہر کے لئے اقرار کیا۔ تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کہ مولیٰ باندی کے نکاح کا اقرار کرے (کہ یہ نکاح میری اجازت سے ہوا ہے۔ تو اس صورت میں باندی کی بات تسلیم نہیں کی جاتی۔ بلکہ مولیٰ کے قول پر عمل کیا جاتا ہے)۔

Marfat.com

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ رجعت کا حکم (یعنی صحیح ہونا یا نہ ہونا) عدّت پر مبنی ہوتا ہے۔ اور عدّت کے متعلق باندی کا قول ہی قابلِ اعتماد ہوتا ہے (کیونکہ وہ اپنے بارے میں امینہ ہے) تو اسی طرح جو بات عدّت پر مبنی ہوگی (اس میں باندی کا قول قابلِ اعتبار ہوگا)۔

اگر مذکورہ مسئلے کی صورت علی العکس ہوجائے (یعنی انقضائے عدّت کے بعد شوہر نے عدّت میں رجعت کا دعویٰ کیا۔ باندی نے بھی تصدیق کردی مگر مولیٰ نے جھٹلا دیا) تو صاحبین کے نزدیک مولیٰ کی بات مانی جائے گی۔ اور صحیح روایت کے مطابق امام اعظمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ فوری طور پر تو یہ باندی اپنی عدّت گزار چکی ہے۔ اور مولیٰ کے لئے باندی سے تمتع حاصل کرنا ظاہر اور ثابت ہے۔ تو مولیٰ کے مِلک کو باطل کرنے میں باندی کی بات تسلیم نہ کی جائے گی۔ بخلاف پہلی صورت کے (کیونکہ امام اعظمؒ کے نزدیک پہلی صورت میں مولیٰ کا مِلک ظاہر نہیں ہوا تھا اور باندی کی بات تسلیم کرلی گئی تھی) کیونکہ مولیٰ نے جب رجعت میں شوہر کی بات کی تصدیق کردی تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ وہ رجعت کے وقت بھی قیامِ عدت کا قائل ہے اور عدّت کے ہوتے ہوئے مولیٰ مِلک متعہ کا مالک نہیں بن سکتا۔

مسئلہ: اگر باندی نے کہا کہ میری عدّت گزر چکی ہے اور مولیٰ اور خاوند نے کہا کہ تمہاری عدّت ابھی نہیں گزری تو باندی کی بات تسلیم کی جائے گی کیونکہ وہ اپنے قول میں امینہ ہے اور عدّت گزرنے کا علم اسے ہی ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

مسئلہ : جب تیسرے حیض کا خون دس دن کے بعد منقطع ہو گیا تو مرد کا حقِ رجعت ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ عورت نے غسل نہ بھی کیا ہو۔ لیکن اگر خونِ حیض دس دن سے کم میں رُک جائے تو حقِ رجعت ختم نہ ہو گا۔ جب تک عورت غسل نہ کرے یا ایک نماز کا پورا وقت نہ گزر جائے۔ کیونکہ حیض دس دنوں سے آگے نہیں بڑھتا۔ تو (دس دن کے بعد) خون کے ختم ہوتے ہی حیض سے فارغ قرار پائے گی۔ اور عدّت بھی پوری ہو جائے گی اور حقِ رجعت منقطع ہو گا۔ مگر دس دن سے کم میں خون رک جانے کے بعد یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ شاید خون دوبارہ آنے لگے۔ تو ضروری ہے کہ اس کے منقطع ہونے کا تیقّن ہو جائے۔ اور یہ یقین حقیقی غُسل کر لینے سے حاصل ہو گا۔ یا پاک عورتوں کے ساتھ کسی حکم میں شامل ہونے سے مثلاً ایک نماز کا وقت گزر جائے۔ بخلاف اس صورت کے جب عورت کتابیہ ہو۔ کیونکہ اس کے حق میں کسی اور زائد علامت کی توقع نہیں۔ لہٰذا خون کے منقطع ہونے پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔

ابو حنیفہ رح اور ابو یوسف رح کے نزدیک رجعت اس وقت منقطع ہو جائے گی جب عورت تیمم کرکے کوئی (نفلی یا فرض) نماز پڑھ لے۔ یہ نماز پڑھنے کی قید بطورِ استحسان لگائی گئی ہے۔

امام محمد رح فرماتے ہیں کہ تیمم کرتے ہی رجعت ختم ہو جائے گی اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ جب پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم کرنا مطلقاً طہارت ہوتا ہے (خواہ نماز ادا کرے یا نہ)۔ حتیٰ کہ جو احکام غُسل سے ثابت ہوتے ہیں وہ تیمم سے بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا تیمم بمنزلہ غسل ہو گا۔

Marfat.com

شیخین فرماتے ہیں کہ تیمم درحقیقت انسان کو پاک نہیں کرتا بلکہ آلودہ کرتاہے (یعنی مٹی یا ریت سے تیمم کرنے سے ہاتھ منہ خاک آلود ہو جاتے ہیں۔ توظاہر ہے کہ حقیقی طور پر طہارت حاصل نہیں ہوتی) (مگر شریعت میں) تیمم کو ضرورت کے مدنظر طہارت قرار دیا گیا تاکہ فرائض میں اضافہ نہ ہوتا رہے (مثلاً ایک شخص پندرہ دن تک غسل پر قادر نہ ہوسکے تو اس کے ذمے نمازوں کا ایک انبار ہو جائے گا)۔ نیز تیمم کی یہ ضرورت نماز کی ادائیگی کے وقت پیش آتی ہے نہ کہ نماز سے پہلے اوقات میں۔ (اس اعتراض کا کہ سجدۂ قراءۃ وغیرہ کے وقت بھی تیمم کیا جاتاہے تو صرف نماز کے لئے کہاں ضروری رہا، جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) کہ دوسرے جن امور کے لئے تیمم کا حکم ہے وہ بھی نماز کے متقضی ہونے کی ضرورت سے ثابت ہوئے ہیں۔ (کیونکہ سجدۂ تلاوتِ قرآن یا دخولِ مسجد وغیرہ بھی نماز کے تقاضوں ہی سے ہیں)۔

نیز یہ بھی کہا جاتاہے کہ شیخینؒ کے نزدیک نماز شروع کرتے ہی رجعت منقطع ہو جائے گی۔ اور یہ بھی کہا گیاہے کہ نماز سے فراغت کے بعد ہوگی تاکہ نماز کے جواز کا حکم مستحکم ہو جائے۔ (کیونکہ اگر نماز کے دوران پانی مل جائے تو تیمم باطل ہو جائے گا)

(۶) مسئلہ: جب عورت نے غسل کیا اور جسم کا کوئی ایسا عضو بھول گئی جس تک پانی نہیں پہنچا۔ تو یہ حصہ اگر پورا عضو ہو یا اس سے زیادہ تو رجعت منقطع نہ ہوگی۔ اور اگر پورے عضو سے کم حصہ ہو تو رجعت منقطع ہو جائے گی۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ بھی بطریقِ استحسان ہے۔ ورنہ

Marfat.com

قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ عضوِ کامل رہ جانے کی صورت میں بھی رجعت باقی نہ رہے۔ کیونکہ اس نے اکثر حصّہ بدن کو دھولیا ہے۔ (وللاکثر حکم الکل) اور عضو سے کم حصہ رہ جانے کی صورت میں قیاس یہ ہے کہ رجعت باقی رہے۔ کیونکہ جنابت (ناپاکی بدن) اور حیض کے حکم کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ (مثلاً کہا جائے کہ اگرچہ ایک جز کی جنابت باقی ہے مگر اکثر حصہ پاک ہو چکا ہے۔ اس قسم کی تقسیم ممکن نہیں بلکہ ایک جز کے رہ جانے سے مکمل جنابت باقی رہے گی) اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اگر پورے عضو سے کم حصہ خشک رہ جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ شاید یہ حصہ اپنے کم ہونے کی بناء پر جلد ہی خشک ہو گیا ہو۔ اس لئے پانی کے نہ پہنچنے کا یقینی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ تو ہم نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس صورت میں رجعت منقطع ہو جائے گی۔ مگر دوسرے شوہر سے (ابھی) نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ تاکہ دونوں باتوں (انقطاعِ رجعت اور دوسرے نکاح) میں احتیاط پر عمل کیا جائے۔ بخلاف عضوِ کامل کے۔ عضوِ کامل جلد خشک نہیں ہوتا (جب کہ باقی بدن تر ہے) اور نہ ہی (نہلانے میں) عادۃً عضوِ کامل سے غفلت برتی جاتی ہے (اس سے عضوِ کامل اور عضوِ قلیل کا فرق واضح ہو گیا) لہٰذا دونوں مسائل جداگانہ نوعیت کے شمار ہوں گے۔

امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ کلّی کرنا یا ناک میں پانی چڑھانا اگر چھوٹ جائے تو گویا پورا عضو چھوٹ گیا۔ اور ان سے ایک دوسری روایت ہے جو کہ امام محمدؒ کی رائے بھی ہے کہ یہ دونوں عضو سے کم شمار ہوں گے۔ کیونکہ کلّی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کی فرضیت میں اختلاف ہے۔ بخلاف دیگر

Marfat.com

اعضائے کے (امام مالکؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک غُسلِ جنابت میں یہ دونوں سنّت ہیں اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض)۔

مسئلہ: جس شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی اور عورت حاملہ تھی یا اس سے بچہ تولّد ہؤا۔ اور مرد نے کہا کہ میں نے اس عورت سے مباشرت ہی نہیں کی۔ تو اسے رجعت کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ حمل کا ظہور جب اس قدر عرصے میں ہو جائے کہ اسے شوہر کا قرار دیا جاسکے تو اسی کا قرار دیا جائے گا۔ اسی سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ" یعنی بچہ فراش والے کا ہوتا ہے۔ اور یہ امر مرد کے وطی کرنے کی دلیل بھی بن جائے گا۔ (یعنی مرد نے عدم مباشرت کا جو دعویٰ کیا ہے وہ غلط ہے)۔

اسی طرح جب بچے کا نسب اس مرد سے ثابت ہو جائے تو مرد کو وطی کرنے والا شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا جب وطی ثابت ہو گئی تو مِلک مستحکم ہو گیا اور مستحکم مِلک میں جو طلاق دی جائے اس کے بعد رجعت بھی ہوسکتی ہے اور اس کے دعوے کو (کہ میں نے وطی نہیں کی) شریعت تسلیم نہیں کرے گی۔ کیا آپ کے نزدیک یہ مسلّم نہیں کہ ایسی وطی سے اِحصان ثابت ہو جاتا ہے (مثلاً اگر اس کے بعد زنا کرے تو اسے مُحصن آدمی کی طرح رجم کیا جائے گا) تو رجعت کا صحیح ہونا (اس وطی سے) بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا اور مذکورہ مسئلے کی تاویل (یعنی صحیح صورت) یہ ہے کہ طلاق واقع ہونے سے پہلے بچہ جنے۔ کیونکہ اگر وقوعِ طلاق کے بعد بچے کی ولادت ہوئی تو عدّت ولادت ہی سے ختم ہو جائے گی اور رجعت کا سوال ہی نہ رہا۔

Marfat.com

مسئلہ: اگر مرد نے عورت کے ساتھ خلوت کی اور دروازہ بند کر دیا۔ یا پردہ لٹکا دیا۔ مگر کہا کہ میں نے مباشرت نہیں کی۔ پھر عورت کو طلاق دے دی تو اب رجعت کا مالک نہ ہوگا۔ کیونکہ ملک نکاح وطی سے متاکّد اور مستحکم ہوتا ہے۔ لیکن خاوند عدم مباشرت کا اقرار کر رہا ہے تو اپنے بارے میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ رجعت مرد ہی کا حق تھا (جو خود اس نے اپنے اقرار سے ساقط کر دیا) لہذا شریعت میں اسے جھٹلایا نہ جائے گا۔ بخلاف مہر کے (یعنی خلوتِ صحیحہ کے بعد عورت مہر کی مستحق ہو جائے گی کیونکہ مہر مسمیٰ اسی وقت واجب ہوتا ہے جب عورت خود کو مرد کے سپرد کر دے۔ اس سے تمتّع شرط نہیں ہے۔ بخلاف پہلی صورت کے (جب کہ عورت حاملہ تھی۔ یا اسے بچہ ہو چکا تھا کیونکہ اس صورت میں تو شریعت نے مرد کی تکذیب کر دی تھی اور وہ رجعت کر سکتا تھا۔ مگر اس صورت میں شریعت نے اس کی تکذیب نہیں کی۔ لہذا رجعت اس کے اپنے اقرار کی بنا پر ساقط ہو گئی)۔

مسئلہ: پھر اگر مرد نے رجعت کر لی۔ یعنی خلوتِ صحیحہ کے بعد، اور کہا کہ میں نے اس سے مباشرت نہیں کی۔ پھر اس عورت کے دو برس سے ایک روز کم تک بچہ پیدا ہوا، تو رجعت صحیح ہوگی۔ کیونکہ اس بچے کا نسب اس مرد سے ثابت ہے۔ اور عورت نے عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا تھا اور بچے کا دو برس تک پیٹ میں رہنا ممکن ہے۔ لہذا مرد کو طلاق سے پہلے وطی کرنے والا مانا جائے گا نہ کہ طلاق کے بعد۔ کیونکہ دوسری صورت میں (یعنی طلاق کے بعد وطی کرنے کی صورت میں) طلاق واقع کرتے ہی وہ الگ ہو

ختم ہو جاتا ہے کیونکہ طلاق سے پہلے وہ مدخولہ نہیں تھی۔ لہٰذا یہ (بعد کی وطی) حرام ہو گی۔ اور مسلمان ایک حرام کام کا ارتکاب نہیں کرتا۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا "جب تو بچہ جنے تجھ پر طلاق ہے" اور عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا (تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی) اب دوسرا بچہ پیدا ہو گیا تو یہ رجعت شمار ہو گی (دوسرے بچے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے پیٹ سے جنے یعنی چھ ماہ کے بعد پیدا ہو اگرچہ دو سال سے زائد ہو جائے۔ بشرطیکہ عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت پر پہلے بچے کی پیدائش سے طلاق واقع ہو گئی اور عدت واجب ہو گئی تو دوسرا بچہ عدت کے اندر شوہر کے نئے تعلق سے پیدا ہوا۔ اور عورت نے عدت کے گزر جانے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ لہٰذا شوہر کو رجوع کرنے والا قرار دیا جائے گا (کیونکہ اس نے رجوع کر کے ہی وطی کی تھی۔ یا وطی ہی سے رجوع ہو گیا تھا)۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "کلما ولدتِ ولداً فانتِ طالق" یعنی جب کبھی تو نے بچہ جنا تجھے طلاق ہے۔ اور عورت نے الگ الگ بطن سے تین بچے جنے۔ تو پہلے بچے کی ولادت طلاق شمار ہو گی اور دوسرے کی رجعت (یعنی دوسرا بچہ رجعت کی دلیل ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ دوسری طلاق بھی وارد ہو جائے گی) اور اسی طرح تیسرے کی ولادت پر دوسری طلاق سے رجعت ہو گی مگر تیسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ جب عورت کے پہلا بچہ پیدا ہو تو اس پر پہلے بچے کی پیدائش سے طلاق واقع ہو گئی۔ اور عورت معتدہ

Marfat.com

ہوگئی (یعنی عدّت گزارنے والی) اور دوسرے بچے کی ولادت سے رجوع ہو جائے گا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس کا حمل اس وطی سے قرار پایا جو عدّت کے اندر پائی گئی۔ دوسرے بچے کے پیدا ہونے پر دوسری طلاق واقع ہو گی۔ کیونکہ قسم میں کُلّما کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور عدت واجب ہو گی۔ اور تیسرے بچے کی پیدائش سے مرد رجوع کرنے والا شمار ہوگا۔ مگر ساتھ ہی اس تیسرے بچے کی ولادت سے تیسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور عدّت کا شمار حیض سے کیا جائے گا۔ کیونکہ اس عورت پر جب طلاق واقع ہوئی تھی تو یہ حاملہ تھی اور حائضہ عورتوں سے تھی۔

مسئلہ: معتدّہ عورتوں کے لئے کن امور کا جواز ہے۔ جو عورت رجعی طلاق کی عدت گزار رہی ہو۔ اسے اچھی طرح زیب و زینت کرنی چاہیئے کیونکہ وہ اپنے خاوند کے لئے حلال ہے۔ جب کہ نکاح دونوں میں قائم ہے اور رجعت کرنا بھی امرِ مستحب ہے اور عورت کا بناؤ سنگار مرد کو رجعت کی طرف مائل کرے گا۔ لہذا سنگار کرنا شرعی طور پر درست ہوگا۔

نیز شوہر کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ عورت کے پاس اچانک نہ جاؤ دھمکے بلکہ اس سے اجازت لے یا اسے جوتوں کی آہٹ سے آگاہ کر دے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے لئے یہ حکم اس حالت میں ہے جب کہ رجوع کرنے کا قصد نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ بسا اوقات عورت برہنہ تن ہوتی ہے اور مرد کی نظر بدن کے ایسے حصے پر پڑ سکتی ہے کہ جس سے وہ رجوع کرنے والا قرار پائے اور مرد پھر اسے طلاق دے۔ کیونکہ اس طرح عورت کی عدّت طویل ہوتی چلی جائے گی۔

Marfat.com

مسئلہ: شوہر کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے سفر پر ساتھ لے جائے جب تک کہ اس سے رجوع نہ کرے اور رجعت کے لئے گواہ بھی قائم کر دے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مرد کو اسے سفر پر لے جانے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ نکاح قائم ہے اور اسی لئے ہمارے نزدیک مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ اس سے مباشرت کر سکے۔

ہماری دلیل ارشادِ خداوندی ہے "لاتخرجوهن من بيوتهن" یعنی تم مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرد کے رجوع کرنے کی رعایت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہی طلاق کے اثر میں تراخی یعنی وقفہ کیا گیا۔ لیکن جب عدت گزر گئی (اور مرد نے رجوع نہ کیا) تو معلوم ہوا کہ مرد کو اس کی کچھ حاجت نہیں۔ لہذا یہ ظاہر ہو گیا کہ طلاق نے اپنا عمل اسی وقت سے شروع کیا جب کہ وہ وجود میں آئی تھی۔ اس کو جو حیض آ چکے ہوتے ہیں وہ عدت میں شمار کئے جاتے ہیں تو خاوند کو اسے باہر لے جانے کا اختیار نہ ہوگا صرف یہی صورت ہوگی کہ وہ اپنی رجعت پر گواہ قائم کرے تاکہ عدت ختم ہو جائے اور مرد کا ملکِ نکاح مستحکم ہو جائے۔

امام محمدؒ کا قول "حتی یشهد علی رجعتها" کہ گواہوں کا قائم کرنا مستحب ہے (واجب نہیں) اس کی تفصیل ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ: طلاقِ رجعی سے وطی حرام نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ حرمتِ وطی کے قائل ہیں کیونکہ مرد و عورت کا ازدواجی تعلق طلاق سے زائل ہو چکا ہے۔

Marfat.com

ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجیت ہنوز قائم ہے حتیٰ کہ شوہر عورت کی رضا مندی کے بغیر بھی رجوع کرسکتا ہے (اگر زوجیت باقی نہ ہوتی تو رجوع کے سلسلے میں عورت کی رضامندی ضروری ہوتی) کیونکہ رجعت کا حق شوہر کی رعایت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ثابت ہے تاکہ ندامت محسوس کرنے پر شوہر کے لئے تدارک ممکن ہو (یعنی طلاق دینے کے بعد اگر وہ اپنے فعل پر نادم ہو تو رجوع سے اس کا تدارک کیا جا سکتا ہے) ورنہ حقِ رجعت تو ——— امام شافعی رح کے قول کے مطابق ——— عورت پر ظلم شمار ہوگا (یعنی نکاح قطعاً باقی نہ رہا - لیکن مرد نے پھر بھی بغیر رضامندی کے اس سے رجوع کرلیا) (استبداد بہ کا مطلب یہ ہے کہ مرد مراجعت کے معاملے میں مستقل اور منفرد حیثیت رکھتا ہے - یہ نہیں کہ عورت کی رضامندی حاصل کرکے رجوع کرسکے) اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رجعت کے معنے نکاح کو برابر رکھنے کے ہیں نہ کہ از سر نو نکاح کرنے کے - کیونکہ دلیلِ مذکور اس کے منافی ہے (اور اگر نکاح از سرِنو نافذ قرار دیا جائے تو عورت کی رضامندی ضروری ہوتی ہے) نیز طلاق کا عمل سب کے نزدیک ایک مدّت تک معرضِ التوا میں رہتا ہے با شوہر کے حق کی رعایت پیشِ نظر ہوتی ہے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے -

Marfat.com

فصل فیما تحل بہ المطلّقۃ

ان امور کا بیان جن سے مطلّقہ حلال ہو جاتی ہے

مسئلہ : جب تین سے کم بائن طلاقیں ہوں تو مرد کو اختیار ہوتا ہے کہ عدّت کے اندر یا عدّت کے بعد نکاح کرے کیونکہ عورت کی حلّت اس کے لئے ابھی باقی ہے۔ اور حلّت کے ازالے کا مدار تیسری طلاق پر ہے (قرآن کریم میں تیسری طلاق کے متعلق ارشاد ہے : فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ یعنی تیسری طلاق کے بعد ملک کُلیتہً زائل ہو جاتا ہے) اور تیسری طلاق سے پہلے حلّت زائل نہ ہو گی۔

دوسرے آدمی کو (عورت کی) عدّت میں نکاح سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ نسب میں اشتباہ نہ پیدا ہو (کیونکہ مطلّقہ اگر عدّت ہی میں نکاح کر لے اور اسے حمل بھی ہو۔ اور دوسرے شوہر کے پاس جا کر اس کا بچہ پیدا ہو تو بچے کا نسب مشتبہ ہو جائے گا کہ کس کے نطفہ سے ہے۔ اس لئے عدت میں دوسرے کے نکاح سے منع کر دیا گیا) مگر پہلے شوہر کے متعلّق عدت کے دوران یا بعد از عدّت نکاح کرنے میں مطلقاً کوئی اشتباہ نہیں (کیونکہ اگر عورت حاملہ بھی ہوئی تو بچہ اسی مرد کے نطفہ سے ہو گا)۔

مسئلہ : اگر کسی آزاد عورت کو تین طلاقیں یا کسی باندی کو دو طلاقیں دے دی جائیں تو ایسی عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی جب تک کہ وہ

Marfat.com

دوسرے مرد سے نکاحِ صحیح نہ کرلے۔ اور وہ اس کے ساتھ مباشرت بھی کرے۔ پھر اسے طلاق دے دے یا مرجائے۔ اس کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے فان طلّقھا فلا تحلّ لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہٗ۔ یعنی اگر مرد نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہ ہو گی جب تک کہ دوسرے زوج سے نکاح نہ کرے۔ اور لونڈی کو دو طلاقیں دینا آزاد عورت کو تین طلاقیں دینے کے برابر ہے۔ کیونکہ غلامی نعمتِ حلّت کو نصف کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اصول کی کتابوں میں معروف ہے۔

(اس اعتراض کا کہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں، تو دوسرے مرد کا صرف نکاح کو نا شرط ہے مگر آپ نے ساتھ دخول کا اضافہ بھی کر دیا، جواب دیتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ) غایتِ کلام تو لفظاً ہر دوسرے شخص کا مطلقاً نکاح کرنا ہے اور مطلق زوجیت نکاحِ صحیح سے ثابت ہو جاتی ہے (تو نکاح کا ثبوت عبارۃ النّص یعنی ظاہر الفاظ سے ہوا) اور دخول کی شرط اشارۃ النّص (یعنی مفہوم کلام) سے ثابت ہوئی۔ اور وہ اس طرح کہ نکاح بمعنی وطی لیا جائے تاکہ کلام کا کوئی فائدہ بھی مترتّب ہو۔ محض تکرار اور اعادہ نہ ہو۔ کیونکہ نکاح تو قرآنی لفظ زوج کے مطلق بیان ہونے ہی سے معلوم ہو گیا (یعنی حتیٰ تنکحَ زوجاً غیرہٗ میں زوج کے لفظ ہی سے نکاح کا علم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب تک اس سے نکاح نہ کیا جائے اسے زوج کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اب اگر تنکح سے بھی صرف نکاح ہی مراد لیں تو یہ اعادہ و تکرار ہو گا۔ لہذا صحیح مفہوم کے ظاہر کرنے کے لئے نکاح بمعنی وطی لیں گے)۔

Marfat.com

ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ آیت کے ساتھ وطی کی قید کا اضافہ حدیث مشہور کی بناء پر کرلیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لاتحل للاول حتی تذوق عسیلۃ الاخر" یعنی تین طلاق یافتہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے کا مزہ نہ چکھے۔ اس بارے میں کئی روایات منقول ہیں۔ اور سوائے سعید ابن المسیب کے اس میں کسی کا بھی اختلاف مذکور نہیں (وہ پہلے شوہر کی حلت کے لئے صرف نکاح ہی کافی شمار کرتے ہیں) لیکن سعید ابن المسیب کا یہ قول غیر معتبر ہے حتیٰ کہ اگر کسی قاضی نے اس قول کے مطابق فیصلہ کیا تو نافذ نہ ہوگا۔

نیز حلت کے لئے دخول شرط ہے انزال ضروری نہیں۔ کیونکہ انزال سے تو وطی پوری ہو جاتی ہے اور گویا کہ زیادتی فعل ہے لہذا کمال کی قید زائد ہے۔ (اس لئے انزال شرط نہ ہوگا)۔

مسئلہ : بالغ ہونے کے قریب لڑکا بھی تحلیل میں بالغ کی طرح ہے۔ کیونکہ نکاح صحیح میں دخول پایا گیا اور نص سے یہی شرط معلوم ہوتی ہے۔

قریب البلوغ لڑکے کے بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔ مگر ہماری بیان کردہ دلیل ان پر حجت ہے۔

امام محمدؒ نے جامع الصغیر میں "مُراھق" کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جو لڑکا ابھی بالغ نہیں ہوا (اور قریب البلوغ ہے) لیکن تقریباً اسی عمر کے لڑکے مجامعت کرلیتے ہیں۔ ایسے لڑکے نے عورت سے مباشرت کی تو عورت پر غسل واجب ہوگا اور وہ پہلے خاوند کے لئے حلال کردے گا۔ امام محمدؒ کا مفہوم یہ ہے کہ

Marfat.com

لڑکے کے عضو میں انتشار ہو اور وہ جماع کا آرزومند ہو۔ اور عورت پر غسل اس لئے واجب ہوگا کہ دونوں کے اعضا مل گئے۔ اور یہی عورت کے انزال کا سبب ہوتا ہے۔ اور غسل صرف عورت پر واجب ہوگا (کیونکہ وہ بالغہ ہے) لڑکے پر واجب نہ ہوگا۔ البتہ حسنِ اخلاق کی تعلیم کے مدّنظر اسے بھی غسل کا حکم دیا جائے گا۔

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ اپنی مطلّقہ باندی سے وطی کرے تو وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ مقصود تو دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا ہے (اور مولیٰ شوہر نہیں ہے) اگر دوسرا خاوند صرف تحلیل کی شرط کے ساتھ ہی نکاح کرے تو یہ مکروہ ہوگا (مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے : اللہ تعالیٰ کی لعنت حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا گیا دونوں پر ہے۔ اور اس حدیث کا مصداق یہی صورت ہے (کہ بغرضِ حلالہ نکاح کرے)

مسئلہ : اگر دوسرا خاوند مباشرت کے بعد اسے طلاق دے تو وہ پہلے کے لئے حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ نکاحِ صحیح کے ساتھ دخول بھی پایا گیا۔ کیونکہ فاسد شرطوں کے ساتھ نکاح فاسد نہیں ہوتا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس سے نکاح فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ نکاح بشرطِ تحلیل نکاحِ مؤقت یعنی متعہ کی طرح ہے اور نہ ہی وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی کیونکہ یہ دوسرا نکاح فاسد تھا (اور حلّت کے لئے نکاحِ صحیح کا ہونا ضروری ہے)۔

Marfat.com

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نکاح بشرطِ تحلیل درست تو ہو جائے گا مگر عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ شریعت نے جس چیز کو پہلے خاوند کے لئے التوا میں ڈال رکھا تھا شوہرِ ثانی نے اس میں عجلت اور جلد بازی سے کام لیا تو اس (جرم) کی سزا کے طور پر اسے حصولِ مقصود سے روک دیا جائے گا۔ جیسا کہ کوئی شخص مُورث کو قتل کر دے (تو قاتل کو حقِ وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے)۔

مسئلہ: جب مرد آزاد عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے اور عورت عدّت گزار کر دوسرے سے نکاح کر لے۔ پھر طلاق لے کر پہلے خاوند کی طرف لوٹ آئے تو تین طلاقوں کا حق لے کر لوٹے گی۔ اور دوسرا شوہر تین سے کم طلاقوں کو بھی اسی طرح معدوم کر دے گا جیسا کہ وہ تین طلاقوں کو معدوم کر دیتا ہے (تو اب پہلا خاوند پھر تین طلاقوں کا مالک ہوگا) یہ صورت شیخین کے نزدیک ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دوسرا شوہر تین سے کم طلاقوں کو معدوم نہیں کرتا کیونکہ نصِ قرآنی سے یہی ثابت ہے کہ دوسرا شوہر انتہائے حرمت کو معدوم کر دیتا ہے (جو تین طلاقوں سے پیدا ہوتی ہے) لہذا حرمتِ غلیظہ کے ثبوت سے پہلے اختتام و اعدام کے کیا معنی؟

امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَعَنَ اللّٰہُ المحلّل وَالمحلّل لہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو محلل کا نام دیا ہے اور محلل وہی ہو سکتا ہے جو حلّت کو

Marfat.com

ثابت کرے (تو دوسرا شوہر محلّل ہے۔ مطلّقہ خواہ ایک طلاق سے ہو یا دو یا تین سے)

مسئلہ: جب خاوند نے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور بیوی نے کہا کہ میری عدّت پوری ہو چکی ہے، میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا تھا جس نے میرے ساتھ مباشرت کی، پھر مجھے طلاق دے دی اور میری عدّت بھی گزر چکی ہے۔ تو اگر یہ مدّت اتنی طویل ہو جس میں ان باتوں کا ہونا ممکن ہے تو مرد کے لئے اس کی تصدیق کرنا جائز ہے بشرطیکہ شوہر کے غالب گمان میں عورت کی صداقت کا پہلو راجح ہو۔ کیونکہ عورت کی بات یا تو دنیوی معاملہ ہے یا امرِ دینی ہے کیونکہ اس کے ساتھ حلّت کا تعلّق ہے۔ تو ان دونوں صورتوں میں خبرِ واحد مقبول ہو گی۔ اور عورت کا یہ خبر دینا غیر مناسب نہیں۔ جب کہ اس قدر مدّت بھی گزر چکی ہو کہ جس میں ان تمام باتوں کا امکان موجود ہو۔ اس سے کمتر مدّت میں فقہاء کا اختلاف ہے جسے انشاء اللہ باب العدّۃ میں بیان کیا جائے گا۔

ایلاء کا بیان

(۱) مسئلہ: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا: بخدا میں تیرے قریب نہیں جاؤں گا۔ یا یوں کہا کہ بخدا میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں جاؤں گا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ وہ چار ماہ انتظار کریں۔

للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر

Marfat.com

(2) **مسئلہ** : اگر مرد نے چار ماہ کے دوران مباشرت کر لی تو قسم میں حانث (توڑنے والا) ہو جائے گا۔ اور کفارہ ادا کرنا اس پر لازم ہو گا۔ کیونکہ حانث ہونے سے کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ نیز ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ حنث سے قسم ختم ہو گئی۔

(3) **مسئلہ** : اگر چار ماہ تک عورت سے مباشرت نہ کی تو عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔

امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ عورت قاضی کے جُدا کرنے سے جدا ہو گی کیونکہ مرد عورت کے حقِ جماع میں مانع ہے۔ تو قاضی عورت کو نجات دلانے کے لئے مرد کے قائم مقام متصوّر ہو گا، جس طرح کہ شوہر کے مجبوب اور نامرد ہونے کی صورت میں قاضی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے۔

امام شافعی رح کے جواب میں ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کو اس کے حقِ جماع سے محروم کر کے اس پر ظلم کیا۔ پس شریعت نے اسے یہ سزا دی کہ مدتِ مقررہ (یعنی چار ماہ) گزرنے کے بعد مرد سے نعمتِ نکاح زائل کر دی۔ یہی قول حضرت عثمان رض، حضرت علی رض، عبداللہ بن عمر رض، عبداللہ بن عباس رض، عبداللہ بن مسعود رض اور زید بن ثابت رض سے منقول ہے اور ان بزرگوں کی راہ نمائی ہمارے لئے کافی ہے۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ ایلاء جاہلیت میں طلاق کا حکم رکھتا تھا مگر شریعتِ اسلامیہ نے اس کی حد ایک معیّن مدّت کے گزرنے تک مقرر کر دی۔

(4) **مسئلہ** : اگر مرد نے چار ماہ کی قسم کھائی تھی تو (چار ماہ کے بعد) قسم پوری

Marfat.com

ہو گئی۔ کیونکہ قسم اتنی ہی مدت کے ساتھ مؤقت تھی۔ اور اگر مرد نے ہمیشہ کے لئے قسم کھائی ہو تو قسم باقی رہے گی۔ کیونکہ اب قسم مطلق ہے (یعنی اس کے ساتھ وقتِ معین کی کوئی قید نہیں) اور حنث (قسم کا توڑنا) بھی نہیں پایا گیا جس سے کہ قسم ختم ہو جائے۔ البتہ یہ ضرور ہو گا کہ نکاح میں لانے سے پہلے طلاق بار بار واقع نہ ہو گی (یعنی یہ نہیں ہو گا کہ ہر چار ماہ کے بعد ایک طلاق واقع ہوتی جائے۔ کیونکہ نکاح تو پہلی طلاق ہی سے ـــــ جو چار ماہ کے بعد واقع ہو گی ـــــ زائل ہو جائے گا) اور جدائی کے بعد اب عورت کو اس کے حق سے محروم رکھنا (زوج کی طرف سے) نہیں پایا گیا۔

(۷) مسئلہ : اگر مرد نے عورت کے بائنہ ہونے کے بعد رجوع کر لیا اور عورت سے پھر نکاح کر لیا تو ایلاء بھی لوٹ آئے گا۔ پس اگر (چار ماہ کے اندر) اس سے مباشرت کر لی (تو قسم ٹوٹ گئی اور کفارہ لازم آگیا) ورنہ چار ماہ گزرنے کے بعد دوسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ قسم اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے باقی ہے اور دوبارہ نکاح کرنے سے عورت کا حقِ جماع بھی ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے مرد کا ظلم بھی ثابت ہو جائے گا (کہ اس نے عورت کو حق ملنے سے محروم رکھا ہے) نیز اس ایلاء کی مدت نکاح کے وقت سے شمار کی جائے گی۔

(۸) مسئلہ : اگر مرد نے تیسری بار اس عورت سے نکاح کر لیا تو ایلاء پھر لوٹ آئے گا۔ اور مزید چار ماہ گزرنے پر تیسری طلاق واقع ہو جائے گی بشرطیکہ مرد نے عورت سے مباشرت نہ کی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

Marfat.com

اب اگر دوسرے خاوند سے شادی کرنے کے بعد عورت پھر پہلے خاوند سے نکاح کرلے تو اب اس ایلاء کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ ایلاء صرف پہلے ملک کے ساتھ مقید تھا (اور اب پہلا ملک ختم ہوکر از سرِ نو شروع ہوا ہے) اور یہ اختلافی مسئلہ "مسئلۂ تنجیز" کی ایک فرع ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے (یہ مسئلہ باب الایمان فی الطلاق میں مذکور ہوا ہے۔ ہدایہ مجتبائی ص ۳۴۹) البتہ قسم اب بھی باقی ہے کیونکہ وہ مطلق تھی اور ابھی تک حنث (قسم کا ٹوٹنا) بھی واقع نہیں ہوا تھا۔ جب مرد اس عورت سے مباشرت کرے گا تو قسم کا کفارہ دے گا۔ کیونکہ حنث پایا گیا۔

(7) مسئلہ: اگر مرد چار ماہ سے کم مدت کی قسم کھائے تو مُولِی (ایلاء کرنے والا) شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ چار ماہ سے کم مدت میں ایلاء واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ مدت کے اکثر حصہ میں مرد کا عورت سے مباشرت سے رُکنا کسی مانع کے بغیر ہے (لہٰذا ایلاء واقع نہ ہوگا) اور اسی طرح حکمِ طلاق بھی ثابت نہ ہوگا۔ (مثلاً مرد نے ایک ماہ کی قسم کھائی تو باقی تین ماہ میں مباشرت سے کوئی امر مانع نہیں ہے تو حکمِ طلاق کیسے ثابت ہوسکتا ہے)

(8) مسئلہ: اگر مرد ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے: واللہ لااقربك شهرين وشهرين بعد هذين الشهرين۔ (بخدا میں دو ماہ اور ان دو ماہ کے بعد مزید دو ماہ تیرے قریب نہ جاؤں گا) تو مرد ایلاء کرنے والا قرار پائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے کلام میں حرفِ جمع (یعنی واؤ)

Marfat.com

استعمال کیا ہے تو گویا کہ اس نے تمام مدّت ایک ہی لفظ میں جمع کر کے کہہ دی (جیسا کہ چار ماہ کہہ دے)۔

⑨ مسئلہ: (اگر پہلے دن صرف اتنا کہا کہ دو ماہ تک تیرے قریب نہ جاؤں گا۔ اور) پھر ایک روز کا وقفہ کیا۔ اور کہا کہ بخدا پہلے دو ماہ کے بعد مزید دو ماہ بھی قربت نہ کروں گا۔ تو اب اُسے ایلاء کرنے والا نہ مانیں گے کیونکہ قولِ ثانی تو نیا اعلان ہے۔ (پہلے قول کے ساتھ اس کا تعلق نہیں) کیونکہ پہلی قسم کے بعد اس کے لئے عورت سے دو ماہ کی مباشرت منع ہو گئی تھی اور دوسری قسم سے چار ماہ کے لئے مباشرت منع ہو گئی، سوائے ایک دن کے جس میں وہ خاموش رہا۔ تو مدّتِ منع (یعنی چار ماہ) مکمل نہ ہو سکی۔

⑩ مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا: "واللہ لا اقربک سنۃ الا یوماً" (بخدا میں ایک سال تک تیرے نزدیک نہیں جاؤں گا سوائے ایک دن کے) تو ایلاء کرنے والا شمار نہ ہوگا۔ بخلاف امام زفرؒ کے۔ وہ ایک دن کے استثناء کو سال کے آخر سے جا ملاتے ہیں اور اس کا قیاس "اجارے" کے مسئلے پر کرتے ہیں (جیسے کوئی کہے کہ میں نے یہ مکان ایک دن کم سال کے لئے کرایہ پر دیا تو اس دن کا تعلق سال کے اختتام سے ہوگا) اس لئے مدّتِ ممنوعہ (یعنی چار ماہ) پوری ہو جائیگی (اور ایلاء واقع ہو جائے گا)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کے اپنے اوپر لازم کئے بغیر (یعنی کفّارہ وغیرہ) چار ماہ تک عورت کے قریب نہ جا سکے۔ اور اس صورت میں مرد کے لئے (بغیر کسی شے کے لازم کئے) عورت سے مباشرت

Marfat.com

کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ مستثنٰی کوئی مقرر نہیں، بلکہ عام ہے (تو جس دن بھی وطی کرے وہی دن مستثنٰی قرار دیا جا سکتا ہے)۔ بخلاف اجارہ کے۔ کیونکہ اجارہ میں یوم کو آخرِ سال کی طرف اس لئے منسوب کیا جاتا ہے کہ معاہدۂ اجارہ صحیح ہو جائے۔ اگر اجارہ میں دن کو نکرہ (غیر معیّن) مانا جائے تو عقدِ اجارہ قطعاً صحیح نہ ہوگا۔ مگر قسم کی یہ صورت نہیں (بلکہ دن غیر مقرر ہوتے ہوئے بھی قسم درست ہو سکتی ہے)۔

(۱۱) **مسئلہ**: اگر مرد نے مذکورہ صورت میں کسی دن عورت سے مباشرت کر لی اور باقی مدت چار ماہ یا اس سے زائد رہ جاتی ہے تو ایلاء کرنے والا ہو جائے گا کیونکہ اب استثناء ساقط ہو چکا ہے۔

(۱۲) **مسئلہ**: اگر مرد بصرہ میں تھا اور اس نے کہا: بخدا میں کوفہ میں ہرگز داخل نہ ہوں گا۔ اور اس کی عورت بھی کوفہ میں تھی تو (اس قسم سے) وہ ایلاء کرنے والا ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے اپنے اوپر کوئی شے لازم کئے بغیر عورت کو کوفہ سے باہر لے جا کر مباشرت کرنا ممکن ہے۔

(۱۳) **مسئلہ**: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرد نے حج یا روزہ یا صدقہ یا (غلام) آزاد کرنے یا طلاق دینے کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا (مثلاً بیوی سے کہے کہ اگر تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج لازم ہوگا، یا ایک ماہ کے روزے لازم ہوں گے وغیرہ) کیونکہ مباشرت سے باز رہنا قسم کی وجہ سے ہے۔ اور یہی شرط و جزا کا بیان کرنا ہی قسم کہلاتا ہے۔ اور جزا کی یہ صورتیں مرد کے لئے قربت یعنی جماع سے مانع ہیں۔ کیونکہ ان کو پورا کرنے

Marfat.com

میں مشقت اور تکلیف ہے۔ (یعنی اسے حج کے اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے یا روزے رکھنا ہوں گے) اور عتق کے ساتھ قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ عورت سے مباشرت کے ساتھ غلام کا آزاد ہونا معلّق کر لے۔

اس مسئلے میں امام ابو یوسف رح کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے ممکن ہے کہ غلام کو بیچ دے اور پھر عورت سے قربت کرے۔ اس صورت میں اس کے ذمے کچھ لازم نہ ہوگا۔ مگر طرفین کہتے ہیں کہ فروختگی ایک امر موہوم ہے (یعنی ہو سکتا ہے کہ غلام بک سکے یا نہ بک سکے) لہٰذا وہ اس بارے میں قربت سے مانع ہوگی (اور قربت سے مانع ہونا ہی ایلاء ہوتا ہے کیونکہ ایلاء بھی جماع سے مانع ہوتا ہے) اور طلاق کے ساتھ قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ مرد اس کی طلاق کو یا اس کی سوت کی طلاق کو مباشرت کے ساتھ معلّق کرے اور یہ دونوں باتیں قربت سے مانع ہیں (لہٰذا ایلاء ہو جائے گا۔)

(۱۱) مسئلہ: اگر مرد ایسی عورت سے ایلاء کرے جسے رجعی طلاق دی گئی ہے تو مرد کو ایلاء کرنے والا شمار کیا جائے گا۔ لیکن اگر مطلّقہ بائنہ سے ایلاء کرے تو ایلاء ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں رشتۂ زوجیّت قائم ہے اور دوسری میں نہیں۔ کیونکہ نصِ قرآنی سے یہ ثابت ہے کہ ایلاء صرف بیویوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر مدّتِ ایلاء کے گزرنے سے پہلے عدت ختم ہو گئی تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ایلاء کا محل ہی نہ رہا۔

(۱۲) مسئلہ: اگر مرد نے کسی اجنبی عورت سے کہا: بخدا میں تجھ سے قربت

Marfat.com

نہیں کروں گا یا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے - پھر اس سے نکاح کر لیا تو مرد نہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا اور نہ ہی ظہار کرنے والا - کیونکہ ایسا قول اپنے آغاز ہی میں باطل ہوگیا - اور اجنبی عورت (ایلاء یا ظہار کا محل ہی نہیں تھی - لہٰذا اس کے بعد ایسا قول پلٹ کر صحیح نہیں ہو سکتا (کہ نکاح کرنے کے بعد اسے صحیح قرار دیں اور ایلاء یا ظہار کا حکم لگا دیں) -

البتہ جب مرد نے عورت سے مباشرت کر لی تو اسے کفارہ دینا پڑے گا کیونکہ قسم کا توڑنا پایا گیا - اور مرد کے حق میں قسم تو بہرحال منعقد ہو ہی چکی ہے -

مسئلہ : باندی کی مدتِ ایلاء دو ماہ ہے کیونکہ چار ماہ کی مدّت تو بائن ہونے کے لئے مقرر کی گئی تھی، لیکن اس کے باندی ہونے کی وجہ سے یہ مدت آدھی ہو گئی جس طرح کہ عدّت کی مدّت (نصف ہو جاتی ہے) -

مسئلہ : اگر ایلاء کرنے والا مرد اس قدر بیمار ہے کہ بیوی سے مباشرت کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا یا عورت ہی بیمار ہو یا پیدائشی طور پر اس کے اعضاء جڑواں ہوں (جس سے مباشرت ممکن نہیں) یا اتنی کمسن ہو کہ اس سے مباشرت نہ ہو سکے - یا میاں بیوی دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ مدّتِ ایلاء کے ختم ہونے سے پہلے پہلے وہاں پہنچ نہیں سکتا - (اور مرد رجوع بھی کرنا چاہتا ہے) تو رجوع کا طریقہ یہ ہے کہ مرد مدّتِ ایلاء کے اندر اندر یہ کہہ دے کہ میں نے مدّتِ ایلاء کے اندر اندر اپنی بیوی کی طرف رجوع کیا - چنانچہ اگر مرد نے یہ الفاظ کہہ دیئے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا -

Marfat.com

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مباشرت کے بغیر رجوع نہیں ہو سکتا اور امام طحاویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ کیونکہ اگر یہ زبانی کہنا رجوع ہوتا تو حنث یعنی قسم توڑنا بھی ثابت ہو جاتا ہے (حالانکہ زبانی رجوع سے کفارہ واجب نہیں ہوتا جب تک جماع نہ کرے)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے جماع سے رُکنے کا ذکر کر کے ہی عورت کو تکلیف و ایذا دی تھی۔ تو اب عورت کو راضی کرنا بھی اسی طرح ہو گا کہ اس کے ساتھ زبان سے وعدہ کر لے۔ نیز جب ظلم کا ازالہ ہو گیا تو اسے طلاق کی سزا نہ دی جائے گی۔ (یعنی مرد اگر بیمار ہے اور جماع پر قادر نہیں تو اب زبانی رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اس نے زبان ہی سے ایلاء کے الفاظ کہہ کر اسے پریشان کیا تھا اور اب زبان ہی سے راضی کر لیا)۔

مسئلہ : البتہ اگر (زبانی رجوع کے بعد) مدتِ ایلاء میں جماع پر قادر ہو جائے تو زبانی رجوع باطل ہو جائے گا اور اس کا رجوع جماع ہی سے ہو سکے گا۔ کیونکہ وہ اصل رجوع یعنی جماع پر قادر ہو چکا ہے۔ پیشتر اس کے کہ وہ اس کے نائب یعنی زبانی اقرار سے اپنے مقصد کو حاصل کر لے۔

مسئلہ : اگر خاوند نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو مرد سے اس کی نیّت کے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ ان الفاظ سے تمہارا مقصد کیا تھا) اگر کہے کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا تھا تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسا کہ وہ کہتا ہے کیونکہ اس نے کلام کے حقیقی معنی مراد لئے۔ بعض فقہا کا کہنا ہے کہ عدالت میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ الفاظ ظاہر طور پر قسم پر دلالت

Marfat.com

کرتے ہیں۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیّت کی تھی تو ایک بائن طلاق ہو جائے گی۔ ہاں مگر تین کی نیّت کرے (تو تین واقع ہونگی)۔ اس کی تفصیل کنایات میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ: اگر خاوند نے کہا کہ ان الفاظ سے میں نے ظہار مراد لیا تھا تو ظہار ہی کا حکم لگایا جائے گا۔ ظہار کے قائل شیخین ہیں۔ مگر امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ظہار نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان الفاظ میں محرمات کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں ہے جب کہ تشبیہ کا ہونا ظہار میں رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مرد نے مطلقاً حرام کہا اور ظہار بھی ایک قسم کی حرمت ہوتی ہے اور مطلق میں مقیّد کا احتمال ہوتا ہے (لہذا مطلق حرام سے ظہار والی حرمت بھی مراد لی جا سکتی ہے)۔

مسئلہ: اگر خاوند کہے کہ میں نے صرف تحریم مراد لی تھی یا میں نے اس کے ساتھ کسی چیز کا بھی ارادہ نہیں کیا تھا۔ تو مرد کا یہ قول قسم شمار ہوگا اور مرد ایلاء کرنے والا قرار پائے گا۔ کیونکہ حلال چیز کو حرام کرنا ہی ہمارے نزدیک اصل میں قسم ہوتا ہے۔ اور ہم انشاء اللہ باب الایمان میں اس کا ذکر کریں گے۔ اور بعض مشائخ لفظ تحریم کو جب کہ اس کے ساتھ کوئی نیت نہ ہو، طلاق شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ عرف میں اسی طرح مراد لیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

Marfat.com

خُلع کا بیان

مسئلہ: جب میاں بیوی میں باہم جھگڑا ہو جائے اور دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت کچھ مال دے کر مرد سے گلو خلاصی کرالے۔ اور مرد اس مال کے بدلے خُلع دے دے۔ بمطابق ارشادِ خداوندی فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ۔ کہ میاں بیوی دونوں پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت مرد کو کچھ دے کر اپنی گلو خلاصی کرالے۔

مسئلہ: جب مرد نے ایسا کر لیا تو خُلع سے ایک بائن طلاق واقع ہو گی اور عورت کے ذمّے مال ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلع طلاق بائن ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خلع میں طلاق کا احتمال ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خلع کے لفظ سے کنایہ مراد لیا جا سکتا ہے اور کنایے سے ہمیشہ بائن طلاق واقع ہوتی ہے۔ (ہاں کنایاتِ طلاق میں نیّت بھی ضروری ہے) مگر خلع میں مال کا ذکر کر دینے سے نیّت کی ضرورت نہیں رہتی۔

تیسری بات یہ ہے کہ عورت صرف اسی مقصد کے لئے اپنے ذمّے مال واجب کرتی ہے کہ اس کی ذات اس کے قبضہ میں ہو جائے۔ اور یہ جبھی ہو سکتا ہے جب وہ بائن ہو جائے۔

مسئلہ: اگر نفرت و مخالفت مرد کی جانب سے ہو تو اسے عورت سے عوض

Marfat.com

میں مال لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہتے ہو، اگرچہ تم پہلی کو ڈھیر کے برابر (مال) بھی دے چکے ہو تو اس سے کچھ نہ لو۔ کیونکہ مرد نے اُسے چھوڑ کر دوسری بیوی لانے کی وجہ سے عورت کو پریشان کردیا ہے۔ تو اب اس سے مال لے کر اس کی پریشانیوں میں مزید اضافہ نہ کرے۔

مسئلہ : اگر نفرت عورت کی جانب سے ہو تو بھی ہمارے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ مرد اس مال سے زیادہ عورت سے وصول کرے جتنا اس نے عورت کو دیا ہے۔ جامع الصغیر کی ایک روایت میں ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ مذکورہ بالا آیت مطلق بیان ہے (یعنی "فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ" میں اضافے وغیرہ کے نہ لینے کی کوئی شرط نہیں ہے) اور دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آپؐ نے ثابت بن قیس بن شماس کی عورت کے متعلق فرمایا کہ اس میں کوئی زیادتی مناسب نہیں۔ کیونکہ نفرت و مخاصمت اسی کی طرف سے تھی۔ (تاہم ایسا لینا فقط مباح ہے)۔

مسئلہ : اگر مرد نے مہر سے زیادہ لے لیا تو قانوناً جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر نشوز بھی مرد کی طرف سے ہو تو بھی اضافے کو قانوناً جائز قرار دیں گے کیونکہ جو آیت ہم نے پیش کی ہے دو چیزوں کا تقاضا کرتی ہے : ایک تو حکماً جائز ہونا اور دوسرا مباح ہونا۔ تو معاوضہ کی بناء پر اباحت والا عمل ترک کردیا جائے گا اور باقی آیت پر عمل برقرار رہے گا۔ (یعنی فلا جناح فیما افتدت بہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ لینے میں کوئی گناہ نہیں مباح ہے۔ مگر فلا تاخذو

Marfat.com

منہ شیئاً سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیا جائے تو دیانۃً اباحت کو ترک کر دیں گے اور قضاءً جواز باقی رکھیں گے)۔

مسئلہ: اگر مرد نے مال کے عوض طلاق دی (مثلاً عورت سے کہا انت طالق بالف درھم) اور عورت نے قبول کر لی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے ذمے مال لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ شوہر کو فی الحال (یعنی اس وقت) یا معلّق طلاق دینے کا مستقلاً اختیار ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں اس نے طلاق کو عورت کی قبولیت سے معلّق کیا ہے۔ ادھر عورت چونکہ اپنے آپ پر اختیار رکھتی ہے تو اسے اپنے ذمے مال لازم کرنے کا بھی اختیار ہے۔ اور ملکِ نکاح ایک ایسی چیز ہے جس سے عوض لینا مباح ہے اگرچہ وہ مال نہ ہو۔ جیسے قصاص (کہ قصاص) اگرچہ مال نہیں مگر قصاص کے عوض مال یعنی دیت لی جا سکتی ہے۔ (اسی طرح اگر عورت نے مال کے عوض طلاق لے کر اپنی آزادی حاصل کر لی تو جائز ہوگا)۔

مسئلہ: مذکورہ بالا مسئلے میں طلاق بائن ہو گی۔ اس کے متعلق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ نیز یہ صورت (خُلع) مال کے عوض گلو خلاصی کرانا ہوتا ہے۔ تو جب مرد ایک بدل (یعنی مال) کا مالک بن جاتا ہے تو دوسرے بدل یعنی نفس کی مالکہ عورت ہو جائے گی تاکہ دونوں میں مساوات ثابت ہو۔

مسئلہ: امام قدوری رحؒ نے فرمایا کہ اگر خلع میں عوض از قسم باطل ہو مثلاً مسلمان آدمی شراب یا خنزیر یا مردار کے عوض خلع کرے تو خاوند کو کچھ نہ ملے گا اور طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر طلاق میں عوض باطل ہو تو

Marfat.com

طلاق رجعی واقع ہو گی۔ (مثلاً مرد نے عورت سے کہا کہ میں ایک مَن شراب کے عوض تجھ سے خلع کرتا ہوں۔ عورت نے قبول کر لیا تو طلاق بائنہ واقع ہو جائیگی اور مسلمان مرد کو کچھ نہ ملے گا۔ لیکن اگر عورت سے کہا کہ میں ایک مَن شراب کے عوض تجھے طلاق دیتا ہوں اور عورت نے قبول کر لیا تو عوض تو باطل ہو جائے گا لیکن طلاق رجعی واقع ہو جائے گی)۔ البتہ دونوں صورتوں میں طلاق کا واقع ہونا عورت کے قبول کرنے پر منحصر ہوتا ہے (یعنی اگر عورت پیش کش قبول کر لے تو طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں) دونوں طلاقوں کی نوعیت میں اختلاف (کہ ایک صورت میں بائن ہوتی ہے اور دوسری میں رجعی) اس لئے ہے کہ جب معاوضہ باطل ٹھہرا تو پہلی صورت میں عمل کرنے والا لفظِ خُلع ہے اور یہ کنایہ ہے (کنایات سے واقع ہونے والی طلاق بائن ہوتی ہے) اور دوسری صورت میں (طلاق کا) لفظ صریح عامل ہے اور لفظِ صریح سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ نیز عورت کے ذمے کوئی چیز واجب نہ ہو گی کہ وہ شوہر کو ادا کرے۔ کیونکہ عورت نے کسی باقیمت مال کا نام نہیں لیا تھا کہ اسے مرد کے حق میں دھوکہ باز کہا جائے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت نے معاوضے کے لئے جس چیز کا نام لیا ہے وہ اسلام کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں ہو سکتی اور مذکور چیز کے علاوہ کوئی دوسری چیز بھی عورت کے ذمّے لازم نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ عورت نے کسی اور چیز کا ذمّہ نہیں لیا۔ البتہ جب شوہر نے کسی معین سرکے (کے مٹکے) کے عوض خلع کیا۔ اور بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ تو شراب ہے (تو اس صورت میں اتنی مقدار میں سرکہ دینا لازم ہو گا) کیونکہ عورت نے مال کا تعیّن کیا تھا۔ لہٰذا اس طرح شوہر

Marfat.com

دھوکے میں آگیا۔ البتہ جب کوئی شخص اپنے غلام کو شراب کے عوض آزاد کرے یا مکاتب بنائے تو اس صورت میں مالک غلام کی قیمت وصول کرے گا (کیونکہ مسلمان ہونے کی بنا پر وہ شراب نہیں لے سکتا) کیونکہ مولیٰ کی ملکیت باقیمت چیز ہے اور وہ اس مِلک کو مفت میں زائل کرنے پر رضامند نہیں ہوا۔ رہا عورت سے تمتّع کا حق رکھنا تو وہ طلاق سے خارج ہونے کی صورت میں باقیمت مال نہیں رہتا۔ اس کی تفصیل ہم عنقریب بیان کریں گے۔ بخلاف شراب کے عوض نکاح کرنے کے (کیونکہ وہاں مہر لازم آتا ہے) اور عورت سے تمتّع کا حق رکھنا باقیمت شمار کیا جاتا ہے۔

اس میں راز یہ ہے کہ عورت سے تمتّع قابل احترام ہے اور شریعتِ اسلامیہ نے بغیر عوض کے اس کا مالک بننا روا نہیں رکھا تاکہ اس کے شرف واحترام کا اظہار ہو سکے۔ رہا شوہر کے عورت سے تمتّع کے حق کو زائل کرنا تو وہ بھی از خود قابلِ احترام ہے۔ لہٰذا مال واجب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں جو چیز مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ خلع میں بطور معاوضہ بھی قبول کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جو چیز باقیمت حقِ تمتع کا عوض بن سکتی ہے وہ بدرجہ اولیٰ اس چیز کا عوض بھی بن سکتی ہے جو باقیمت نہ ہو (یعنی شوہر کے حقِ تمتع زائل کرنے کا عوض بھی بدرجہ اولیٰ بن سکتی ہے)۔

مسئلہ: اگر بیوی نے شوہر سے کہا کہ جو چیز میرے ہاتھ میں ہے اس

Marfat.com

کے عوض مجھ سے خلع کر لو۔ مرد نے تسلیم کر لیا لیکن عورت کے ہاتھ سے کچھ نہ نکلا تو اس کے ذمے کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ عورت نے متعین مال کا نام لے کر مرد کو دھوکا نہیں دیا۔

مسئلہ: اگر بیوی نے شوہر سے کہا کہ جو مال میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر لو۔ مرد نے تسلیم کر لیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت کو اپنا مہر مرد کو واپس کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جب عورت نے مال کا نام لیا تو معلوم ہوا کہ شوہر عوض کے بغیر اپنے ملک کو زائل کرنے پر رضامند نہ تھا۔ اور عورت نے جس عوض کا نام لیا ہے نہ تو اس کے لازم کرنے کی کوئی صورت ہے اور نہ اس کی قیمت ہی لازم کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ وہ تو معلوم ہی نہیں اور عورت پر حقِ تمتع کا معاوضہ یعنی مہر مثل بھی لازم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ملک کے ازالے پر حقِ تمتع یا قیمت متصور نہیں ہوتا۔ تو صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی کہ جتنا کچھ مرد نے ادا کیا تھا (یعنی مہر) وہی عورت پر واجب کر دیا جائے تاکہ شوہر کے نقصان کا ازالہ ہو سکے۔

مسئلہ: اگر کسی عورت نے شوہر سے کہا کہ میرے ہاتھ میں جو درہم ہیں (مِن دراھم کا لفظ استعمال کرے یا مِن الدراھم) ان کے عوض مجھ سے خلع کر لے۔ شوہر نے خلع کر لیا لیکن عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت کو تین درہم دینے پڑیں گے۔ کیونکہ عورت نے اپنے قول میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور جمع میں کم از کم تین فرد ہوتے ہیں۔ اور کلمہ مِنْ اس کلام میں بیانیہ ہے، بعضیہ نہیں۔ کیونکہ مِنْ کے بغیر کلام میں خلل واقع ہوتا ہے (اور یہ قانون

Marfat.com

ہے کہ جس کلام میں من کے نکال لینے سے خلل واقع ہو، وہاں من بیانیہ ہوتا ہے نہ کہ تبعیضیہ)۔

مسئلہ: اگر عورت نے ایسے غلام پر خلع کیا جو بھاگا ہوا ہے اور عورت یہ شرط بھی لگا دے کہ اس غلام کی مجھ پر کوئی ضمانت نہ ہوگی (تو عورت کی یہ شرط باطل ہے اور) وہ ضمانت سے بری نہ ہوگی۔ نیز اگر غلام اس کے ہاتھ لگ گیا تو عورت کو وہی غلام ادا کرنا پڑے گا ورنہ متعذر ہونے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کیونکہ خلع باہمی معاوضے کا معاملہ ہے اور اس کا تقاضا یہی ہے کہ جو شے معاوضہ ٹھہرائی گئی ہے اسے سپرد کیا جائے اور عورت کے اپنے آپ کو غلام کی ضمانت سے بری کرنے کی شرط فاسد ہے لہٰذا باطل ہوگی۔ لیکن خلع فاسد شرطوں سے باطل نہیں ہوتا اور نکاح میں بھی یہی صورت ہوتی ہے (کہ اگر مرد بھاگے ہوئے غلام کو مہر ٹھہرائے اور اپنے آپ کو اس کی ضمانت سے بری قرار دے تو بری نہ ہوگا۔ نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن اسے غلام یا قیمت ادا کرنا پڑے گی)۔

مسئلہ: اگر عورت نے شوہر سے کہا کہ مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دے دو۔ لیکن مرد نے صرف ایک طلاق دی تو عورت پر ہزار کی ایک تہائی واجب ہوگی۔ کیونکہ جب عورت نے ہزار کے عوض تین طلاقوں کا مطالبہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ہر طلاق ہزار کے ایک تہائی حصے کے عوض مانگی۔ اور یہ ثابت ہے کیونکہ حرف "ب" معاوضے کے لئے آتا ہے اور عوض اپنے متبادل پر تقسیم ہو جاتا ہے (اسی طرح ہزار درہم اپنے معوّض یعنی تین طلاقوں

Marfat.com

پر تقسیم ہو جائیں گے) اور یہ طلاق بائن ہو گی کیونکہ اس کے عوض میں مال واجب ہوا ہے۔

مسئلہ: اگر عورت نے کہا کہ مجھے ایک ہزار پر تین طلاقیں دے دو۔ مرد نے ایک طلاق دے دی (تو یہ طلاق تو رجعی واقع ہو ہی جائے گی لیکن) امام اعظم رح کے نزدیک عورت پر کچھ واجب نہ ہو گا۔ اور مرد طلاق سے رجوع کرنے کا مالک ہو گا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک بائن واقع ہو جائے گی اور عورت کو ہزار کا تہائی ادا کرنا پڑے گا۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حرف "علیٰ" بھی معاوضہ کے معاملات میں حرف "ب" کی طرح ہوتا ہے۔ کیونکہ "ب" اور "علیٰ" کو لوگ ایک ہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ چیز ایک درہم کے عوض اٹھالے یا ایک درہم پر اٹھالے تو دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

امام اعظم رح کی دلیل یہ ہے کہ حرف "علیٰ" شرط کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے یبا یعنك علیٰ ان لا یشرکن باللّٰہ شیئاً۔ یعنی یہ عورتیں آپ سے اس شرط پر بیعت کریں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی۔ اسی طرح جو شخص اپنی عورت سے کہے "انت طالق علیٰ ان تدخل الدار" (یعنی تجھے طلاق ہے بشرطیکہ تو گھر میں داخل ہو) تو یہاں بھی "علیٰ" استعمال شرط کے لئے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف "علیٰ" درحقیقت لزوم کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن استعارۃً اسے شرط کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ شرط اپنی جزا کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کلمہ "علیٰ" شرط کے لئے ہے تو مشروط اپنی شرط کے اجزا پر تقسیم نہیں

Marfat.com

ہوا کرتا بخلاف "ب" کے۔ کیونکہ وہ تو عوض کے لئے ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور جب مال واجب نہ ہوا تو شوہر کی طرف سے یہ ابتدائی طلاق ہوگی اور اسے رجوع کرنے کا اختیار ہوگا۔

مسئلہ : اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو بعوض ایک ہزار کے یا ہزار پر تین طلاقیں دے سکتی ہے۔ مگر عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ شوہر اسے بائنہ کرنے پر اسی وقت رضامند ہو سکتا ہے جب کہ اسے پورے ایک ہزار وصول ہوں۔ بخلاف اس کے جب عورت درخواست کرے کہ مجھے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں دے دے (اور مرد ایک دے تو یہ واقع ہو جائے گی) کیونکہ عورت جب ہزار درہم کے عوض بائنہ ہونے پر رضامند ہے تو ہزار کے بعض حصے یعنی ایک تہائی پر بائنہ ہونے میں بدرجہ اولیٰ راضی ہوگی۔

مسئلہ : اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے ہزار درہم پر طلاق ہے۔ اور عورت نے یہ پیش کش منظور کر لی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اسے ہزار درہم ادا کرنے ہوں گے۔ اور اس مسئلے کی صورت وہی ہے جیسا کہ اسے یوں کہے کہ تجھے بعوض ہزار درہم کے طلاق ہے۔ "علی الف" یا "بالف" دونوں صورتوں میں عورت کا قبول کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ "بالف" سے مراد یہ ہے کہ بعوض ایک ہزار کے جو میری طرف سے تجھ پر واجب ہوں گے۔ اور "ہزار پر" سے مراد یہ ہے کہ ایسے ہزار کی شرط پر جو کہ میری طرف سے تجھ پر لازم ہونگے۔ اور (دوسرے فریق) کے قبول کئے بغیر عوض واجب نہیں ہو سکتا۔ اور

Marfat.com

جس چیز کے ساتھ شرط لگا دی جائے تو وہ اسی وقت لازم ہوتی ہے جب کہ شرط پائی جائے۔ نیز یہ طلاق بائن ہو گی۔ اس کی دلیل پہلے مذکور ہو چکی ہے۔ (کیونکہ یہ طلاق معاوضہ کی وجہ سے واقع ہو رہی ہے تو بائن ہو گی تاکہ مرد کو مال اور عورت کو اپنی ذات پر کامل اختیار حاصل ہو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلع سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے)۔

مسئلہ : اگر شوہر نے بیوی سے کہا "انت طالق و علیک الف" یعنی تجھے طلاق ہے اور تجھ پر ہزار (درہم) ہیں۔ عورت نے پیشکش قبول کر لی۔ یا اپنے غلام سے کہا: "انت حرٌّ و علیک الفٌ" غلام نے اس بات کو تسلیم کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور (پہلی صورت میں) عورت پر بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک غلام اور عورت پر کچھ بھی ادا کرنا واجب نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر دونوں قبول نہ بھی کریں (تو بھی طلاق و عتاق واقع ہو جائے گا اور انھیں کچھ نہ دینا پڑے گا)۔

صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ پیش کش کو قبول کر لیں تو انھیں ہزار ہزار دینا پڑے گا اور اگر قبول نہ کریں تو نہ طلاق واقع ہو گی اور نہ عتاق۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام "و علیک الف" معاوضے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ اس سامان کو اٹھا کے لے چل اور تیرے لئے ایک درہم ہے۔ بمنزلہ اس قول کے ہو گا کہ یہ سامان بعوض ایک درہم کے اٹھا کے لے چل۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ "علیک الف" مکمل جملہ ہے لہٰذا جب تک ہمارے پاس کوئی دلیل نہ ہو اسے ماقبل سے مربوط نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جملے

Marfat.com

کی اصلی خصوصیت یہی ہے کہ وہ مستقل ہو اور مذکورہ صورت میں ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل موجود نہیں) جس کی بنا، پر اسے ماقبل سے مربوط مانا جائے) اور طلاق وعتاق کا وقوع مال کے بغیر بھی ممکن ہے۔ البتہ بیع اور اجارے کی صُورت اس سے قطعاً مختلف ہے کیونکہ یہ دونوں بغیر مال کے نہیں پائے جاسکتے (اور تمہاری پیش کردہ مثال میں کہ یہ سامان اُٹھاکرلے چل اور تجھے ایک درہم ملے گا۔ یہ درہم کرائے کا ہے لہٰذا اس میں "وَلَکَ دِرْھَمٌ" ماقبل سے مربوط ہوگا)۔

مسئلہ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے ہزار درہم پر طلاق ہے بشرطیکہ تین دن تک مجھے اختیار حاصل ہے یا تجھے اختیار حاصل ہے۔ عورت نے منظور کرلیا۔ پس اگر شوہر نے اختیار اپنے لئے رکھا ہو تو باطل ہوگا (اور عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی) اور اگر یہ خیار عورت کے لئے ہو تو جائز ہے۔ اگر عورت نے تین دن کے اندر اختیار واپس کر دیا تو طلاق باطل ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس نے اختیار واپس نہ کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور ہزار درہم کی ادائیگی عورت پر واجب ہوگی۔ یہ صورتیں امام اعظمؒ کے نزدیک ہیں۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں (یعنی جب اختیار مرد کے لئے ہو یا عورت کے لئے) اختیار (والی شرط) باطل ہے۔ طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کو ہزار درہم ادا کرنے ہوں گے۔ کیونکہ اختیار تو معاملے کے منعقد ہونے کے بعد اسے رد کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ معاملے کے انعقاد میں خیار کا

Marfat.com

کوئی دخل نہیں ہوتا۔ (جیساکہ بیع بالخیار کا انعقاد جائز ہوتا ہے) اور اس صورت میں شوہر کا پیشکش کرنا اور عورت کا قبول کرنا دونوں تصرّف ایسے نہیں ہیں کہ ٹوٹ سکیں۔ کیونکہ شوہر کی طرف سے خُلع کرنا یمین ہے (اس لئے کہ اس کے کلام میں شرط و جزا موجود ہے) اور زوجہ کی طرف سے قبول کرنا شرط ہے (اور یہ قابلِ فسخ امور نہیں ہیں)۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع عورت کی طرف سے بمنزلہ بیع کے ہے۔ حتیٰ کہ وہ رجوع بھی کر سکتی ہے (یعنی اگر عورت مرد سے کہے کہ ایک ہزار کے عوض طلاق دے دو تو مرد کے قبول کرنے سے پہلے پہلے عورت رجوع کر سکتی ہے) اور مجلس خُلع کے بعد اس کا توقّف نہیں ہوتا (یعنی اگر عورت خُلع کا ایجاب کرے اور مرد اس مجلس میں نہ ہو۔ بلکہ اسے دوسری مجلس میں پتہ چلے تو اب مرد کو قبول کرنے کا حق نہ ہوگا اور خلع باطل ہو جائے گا) تو خلع میں خیار کی شرط لگانا درست ہوگا۔ رہا شوہر کی جانب تو خُلع قسم ہے حتیٰ کہ شوہر ایک دفعہ پیش کش کرنے کے بعد رجوع نہیں کر سکتا۔ اور مجلس کے بعد تک متوقّف ہوتا ہے (یعنی اگر مرد خُلع کی پیشکش کرے اور عورت اس محفل میں موجود نہ ہو۔ اسے دوسری مجلس میں علم ہو تو پھر بھی اس پیشکش کو قبول کر سکتی ہے) اور قسم میں خیار جائز نہیں ہے (یمین سے مراد تصرّف لازم ہے جس سے رجوع نہ ہو سکے) جو صورت عورت کی طلاق میں ہے وہی غلام کے عتاق میں ہو گی (یعنی غلام کی طرف سے درخواست بمنزلہ بیع ہو گی اور مالک کی طرف سے یمین یعنی تصرّف لازم۔ مالک کے قبول سے پہلے غلام کو

Marfat.com

رجوع کا اختیار ہوگا مگر مالک کو رجوع کا اختیار حاصل نہ ہوگا)۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے ہزار درہم پر کل تجھے طلاق دے دی تھی لیکن تو نے قبول نہیں کیا تھا۔ بیوی کہنے لگی میں نے قبول کر لیا تھا۔ تو شوہر کی بات تسلیم کی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے یہ غلام ہزار درہم کے عوض کل تیرے پاس فروخت کر دیا تھا لیکن تو نے قبول نہیں کیا۔ مگر دوسرے نے کہا: نہیں میں نے تو قبول کر لیا تھا۔ تو خریدار کی بات مانی جائے گی۔ ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ مال کے عوض میں طلاق دینا مرد کی طرف سے یمین (شرطیہ قسم) ہے۔ تو قسم کا اقرار کرنا شرط کے پائے جانے کا اقرار نہیں ہوگا۔ کیونکہ قسم تو وجودِ شرط کے بغیر بھی صحیح ہو سکتی ہے لیکن بیع قبول کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ جب بائع نے بیع کے واقع ہونے کا اقرار کیا تو ایسی چیز کا اقرار بھی کیا جس کے بغیر بیع مکمل نہیں ہوتی (یعنی قبول کا قول)، تو اب مشتری کے قبول سے انکار کرنا اپنے اقرار سے انکار ہے۔ (یہ تو تھا ہدایہ کی عبارت کا ترجمہ۔ اس کی توضیح آسان الفاظ میں یہ ہے کہ طلاق کو ہزار درہم کے عوض قبول سے معلق کرنا یمین ہے اور عورت کا قبول کرنا شرط ہے۔ تو شوہر کہتا ہے کہ تم نے یمین کو قبول نہیں کیا، یعنی تو نے شرط پوری نہیں کی کہ خلع ہو جائے۔ لیکن عورت کہتی ہے کہ میں نے قبول کر لیا تھا۔ تو بات مرد کی مانی جائے گی کیونکہ یمین تو شرط کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ لیکن جب بائع نے مشتری سے کہا کہ کل بیع ہو چکی تھی یعنی ایجاب و قبول مکمل ہو چکا تھا

Marfat.com

لیکن اب بائع اقرار کردہ چیز یعنی قبول سے انکار کرکے بیع سے رجوع کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے بائع کی بات تسلیم نہ کی جائے گی)۔

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ زوج و زوجہ کا باہم ایک دوسرے کو بری قرار دینا بھی خُلع کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مبارات اور خُلع دونوں میں ہر ایک زوج و زوجہ کے نکاح سے قائم شدہ ازدواجی حقوق کو زائل کر دیتا ہے۔ یہ صورت امام اعظمؒ کے نزدیک ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مبارات اور خُلع دونوں سے نکاح کا ہر حق زائل نہیں ہوتا، بلکہ جس قدر حقوق دونوں متعین کریں۔ امام ابویوسفؒ خُلع کے مسئلے میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں مگر مبارات کی صورت میں ابوحنیفہؒ سے اتفاق رکھتے ہیں۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ خُلع و مبارات میں سے ہر ایک معاوضہ ہے اور سب معاوضات میں فقط مشروط کا اعتبار کیا جاتا ہے دوسرے امور کا نہیں۔

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ مبارات کا اشتقاق براءۃ سے ہوا ہے اور یہ بات مفاعلہ ہے۔ جس کے معنی ہیں جانبین کا ایک دوسرے سے بری ہونا (تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر بیوی کے حقوق سے بری ہو جائے اور بیوی شوہر کے حقوق سے) لیکن براءۃ کا کلمہ مطلق تھا۔ ہم نے اسے حقوقِ نکاح کے ساتھ اس لئے مقید کر دیا کہ براءۃ سے زوج و زوجہ کی غرض ہی حقوقِ نکاح سے بری ہونا ہے۔ رہا خُلع تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ بالکل علیحدگی اور جدائی

Marfat.com

اختیار کی جائے۔ یہ بات نکاح کے ٹوٹنے سے پوری ہو جاتی ہے تو دوسرے احکام کے ختم کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ (دوسرے احکام سے مراد مہر اور نان و نفقہ وغیرہ ہیں)۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خُلع کے لفظ ہی سے جدائی کا اظہار ہوتا ہے۔ ہم روزمرہ میں استعمال کرتے ہیں۔ خلع النعل اور خلع العمل۔ یعنی اس نے جوتا اُتار دیا اور وہ کام سے الگ ہو گیا اور یہ عبارات کی طرح مطلق ہے تو نکاح اور اس کے احکام و حقوق میں ان کے مطلق ہونے پر ہی عمل کیا جائے گا۔ (یعنی نکاح کے ہر حکم اور حق سے علیحدگی اور بریت ہو جائے گی)۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی صغیرہ بیٹی کا خُلع اسی کے مال کے عوض لیا (تو خُلع تو صحیح ہو جائے گا) مگر مال صغیرہ پر لازم نہ ہو گا (بلکہ باپ کو اپنے پاس سے ادا کرنا ہو گا) کیونکہ اس صورت میں صغیرہ کے لئے کوئی شفقت ثابت نہیں ہوتی (حالانکہ باپ کی ولایت شفقت کے لئے تھی) کیونکہ عورت کے نکاح میں نہ ہونے کی صورت میں اس سے حق تمتع باقیمت نہیں ہوتا۔ حالانکہ معاوضہ (یعنی مال) باقیمت ہوتا ہے (تو ایک باقیمت شے اس کا عوض کیسے بن سکتی ہے جو باقیمت نہیں) بخلاف نکاح کے (یعنی اگر باپ صغیرہ کا نکاح کر دے تو جائز ہے) کیونکہ ملک میں داخل ہونے کے وقت عورت سے حق تمتع باقیمت قرار پاتا ہے۔ اسی لئے اگر مریضہ عورت نے مرض میں خُلع لیا اور عدت میں مر گئی تو اس کے خُلع کی رقم ترکے کی تہائی سے ادا کی جائے گی۔ اگر مریض مرد

Marfat.com

نے مہر مثل پر نکاح کیا اور اسی مرض میں وفات پا گیا تو مہر مثل کا اعتبار تمام ترکہ میں کیا جائے گا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ باپ کا خلع لینا جائز نہیں تو نہ صغیرہ کا حق مہر ساقط ہو گا اور نہ شوہر اس کے مال کا مستحق ہو گا۔ باپ کے خلع لینے کی صورت میں ایک روایت کے مطابق طلاق واقع ہو جاتی ہے اور دوسری روایت کی بنا پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ شوہر کا طلاق دینا باپ کے قبول کرنے پر مشروط تھا تو ایسے ہی دوسرے مشروط امور پر قیاس کیا جائے گا (یعنی جس طرح ہر مشروط شرط کے پائے جانے پر واقع ہو جاتا ہے اسی طرح یہ مشروط بھی باپ کے قبول کرنے پر بصورت طلاق واقع ہو جائے گا)۔

مسئلہ: اگر شوہر نے ہزار درہم کے عوض میں اس شرط پر خلع کیا کہ ہزار کی ادائیگی کی ضمانت باپ لے لے تو خلع ہو جائے گا۔ اور باپ کو ہزار درہم ادا کرنا ہوں گے۔ کیونکہ جب معاوضہ کی ضمانت ایک اجنبی شخص بھی لے سکتا ہے تو باپ بدرجہ اولیٰ ضامن بن سکتا ہے۔ صغیرہ کا مہر ساقط نہیں ہو گا کیونکہ وہ باپ کی ولایت میں داخل نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر نے ہزار کے معاوضہ کو صغیرہ پر شرط ٹھہرایا تو خلع کا جواز صغیرہ کے قبول کرنے پر منحصر ہو گا۔ بشرطیکہ صغیرہ قبول کرنے کی سوجھ بوجھ رکھتی ہو۔ پس اگر اس نے قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی گئی۔ اور مال واجب نہیں ہو گا۔ کیونکہ صغیرہ اس قابل نہیں کہ اس پر تاوان لازم کیا جائے۔ اگر باپ نے صغیرہ کی طرف سے عوض خلع قبول کر

Marfat.com

لیا تو اس میں دو روایتیں ہیں (ایک کے مطابق خُلع صحیح ہے اور دوسری کے مطابق نہیں)۔

مسئلہ: اسی طرح اگر شوہر صغیرہ سے اس کے مہر پر خُلع کرے اور اس کا باپ مہر کی ضمانت نہ لے تو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا۔ پس اگر اس نے قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مہر ساقط نہیں ہوگا (کیونکہ اس پہ تاوان عدم اہلیت کی بنا پر لازم نہیں کیا جا سکتا) اگر باپ کرے تو اس میں (بھی) دو روایتیں ہیں۔ اگر صغیرہ کے باپ نے مہر کی ضمانت لے لی اور وہ (مہر) ہزار درہم ہے تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ باپ کی طرف سے قبولیت پائی گئی۔ اور یہی شرط تھی۔ اور باپ کے ذمے پانچ سو درہم لازم ہوں گے اور یہ استحسان ہے۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہزار واجب الادا ہوں (کیونکہ اس نے ہزار کی ضمانت لی تھی)۔

اس مسئلہ کی اصل بالغہ عورت کی صورت میں یوں ہوگی کہ جب اس نے مدخولہ ہونے سے پہلے ہزار درہم پر خُلع لیا۔ اور اس کا مہر بھی ایک ہزار ہے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نصف پانچ سو کے علاوہ دیگر پانچ سو بھی اس کے ذمے ہوں۔ مگر استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس پر کچھ زائد بھی واجب نہ ہو کیونکہ ایسے خُلع سے عادۃً یہی مراد ہوتا ہے کہ جو عورت کے لئے مرد کے ذمے واجب ہے وہ مرد کو حاصل ہو جائے (یعنی جو نصف (۵۰۰) عورت کے ذمے واجب تھا گویا انہی کے بدلے خُلع کیا گیا)۔

Marfat.com

ظہار کے بیان میں

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو وہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ اس سے مباشرت کرنا، چھونا اور بوسہ لینا جائز نہیں ہے جب تک کہ ظہار کا کفّارہ ادا نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اسی کام کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کو اپنے منہ سے کہہ چکے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ باہمی ملاپ سے پہلے ایک غلام آزاد کریں"

دورِ جاہلیت میں ظہار کو طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس کی اصلیت کو تو برقرار رکھا۔ مگر اس کے حکم کو وقتی حرمت میں بدل دیا کہ یہ حرمت" ادائیگی کفّارہ" تک قائم رہے گی اور اس سے نکاح زائل نہ ہوگا۔ کیونکہ ظہار کرنا اس لحاظ سے جرم ہے کہ اس کا قول جھوٹ اور فحش ہے۔ تو مناسب ہے کہ مرد کو اس کی سزا دی جائے اور اس عورت کو اس کے لئے حرام قرار دے دیا جائے۔ ہاں اگر کفّارہ ادا کر دے تو حرمت رفع ہو سکتی ہے۔

جب عورت سے مباشرت حرام قرار دے دی گئی تو وطی کے محرکات بھی حرام ہوں گے (مس اور بوسہ وغیرہ) تاکہ کہیں وطی کا ارتکاب نہ کر بیٹھے، جیسا کہ احرام کی حالت میں ممنوع ہوتا ہے۔

مگر حائضہ اور روزہ دار عورت کا یہ حکم نہیں ہے (بلکہ وہاں مس اور

Marfat.com

تقبیل وغیرہ جائز ہیں) کیونکہ حیض اور روزہ دونوں کا وقوع بکثرت ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر محرکات کو حرام کر دیا جائے تو اس سے دقت پیدا ہوتی ہے۔ مگر ظہار اور احرام کی یہ صورت نہیں ہے (کیونکہ ان کا وقوع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے)۔

مسئلہ: اگر مرد نے کفارہ دینے سے پہلے ہی مباشرت کر لی (تو گنہگار ہوگا۔ لہٰذا) اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور پہلے کفارہ کے علاوہ اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ مگر کفارہ دینے تک اس سے دوبارہ ایسا فعل نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمہ بن صخر ــــ جنہوں نے ادائیگی کفارہ سے پہلے ہی مباشرت کر لی تھی ــــ سے فرمایا کہ اس (گناہ) کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے دوبارہ ایسا کام نہ کرو۔ اگر استغفار کے علاوہ بھی کوئی چیز واجب ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بیان فرما دیتے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ شوہر کا "انت علی کظہر امی" (تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے) کہنا بہر صورت ظہار ہوگا۔ کیونکہ یہ الفاظ صراحۃً ظہار کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

مسئلہ: اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کرے تو درست نہ ہوگی کیونکہ ان الفاظ کا طلاق ہونا منسوخ ہو چکا ہے تو مرد کو طلاق مراد لینے کا اختیار نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر مرد بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ یا ران

Marfat.com

یا فرج کی طرح ہے تو مرد کو ظہار کرنے والا شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ ظہار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ حلال چیز کو حرام سے تشبیہ دی جائے۔ اور یہ تشبیہ ان اعضاء کی صورت میں ثابت ہو جائے گی جن کی طرف دیکھنا شہوت سے جائز نہیں۔

اسی طرح اگر مرد عورت کو ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دے جن کی طرف دیکھنا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے لئے جائز نہیں۔ مثلاً بہن یا پھوپھی یا رضاعی ماں وغیرہ۔ کیونکہ دائمی حرمت کے لحاظ سے یہ بھی ماں کی طرح ہیں۔

مسئلہ: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا سر یا تیرا فرج یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا تیرا تہائی مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے تو ظہار ہو گا۔ کیونکہ سر، چہرہ، گردن اور فرج بول کر تمام بدن مراد لیا جا سکتا ہے اور نصف وغیرہ جزو شائع میں پہلے حکم اس جزو میں ثابت ہوگا اور پھر تمام بدن میں۔ جیسا کہ ہم طلاق میں بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ: اگر شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا اس کی مانند ہے تو اس کی نیت کو دیکھا جائے گا۔ تاکہ (نیت کے مطابق) حکم لگایا جا سکے۔ اگر مرد کہے کہ میں نے اپنی بات سے مراد عزت و احترام لیا ہے تو اس کا کہنا تسلیم کیا جائے گا۔ کیونکہ عزت و کرامت میں تشبیہ دینا ہمارے روزمرہ کے کلام میں مروج ہے۔ اگر مرد نے کہا کہ میں نے ظہار کی نیت کی تھی تو اس کو ظہار ہی مانا جائے گا۔ کیونکہ مذکورہ کلام میں عورت کو

Marfat.com

ماں کے پورے بدن سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں تشبیہ عضو بھی شامل ہے۔ لیکن چونکہ مذکورہ کلام میں وہ صریح نہیں لہذا نیت کی ضرورت پیش آئی۔

مسئلہ: اگر مرد نے کہا کہ میں نے تو اپنے قول سے طلاق مراد لی تھی تو اب ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے بیوی کو حرمت میں ماں سے تشبیہ دی ہے۔ گویا اس نے یوں کہا: اَنْتِ عَلَیَّ حرام اور طلاق کی نیت کی (تو ایسے قول سے ہمیشہ طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے جیسا کہ ہم طلاق کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں)۔

مسئلہ: اگر مرد کی کوئی نیت نہ ہو تو شیخین کے نزدیک کچھ واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کلام سے احترام و تعظیم بھی مراد ہو سکتا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ظہار ہوگا کیونکہ جب ایک عضو سے تشبیہ دینا ظہار شمار ہوتا ہے تو پورے بدن سے تشبیہ بدرجۂ اولیٰ ظہار ہوگا۔ (امام مالکؒ، احمدؒ اور شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں)۔

اگر مرد نے مذکورہ کلام سے صرف یہی مراد لیا ہو کہ عورت مجھ پر حرام ہو جائے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ایلاء شمار ہوگا تاکہ ظہار اور ایلاء کی حرمت میں سے کم درجہ کی حرمت ثابت ہو۔ امام محمدؒ کے نزدیک ظہار ہوگا کیونکہ کاف تشبیہ ظہار کے لئے خاص ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے اور ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو اس کا نتیجہ اس کی نیت کے مطابق

Marfat.com

ہوگا۔ کیونکہ مذکورہ کلام میں دونوں احتمال ہیں۔ ظہار کا اس لئے کہ تشبیہ پائی گئی اور طلاق کا اس لئے کہ اس نے حرمت کا لفظ استعمال کیا ہے اور تشبیہ اسی حرمت کی تاکید کرتی ہے۔

اگر مرد کی کوئی نیّت نہ ہو تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک ایلاء ہوگا اور امام محمد رح کے نزدیک ظہار۔ اور یہ دونوں صورتیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح مجھ پر حرام ہے۔ اور اس کلام سے طلاق یا ایلاء کی نیّت کی تو ابو حنیفہ رح کے نزدیک ظہار ہی ہوگا۔ مگر صاحبین فرماتے ہیں کہ مرد کی نیّت کے مطابق ہوگا کیونکہ تحریم میں ان تمام چیزوں کا احتمال موجود ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ امام محمد رح ایک صورت میں ابو یوسف رح سے اختلاف کرتے ہیں کہ جب مرد نے طلاق کی نیّت کی تو طلاق ہی ہو گی، ظہار نہ ہوگا۔ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک دونوں ہو سکتے ہیں۔ شمس الائمہ سرخسی رح نے مبسوط میں اس کی تفصیل بیان کی ہے (شمس الائمہ نے مبسوط میں امام ابو یوسف رح کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے کہ جب طلاق بائنہ واقع ہو گئی تو ظہار کیسے ممکن ہے)۔

امام ابو حنیفہ رح کی دلیل یہ ہے کہ مرد کا کلام ظہار کے لئے صریح ہے لہٰذا کسی دوسری چیز کا احتمال نہ ہوگا۔ نیز یہ کلام محکم ہے لہٰذا یہ حرمت ظہار کی طرف ہی راجع ہو گی۔

مسئلہ: امام محمد رح جامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ ظہار صرف بیوی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اگر اپنی باندی سے ظہار کرے تو نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

ارشاد میں من نساءھم کا لفظ آیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ لونڈی کی حلت اس کے مملوکہ ہونے کی وجہ سے ہے لہٰذا اسے منکوحہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ظہار طلاق ہی سے لیا گیا ہے (کیونکہ دورِ جاہلیت میں اسے طلاق تصوّر کیا جاتا تھا) اور مملوکہ میں طلاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مسئلہ: اگر کسی عورت سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا۔ پھر اس سے ظہار کر دیا اور بعد میں عورت نے نکاح کی اجازت دے دی تو ظہار باطل ہوگا۔ کیونکہ جب مرد نے اسے حرمت میں تشبیہ دی تھی اس وقت وہ سچا تھا (اس لئے کہ عورت جب تک اجازت نہ دے اس پر حلال نہیں ہو سکتی) تو اس کا ظہار کرنا قول فحش یا جھوٹ نہ ہوگا (اور یہ ظہار موقوف بھی نہ رہے گا) کیونکہ یہ شوہر کے حقوق میں سے کوئی حق نہیں ہے۔ تاکہ موقوف رہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ خریدار ایسے غلام کو آزاد کر دے ___ جو اس نے کسی غاصب سے خریدا ہے ___ (ایسے غلام کی آزادی موقوف ہوگی۔ اگر اصل مالک ___ نے اجازت دے دی تو غلام آزاد ہو جائے گا ورنہ نہیں) کیونکہ آزاد کرنا (من جملہ حقوق ملکیت سے ہے۔ (الحاصل بیع موقوف میں غلام کا آزاد کرنا حقِ ملک ہے تو موقوف رہے گا مگر نکاح موقوف میں ظہار کرنا مرد کا کوئی حق نہیں ہے۔ لہٰذا موقوف نہ رہے گا اور باطل ہو جائے گا)۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیویوں سے کہا کہ تم سب میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو تو سب ہی سے ظہار ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے

Marfat.com

ظہار کی نسبت ان سب کی طرف کی ہے۔ جیسا کہ اگر طلاق کی نسبت سب کی طرف کردے (تو سب کو طلاق ہو جاتی ہے) اور وہ ہر ایک کے لئے الگ الگ کفّارہ ادا کرے گا۔ کیونکہ حرمتِ ظہار ہر ایک کے لئے ثابت ہے۔ لہٰذا ان حُرمتوں کے رفع کرنے کے لئے کفارے بھی اسی قدر تعداد میں ہوں گے۔ البتہ ایلاء کی صورت ظہار سے مختلف ہے۔ اگر تمام عورتوں سے ایلاء کرے تو ایک کفّارہ ہی لازم ہوگا۔ کیونکہ ایلاء میں کفّارے کا وجوب اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کے پیشِ نظر ہوتا ہے اور سب سے ایک ایلاء کرنے میں اللہ تعالیٰ کا نام متعدد مذکور نہیں ہوتا۔

کفّارے کا بیان

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ ظہار کا کفّارہ ادا کرنے کے لئے ایک غلام آزاد کیا جائے گا۔ اگر غلام میسّر نہ ہو تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہوں گے۔ اگر روزے رکھنے کی استطاعت بھی نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا چاہیئے۔ کیونکہ نصِ قرآنی میں اسی طرح مذکور ہے اور نص میں بیان کردہ ترتیب ہی ملحوظ رکھی جائے گی۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ کفّارے کی یہ تمام صورتیں عورت کو مَس کرنے سے پہلے پوری ہونی چاہئیں۔ غلام کو آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے متعلق تو نص ہی میں مذکور ہے کہ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا۔ اسی طرح کفارے کا کھانا کھلانا بھی وطی سے پہلے ہی ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ کفارہ کی ادائیگی کے

Marfat.com

بعد ہی حرمت کا ازالہ ہوگا۔ لہٰذا طعام لامحالہ وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے تاکہ (بعد میں) وطی جائز ہو جائے۔

مسئلہ: امام قدوری فرماتے ہیں کہ غلام مسلم ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا جو بھی آزاد کر دے گا کفّارہ ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ "رقبۃ" کا لفظ مطلق استعمال ہوا ہے اور وہ ان تمام اصناف پر بولا جا سکتا ہے۔ اور رقبہ سے مراد وہ انسان ہے جو ہر طرح سے مملوک اور غلام ہو۔ امام شافعیؒ کافر غلام کی صورت میں ہم سے یہ اختلاف فرماتے ہیں کہ کفّارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو اس حق کو دشمنِ الٰہی پر صرف کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ زکاۃ (کافر کو نہیں دی جا سکتی)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نصِ قرآنی میں مطلق غلام کا آزاد کرنا ہے اور کافر غلام کی صورت میں بھی یہ ثابت ہے۔ غلام آزاد کرنے سے مالک کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ غلام آزاد ہو کر فراغتِ قلب سے طاعتِ الٰہی کے فریضے کو سرانجام دے سکے۔ مگر غلام کا کفر و تعصّب اختیار کر لینا اُس کا اپنا غلط انتخاب ہے (اس میں آزاد کرنے والے کا کیا گناہ ہے)۔

مسئلہ: کفّارۂ ظہار میں اندھا یا کٹے ہوئے ہاتھوں یا کٹے ہوئے پاؤں والا غلام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس قسم کے غلام میں منفعت کی جنس یعنی بینائی یا قوتِ گرفت یا قوتِ رفتار ہی معدوم ہے۔ اور یہ نقص اسے کفّارے کے ادا کرنے سے مانع ہے۔

اگر اس کی منفعت میں تھوڑا سا خلل اور نقصان ہو تو اس کا دینا صحیح

Marfat.com

نہیں۔ مثلاً حتیٰ کہ کانا (یا بھینگا) یا جس کا ایک ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹا ہوا ہو، اس کا آزاد کرنا کافی ہوگا۔ کیونکہ جنسِ منفعت بالکل معدوم نہیں ہوئی بلکہ اس میں فقط خلل واقع ہوا ہے۔ لیکن ہاتھ اور پاؤں ایک ہی طرف کے کٹے ہوئے ہوں تو ایسا غلام کفّارہ میں دینا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ یہاں تو جنسِ منفعت بالکل معدوم ہے اور وہ چلنے سے ہی عاری ہے۔

بہرہ غلام کفّارہ میں دینا جائز ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ بہرہ غلام جائز نہ ہو۔ نوادر میں بھی یہی مذکور ہے کیونکہ جنس منفعت زائل ہو چکی ہے۔ مگر ہم استحسان کے طور پر ایسے غلام کا آزاد کرنا جائز سمجھتے ہیں کیونکہ اصل منفعت باقی ہے۔ جب چلّا کر بات کی جائے تو وہ سن لیتا ہے۔ البتہ اگر غلام کی ایسی حالت ہو کہ اسے کچھ بھی نہ سنائی دے۔ مثلاً پیدائشی بہرہ ہو اور ساتھ گونگا بھی ہو تو اس قسم کے غلام کا آزاد کرنا کفّارہ میں درست نہ ہوگا۔

مسئلہ: جس غلام کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اس کا آزاد کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ انسان میں انگوٹھوں ہی سے قوتِ گرفت پائی جاتی ہے، تو ان کے معدوم ہونے سے جنسِ منفعت زائل ہو جائے گی۔

مسئلہ: ایسا پاگل غلام بھی کفّارے میں دینا جائز نہیں جس میں عقل کا شائبہ تک نہ ہو۔ کیونکہ ہر انسان اپنے اعضاء سے فائدہ عقل سے کام لے کر ہی اٹھا سکتا ہے اور دیوانگی کی حالت میں منفعت معدوم ہوتی

Marfat.com

مسئلہ: جس غلام پر کبھی دیوانگی طاری ہو جاتی ہو اور کبھی اسے افاقہ ہو جاتا ہو اس کا آزاد کر دینا کفارے میں جائز ہو گا۔ کیونکہ اس کی منفعت میں خلل کا ہونا اس امر سے مانع نہیں ہے (یعنی مالک اسے حالتِ افاقہ میں آزاد کرے)۔

مسئلہ: مدبّر اور امّ ولد کا کفارے میں آزاد کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ تو ایک لحاظ سے (پہلے ہی) آزادی کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اور ان کا مملوک ہونا مکمل نہیں بلکہ ناقص ہے۔ اسی طرح جو مکاتب غلام کچھ قیمت ادا کر چکا ہے اسے آزاد کرنا بھی کافی نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کا آزاد کرنا تو مال کے معاوضے میں ہو جائے گا (حالانکہ کفارہ میں بغیر معاوضہ کے غلام آزاد کرنے کا حکم ہے)۔

امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں کہ مکاتب کا آزاد کرنا جائز ہو گا کیونکہ اس کا مملوک ہونا ہر لحاظ سے موجود ہے۔ اس لئے کہ کتابت کے تحریری معاہدے کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف امّ ولد اور مدبّر کے (کیونکہ ان میں مملوکیت ناقص ہوتی ہے نیز ان کا استحقاق منسوخ نہیں ہو سکتا)۔

مسئلہ: اگر مظاہر نے ایسے مکاتب غلام کو آزاد کر دیا جس نے ابھی تک کچھ بھی ادا نہیں کیا، تو جائز ہو گا۔ امام شافعی رح اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ معاہدے کے تحریر میں آنے سے وہ حرّیت کا مستحق ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ مدبّر شمار ہو گا اور (کفارے میں آزادی حاصل نہ کر سکے گا)۔

Marfat.com

ہماری دلیل یہ ہے کہ مکاتب میں ہر طرح سے غلامی اور ملکیت موجود ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں (کہ تحریری معاہدہ منسوخ بھی ہو سکتا ہے) ہماری دوسری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تک مکاتب کے ذمے ایک درہم بھی باقی ہے وہ غلام ہی ہے۔ اور تحریری معاہدہ کوئی ایسی چیز نہیں جو آزاد کرنے (یا رق) کے منافی ہو۔ کیونکہ تحریر سے تو فقط حجابہ زائل ہوتی ہے۔ یعنی وہ اپنی مرضی سے کما سکتا ہے۔ جس طرح ماذون فی التجارۃ جیسے خرید و فروخت کا اختیار دیا جائے، غلام کو ہوتی ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ماذون فی التجارۃ کو مالک جس وقت چاہے معزول کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اذن کسی عوض کے بغیر ہوتا ہے اور کتابت معاوضے کے بدلے ہوتی ہے۔ لہٰذا غلام کی جانب سے لازم ہو گی۔ اور اگر کتابت آزاد کرنے کے منافی ہوتی ہے تو بھی کفارہ میں آزاد کر دینے سے کتابت کا معاہدہ فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا احتمال موجود ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ مکاتب کی کمائی اور اولاد محفوظ و سالم رہے گی۔ (یعنی معاہدۂ کتابت کے دوران اس نے جو کچھ کمایا وہ اسی کے پاس رہے گا اور اس اثنا میں اس کی جو اولاد پیدا ہوئی وہ بھی اسی کے ساتھ آزاد ہو جائے گی بشرطیکہ وہ غیر کی باندی سے نہ ہو) کیونکہ اس کی ذات میں آزادی کتابت کی جہت سے پیدا ہوئی ہے یا اس لئے کہ کتابت ضرورت کی بنا پر فسخ ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کی اولاد اور کمائی کے حق میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو گا۔ (آسان الفاظ میں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب غلام کی کتابت آزاد کر دینے کی بنا پر منسوخ ہو گئی تو ہم کہیں گے کہ مالک نے گویا مطلق غلام

Marfat.com

آزاد کیا۔ اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ مطلق غلام آزاد کیا جائے تو تمام مال اور ساری اولاد مالک کی ملکیت میں آجاتی ہے۔ اس سوال کا یہ جواب دیا گیا کہ اس مسئلے میں غلام کی دو جہتیں ہیں : ایک تو مولیٰ کی طرف سے آزاد ہونے کی جہت اور دوسری غلام کی ذات میں آزادی کا پیدا ہونا۔ کیونکہ معاہدہ لکھا جا چکا ہے۔ اب ان دونوں جہتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ مالک کی جہت سے تو مطلق غلام آزاد ہوا۔ مگر محلِ عبد یعنی غلام کی جہت کتابت کے پیشِ نظر غلام گویا مکاتب ہو کر آزاد ہوا۔ لہٰذا اس کی کمائی اور اولاد پر مالک کا حق نہیں ہوگا۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ضرورت کی بناء پر ہم نے کتابت کو فسخ کر دیا اور غلام کو آزادی دے دی۔ مگر یہ فسخ صرف غلام کی آزادی پر ہی اثر انداز ہوگا اس کے مال و متاع اور اولاد پر نہ ہوگا کیونکہ جو چیز ضرورت کے تحت جائز کی جائے وہ ضرورت سے آگے تجاوز نہیں کر سکتی)۔

مسئلہ : اگر مظاہر نے اپنے (غلام) باپ یا بیٹے کو اس نیت سے خریدا کہ میں کفارے میں انھیں آزاد کر دوں گا۔ تو جائز ہوگا۔ امام شافعیؒ جواز کے قائل نہیں ہیں۔ اگر کفارۂ قسم میں بھی اس قسم کا غلام آزاد کیا جائے تو ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان اسی طرح اختلاف ہے۔ انشاء اللہ ہم اس مسئلے کی تفصیل کتاب الایمان میں بیان کریں گے۔

مسئلہ : اگر ظہار کرنے والے نے کسی ایسے غلام کا نصف (اپنی طرف) سے آزاد کر دیا جو دو مالکوں کے درمیان مشترک تھا۔ آزاد کرنے والا امیر

Marfat.com

آدھی ہے۔ اس نے باقی نصف کی قیمت اپنے ذمے لے لی (اور دوسرا نصف بھی آزاد کر دیا) تو امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔ مگر صاحبین کے نزدیک صحیح ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مظاہر نے جب اپنے شریک کے نصف حصے کی قیمت کا ذمہ لے لیا تو گویا وہ پورے غلام کا مالک ہو گیا۔ اور اس نے کفارہ میں مکمل غلام آزاد کیا جب کہ پورا اس کی ملکیت میں تھا۔ لیکن مظاہر اگر دولتمند نہ ہو تو جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں غلام کو اپنے نصف کی قیمت کما کر دوسرے مالک کو دینی پڑے گی۔ تو یہ آزادی (مفت نہ ہوئی بلکہ) عوض دینے سے ہوئی۔

امام ابو حنیفہ رح کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے شریک کا حصہ اس کی ملکیت میں ناقص رہا اور یہ حصہ بعد میں ضمانت لینے پر آزاد ہوا۔ اور اس قسم کا نقص کفارے کی ادائیگی سے مانع ہے (یعنی جب مالک نے اپنا آدھا آزاد کیا تو آزادی ناکمل ہے۔ کیونکہ دوسرے حصے کا مالک دوسرا شریک ہے۔ البتہ بعد میں مالک کے ضمانت لینے پہ دوسرا نصف آزاد ہوا۔ تو یہ آزادی کچھ نہ کچھ نقص کے ساتھ ہوئی۔ لہٰذا اس قدر نقص کے ہوتے ہوئے بھی کفارہ ادا نہ ہو سکے گا)۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنے غلام کا نصف کفارے کے طور پہ آزاد کر دیا۔ اور بعد میں باقی نصف بھی آزاد کر دیا تو جائز ہوگا۔ کیونکہ اس نے غلام کو دو قولوں سے آزاد کیا ہے اور ایسا نقصان کفارے کے جواز میں مانع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ملکیت میں جو نقصان پیدا ہوا وہ کفارہ میں آزاد کرنے کی جہت سے ہے (یعنی مذکورہ بالا مسئلے کی طرح یہاں بھی

Marfat.com

نقصان موجود ہے کہ جب آزاد کیا تو آزادی ناقص ہوئی۔ لیکن دونوں صورتوں میں نقصان کی جہت مختلف ہے۔ اس صورت میں نقصان کفارے ہی کی جہت سے ہے۔ اس لئے یہ نقصان ادائے واجب سے مانع ہوگا۔ لیکن پہلی ذکر کردہ صورت میں نقصان دوسری جہت سے تھا۔ کیونکہ دوسرے نصف کا مالک دوسرا شریک تھا۔ اور اس صورت میں دوسرے نصف کا مالک بھی وہ خود ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں وجہ فرق ظاہر ہے) جیسا کہ ایک آدمی نے قربانی کی بکری کو لٹایا اور چھری بکری کی آنکھ میں لگ گئی (تو اب یہ نقصان قربانی سے مانع نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ عیب قربانی کی جہت ہی سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح زیر بحث صورت میں نقصان کفارے کی جہت ہی سے پیدا ہوا تھا۔ لہٰذا یہ نقصان بھی ادائے کفارہ سے مانع نہ ہوگا) بخلاف گزشتہ صورت کے۔ کیونکہ اس صورت میں نقصان شریک کے ملک میں پیدا ہوا تھا۔ یہ صورت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ہے (کہ اعتقاق میں الگ الگ اجزاء مراد ہو سکتے ہیں)۔

صاحبین کے اصول کے مطابق آزادی کا تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ تو ان کے نزدیک نصف آزاد کرنا ہی پورے کا آزاد کرنا ہوگا نہ کہ دوبار کلام کرنے سے آزاد ہوگا۔

مسئلہ: اگر مظاہر نے کفّارے میں نصف غلام آزاد کر کے اپنی اس عورت سے مباشرت کر لی جس سے اس نے ظہار کر رکھا تھا، اور نصف باقی بعد میں آزاد کیا تو امام اعظم رح کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک

Marfat.com

اعتاق تقسیم ہوسکتا ہے (لہذا نصف آزاد کرنے کو پورا آزاد کرنا شمار نہیں کیا جائے گا) اور اعتاق کی شرط یہ ہے کہ مباشرت سے پہلے ہو۔ مگر اس صورت میں نصف کا اعتاق بعد میں ہو رہا ہے (لہذا شرط نہ پائی گئی)۔

صاحبین کے نزدیک نصف کا آزاد کرنا کل کا آزاد کرنا ہے۔ لہذا کل کا آزاد کرنا مباشرت سے پہلے ہو ہی چکا ہے (اس لئے ان کے نزدیک جائز ہوگا)۔

مسئلہ: اگر مظاہر کے پاس آزاد کرنے کے لئے کوئی غلام نہ ہو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دو مہینوں کے متواتر روزے رکھے۔ ان دو ماہ میں نہ تو ماہِ رمضان آئے اور نہ یومِ فطر، یوم نحر اور ایّامِ تشریق ہی شامل ہوں (کیونکہ ان ایام میں روزہ جائز نہیں)۔

روزے لگاتار رکھنے کا ثبوت نصِ قرآنی سے ملتا ہے۔ ماہ رمضان کے نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی کہ اگر رمضان کے روزے کفارے کے ہو جائیں تو حقِ شرعی میں نقصان لازم آتا ہے۔ کیونکہ جو روزے اللہ تعالیٰ نے اس ماہ میں فرض کئے تھے ان کا ابطال ہوگیا۔ اور پانچ مذکورہ بالا ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے تو ان دنوں کا روزہ کفارۂ ظہار کا قائم مقام نہ ہوسکے گا۔ کیونکہ وہ کامل واجب ہے (اور ممنوعہ اوقات میں اگر کوئی واجب ادا کیا جائے تو وہ ناقص رہتا ہے)۔

مسئلہ: اگر مظاہر نے دو ماہ کے دوران رات کے وقت عمداً یا دن کو بھول کر اسی عورت سے مباشرت کر لی تو امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے

Marfat.com

نزدیک وہ نئے سرے سے روزے شروع کرے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نئے سرے سے شروع نہ کرے (بلکہ جتنے باقی ہیں انھیں مکمل کر دے) کیونکہ مباشرت تو اتر اور پے در پے ہونے میں مانع نہیں ہے، کیونکہ ایسی مباشرت سے تو روزہ بھی فاسد نہیں ہوتا۔ اور اصل شرط تو یہی تھی کہ روزے پے در پے ہوں اور اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔

نیز اگرچہ روزوں کا مباشرت پر مقدم کرنا شرط تھا تو جو صورت ہم نے اختیار کی ہے اس میں کئی روزے وطی پر مقدم ہیں اور تمہاری اختیار کردہ صورت کے مطابق تو تمام روزے مباشرت کے بعد ہوں گے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ کفارے کے روزوں کی دو شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ وطی سے پہلے ہوں اور دوسرے یہ کہ وطی سے خالی ہوں اور یہی نص سے ضرورۃً ثابت ہے (کیونکہ روزوں کو مباشرت پر مقدم کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ مباشرت سے خالی بھی ہوں) مگر روزوں کے دوران مباشرت کرنے سے یہ دوسری شرط معدوم ہو جاتی ہے۔ لہذا وہ نئے سرے سے روزوں کا آغاز کرے۔

مسئلہ: اگر مظاہر نے دو ماہ کے دوران کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر کسی عذر کے روزہ نہ رکھا تو پھر نئے سرے سے شروع کرے کیونکہ پے در پے ہونے والی شرط موجود نہ رہی۔ حالانکہ اسے عادۃً متواتر رکھنے کی استطاعت تھی۔ کیونکہ اگر عورت کو کہیں متواتر روزے رکھنے ہوں مثلاً رمضان کا روزہ عمداً توڑ دے اور کفارے کے روزے کے درمیان اگر حائضہ ہو گئی تو پھر اسے نئے سرے سے نہ رکھنے ہوں گے کیونکہ وہ عادۃً

Marfat.com

معذور ہے۔

مسئلہ : اگر غلام اپنی بیوی سے ظہار کرے تو وہ کفارے کی ادائیگی میں فقط روزے ہی رکھے گا۔ کیونکہ اسے حقِ ملکیت ہی حاصل نہیں۔ لہٰذا اس میں مال سے کفّارہ ادا کرنے کی اہلیت ہی نہ پائی جائے گی۔

اگر مالک اس کی طرف سے غلام آزاد کردے یا کھانا کھلادے تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ملکیت کی اہلیت سے محروم ہے۔ تو مولیٰ کے مالک بنانے سے بھی اس میں وہ اہلیت نہ پیدا ہوگی۔

مسئلہ : اگر مظاہر میں روزے رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فاطعام ستین مسکیناً کہ جس میں روزے رکھنے کی استطاعت نہ ہو وہ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلادے۔ اور ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع یا ایک صاع جَو یا کھجور دے دے یا اس کی قیمت ادا کردے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس بن الصامت اور سہل بن صخر کے متعلق یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع دے دو۔

(دوسری دلیل یہ ہے) کہ مقصود تو ہر مسکین کی ایک دن کی حاجت پوری کرنا ہے لہٰذا اسے صدقۂ فطر پر قیاس کیا جائے گا۔ امام قدوری کا یہ قول کہ "یا اس کی قیمت دے دے" تو یہ ہمارا مذہب ہے۔ ہم کتاب الزکاۃ میں اس کی تفصیل بیان کرچکے ہیں۔

مسئلہ : اگر مظاہر نے کفارے میں ہر مسکین کو چوتھائی صاع گندم

Marfat.com

اور نصف صاع کھجور یا جو دیئے تو جائز ہوگا۔ کیونکہ ان کی جنس ایک ہے۔ (یعنی پیٹ بھرنے اور بھوک کو رفع کرنے کے لحاظ سے) اور ان سے مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: اگر مظاہر نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ تم میری طرف سے کفارے کے سلسلے میں مساکین کو کھانا کھلادو پس اس نے کھلا دیا تو جائز ہوگا کیونکہ یہ بات قرض لینے کے معنی میں ہے مگر قرض میں قبضے کی شرط ہوتی ہے (تو ہم کہہ سکتے ہیں) کہ فقیر نے پہلے اس کے لئے حاصل کیا (بطور نائب) پھر خود قبضہ کر لیا تو پہلے اپنے ملک میں لے کر فقیر کو مالک بنانا ثابت ہوگیا (لہٰذا اس کا کفارہ ادا ہوگیا)۔

مسئلہ: اگر مظاہر نے فقیروں کو صبح و شام دو وقت کا کھانا کھلا دیا تو جائز ہوگیا، خواہ فقراء نے کم کھایا ہو یا زیادہ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کھانا کھلا دینا کافی نہیں جب تک کہ انھیں مالک نہ بنائے (یعنی یوں کہہ دے کہ یہ کھانا میں نے تمہارے ملک میں دے دیا، یہاں کھاؤ یا لے جاؤ) جیسا کہ صدقۂ فطر اور زکاۃ میں کیا جاتا ہے (یعنی وہاں تملیک شرط ہے) کیونکہ مالک بنانے سے فقیر کی حاجت خوب اچھی طرح رفع ہوجاتی ہے۔ تو پھر کھلانے کی اجازت دے دینا اس کا قائم مقام نہ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نصِ قرآنی میں صرف کھانا کھلانے کا ذکر ہے اور اس کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ انھیں کھلانے پر قادر کر دیا جائے۔ اور یہ مقصد کھلانے کی اجازت دینے سے پورا ہوجاتا ہے جیسا کہ مالک بنانے سے حاصل ہوتا ہے۔ رہا زکاۃ کا معاملہ تو اس میں دینا شرط ہے اور صدقۂ فطر میں ادا

Marfat.com

کرنا واجب ہے۔ دینا اور ادا کرنا حقیقت میں مالک بنانے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

مسئلہ : مظاہر نے جن مساکین کو شام کے وقت کھانا کھلایا۔ اور ان میں کوئی ایسا بچہ تھا جس کا دودھ چھڑایا گیا ہے تو کافی نہ ہوگا کیونکہ وہ پورا کھانا نہیں کھا سکتا۔ اور جَو کی روٹی کے ساتھ سالن بھی ضرور ہو تاکہ وہ پیٹ بھر کر کھا سکیں۔ مگر گندم کی روٹی کی صورت میں سالن دینا شرط نہیں ہے۔

مسئلہ : اگر مظاہر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا دیتا ہے تو جائز ہے اور اگر ایک ہی روز اسے ساٹھ دنوں کا دے دے تو صرف اس دن کا ہی ادا ہوگا (۵۹ دنوں کا پھر دینا ہوگا) کیونکہ اس سے مقصد تو یہ ہے کہ محتاج کی حاجت دُور ہو جائے اور حاجت ہر روز از سرِ نو پیدا ہوتی رہتی ہے۔ تو اسی مسکین کو دوسرے دن دینا دوسرے مسکین کے مشابہ ہوگا۔ اور یہ حکم کھانے کو بطورِ مباح کھلانے میں بلا اختلاف جائز ہے۔ مگر ایک مسکین کو ایک ہی دن ساٹھ بار بُلا کر دینے میں بعض کے نزدیک جائز نہیں اور بعض کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ کسی کو کسی چیز کے مالک بنانے کی ضرورت تو ایک ہی دن میں بار بار پیدا ہو سکتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر ایک مسکین کو یکبارگی دے دیا (تو بالاتفاق جائز نہیں) کیونکہ متفرق کرکے دینا قرآنی نص سے ثابت ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ساٹھ مساکین کو کھلاؤ۔ اسی سے متفرق کرکے دینا ثابت ہو رہا ہے)۔

مسئلہ : ابھی مساکین کھانا کھا رہے تھے کہ اسی اثناء میں مظاہر نے

Marfat.com

بیوی سے مباشرت کرلی تو اسے از سر نو کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے نصِ قرآنی میں یہ شرط مذکور نہیں کی کہ کھانا کھلانا مباشرت سے پہلے ہو۔ البتہ طعام دینے سے پہلے وطی ممنوع ہو گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ طعام دینے کے دوران وہ غلام کو آزاد کرنے یا ساٹھ روزے رکھنے پر قادر ہو جائے تو مباشرت کرلینے کی صورت میں وہ مباشرت سے بعد ہوں گے (حالانکہ اعتاق اور صیام کے متعلق نص میں صراحت سے بیان ہوا ہے کہ دونوں مباشرت سے پہلے ہوں) اور جو بات کسی دوسری چیز کی وجہ سے ممنوع ہو وہ بذاتہٖ مشروع ہو سکتی ہے (یعنی طعام کے دوران مباشرت اس لئے ممنوع کردی کہ کہیں اسے اعتاق یا صیام پر قدرت حاصل نہ ہو جائے۔ ورنہ بذاتہٖ طعام کے دوران وطی کی ممانعت مذکور نہیں ہے)۔

مسئلہ : اگر مظاہر نے دو ظہاروں کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو گندم کا ایک ایک صاع دیا، تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف ایک ظہار کا کفارہ ادا ہوگا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کا ادا ہو جائے گا۔

اگر مظاہر کفارۂ افطار اور کفارۂ ظہار کو اکٹھا کرکے ادا کرے تو بالاتفاق جائز ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مظاہر نے جو طعام ادا کیا ہے وہ دونوں ظہاروں کے لئے کافی ہے۔ اور جن لوگوں کو اس نے دیا ہے وہی اس کے جائز مستحق ہیں لہٰذا دونوں سے ادا ہو جائے گا جیسا کہ اس صورت میں ادا ہو جاتا ہے جب کہ

Marfat.com

اسباب مختلف ہوں (یعنی ایک تو ظہار کا کفارہ ہو اور دوسرا روزہ توڑنے کا) یا جب کہ متفرق کرکے دے (تو اس وقت آپ بھی جواز کے قائل ہیں)۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں نیّت لغو ہوتی ہے (کیونکہ نیّت تو مختلف اجناس میں تمیز کے لئے ہوتی ہے اور یہاں جنس ایک ہی ہے) اور دو جنسوں میں نیّت قابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ جب (مذکورہ صورت میں) نیّت کا لغو ہونا ثابت ہو گیا تو اداشدہ پھر صرف ایک کفّارہ کی ادائیگی ہوگی۔ کیونکہ نصف صاع کم از کم مقدار کفّارہ ہے جس سے کم کرنا جائز نہیں مگر اس سے زیادہ دینا ممنوع نہیں۔ تو اس سے ایک کفّارہ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ گویا اس کی نیّت ایک ہی کفارہ کی تھی بخلاف اس صورت کے جب کہ وہ متفرق وقتوں میں دے۔ کیونکہ دوسری بار دینا گویا کسی اور مسکین کو دینا ہے۔

مسئلہ : اگر کسی شخص پر ظہار کے دو کفارے واجب تھے چنانچہ اس نے دو غلام آزاد کر دیئے لیکن ہر کفارے کے غلام کا تعیّن نہ کیا (کہ یہ پہلے کفّارے کے لئے ہے اور یہ دوسرے کفارے کے لئے ہے) تو دونوں کفّارے ادا ہو جائیں گے۔ اسی طرح اگر بلا تعیّن چار ماہ کے روزے رکھ لے یا ایک سو بیس (۱۲۰) مساکین کو کھانا کھلا دے تو بھی جائز ہو گا۔ کیونکہ جنس متحد ہے اس لئے معیّن نیت کی چنداں ضرورت نہیں۔

مسئلہ : اگر ظاہر نے دونوں ظہاروں کے کفارے میں ایک غلام آزاد کر دیا یا دو ماہ کے روزے رکھ لئے تو وہ جس ظہار کا کفّارہ چاہے ادا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ ظہار اور قتل دونوں کے کفّارے میں ایک غلام آزاد کرے تو

Marfat.com

کسی ایک کا کفّارہ بھی ادا نہ ہوگا۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں مذکورہ بالا صورتوں میں جائز نہ ہوگا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں غلام کو کسی ایک کفارے کے لیے متعین کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سب کفاروں کا مقصود ایک ہی ہوتا ہے لہذا وہ ایک ہی جنس شمار ہوں گے۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ گویا اس نے ہر دو ظہار کے لیے نصف غلام آزاد کیا۔ اور جب وہ دونوں کو آزاد کر چکا تو اب اسے یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ پورے غلام کو ایک ظہار کے لئے کفّارہ مقرر کرے کیونکہ مال اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جنس متحد میں تعیین کی نیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا لہذا وہ لغو ہو جائے گی۔ لیکن مختلف اجناس میں نیّت مفید ہوتی ہے (سوال مذکورہ صورت میں اختلافِ جنس نہیں۔ کیونکہ قتل اور ظہار کے کفارے کی جنس متحد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ) اگر دو چیزوں کے سبب مختلف ہوں تو ان پر مختلف اجناس کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ جنسِ متحد کی مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ ایک شخص نے دو روزوں کی قضا کے سلسلے میں ایک دن کا روزہ رکھا تو ایک روزے کی قضا پوری ہو جائے گی۔ اور مختلف جنس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پر دو روزے واجب ہیں، ایک قضا کا روزہ ہے اور دوسرا نذر کا، تو اس صورت میں معیّن کر کے تمیز کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

لعان کا بیان

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی شوہر نے اپنی بیوی پر تہمتِ زنا لگائی۔ شوہر و بیوی اہلِ شہادت میں سے ہیں۔ نیز عورت بھی ایسی ہے کہ اگر کوئی اجنبی اس پر تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر حد جاری ہو سکتی ہے۔ یا مرد عورت کے بچے کے نسب کی نفی کردے (کہ جو بچہ اس نے جنا ہے میرا نہیں ہے) اور زوجہ نے حدِ قذف کے لئے دعویٰ کر دیا (کہ خاوند نے بلا وجہ مجھ پر بدکاری کا الزام لگایا ہے) تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہوگا۔ درحقیقت لعان ان گواہیوں کا نام ہے جن کی تاکید میں قسمیں کھائی جائیں اور اس میں ساتھ ہی ساتھ لعنت بھی مذکور ہوتی ہے (مرد چار بار یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس عورت نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور اسی طرح ہی عورت جواباً کہتی ہے) یہ شہادتیں مرد کے حق میں حدِ قذف کے قائم مقام ہیں اور عورت کے حق میں حدِ زنا ــــ

(اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت اصل کی حیثیت رکھتی ہے: والذین یرمون ازواجھم و لم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین۔ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے ماسوا ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے مدعیوں

Marfat.com

میں سے ہر ایک کا ثبوت یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور پانچویں بار یوں کہے کہ اگر وہ جھوٹ بولے تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ دوسری آیت میں ہے: ویدرؤ عنها العذاب ان تشهد اربع شهادات بالله انه لمن الكاذبين والخامسة ان غضب الله عليها ان كان من الصادقين - یعنی مرد کے قسم کھانے کے بعد عورت سے سزا ٹل سکتی ہے - اگر وہ چار بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ شخص سرتا سر جھوٹا ہے اور پانچویں بار یوں کہے کہ اگر یہ شخص اپنے دعوے میں سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولم يكن لهم شهداء الا انفسهم" اور یہ استثناء اپنی (متحد) جنس ہی سے ہے (یعنی وہ گواہ تسلیم ہوں گے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فشهادة احدهم اربع شهادات بالله ۴ اس نص سے گواہی اور قسم کا صریح ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا ہماری رائے میں لعان کا رکن یہ ہے کہ شہادت قسم سے مؤکد ہو۔ پھر شوہر کی طرف سے "قولِ لعنت" کو بھی شامل کیا جاتا ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو مرد کا چار بار قسم کھا کر شہادت دینا اور پانچویں بار جھوٹ کی صورت میں لعنت کو بھی شامل کرنا ہے اور یہ تہمت کی سزا کے قائم مقام ہوگا (کیونکہ اگر مرد صرف تہمت لگائے اور گواہ پیش نہ کرسکے۔ یا خود بھی مذکورہ شہادت نہ دے تو اس پر حدِ قذف یعنی اسی (۸۰) کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا جائے گا) عورت کی طرف شہادات کے ساتھ غضب کا قول عورت کے حق میں زنا کی سزا کے قائم مقام ہوگا (کیونکہ اگر مرد

Marfat.com

کے دعوے کے جواب میں عورت شہادات سے انکار کرے تو اس پر زنا کی سزا واجب ہوگی) اور جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم (مسئلے کا تجزیہ کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ شوہر و بیوی دونوں کا اہلِ شہادت سے ہونا ضروری ہے کیونکہ لعان میں رکن شہادت ہی تو ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ عورت ایسی ہو کہ جس پر تہمت لگانے والے پر حدِ قذف جاری ہو سکے۔ کیونکہ یہ لعان شوہر کے حق میں حدِ قذف کے قائم مقام ہے۔ لہذا زوجہ کا محصنہ ہونا ضروری ہے۔

اور بچے کے نسب کی نفی کرنے سے بھی لعان واجب ہوگا۔ کیونکہ جب مرد زوجہ کے بچے سے انکار کرتا ہے تو گو یا ظاہر طور پر اس پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے (کہ یہ بچہ میرا نہیں بلکہ زنا کا ہے) اور یہاں یہ احتمال درست نہیں کہ شائد نفیِ ولد سے مرد کی مراد یہ ہو کہ کسی دوسرے مرد نے اس سے غلط فہمی میں مباشرت کی کہ جس سے یہ بچہ پیدا ہوا۔ کیونکہ اس کی مثال تو یوں دی جا سکتی ہے جیسے کوئی اجنبی شخص کسی بچے کے متعلق کہے کہ یہ اپنے معروف باپ کا نہیں۔ تو اس قول کو بھی قذف شمار کیا جاتا ہے اور یہاں اس قسم کے احتمال کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور یہ ثابت ہے اس لئے کہ نسب میں اصل یہ ہے کہ فراش صحیح ہو۔ اور جو بچہ فراشِ فاسد سے پیدا ہوتا ہے اسے فراشِ صحیح کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا (کہ یہ باپ ہی کا ہے) تو فراشِ صحیح سے کسی بچے کی نفی اتنی دیر تک قذف نہ شمار ہوگی جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ یہ بچہ فراشِ فاسد سے پیدا ہوا ہے (صرف احتمال ہی کافی نہیں بلکہ یقین حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے)۔

لعان کرنے کے لئے زوجہ کا مطالبہ شرط ہے، کیونکہ لعان کرانا عورت کا

Marfat.com

حق ہے تو دوسرے حقوق کی طرح اس میں اس کا مطالبہ اور دعویٰ ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر عورت کے مطالبہ کرنے پر شوہر لعان سے انکار کر دے تو حاکمِ وقت اسے قید کر سکے گا۔ یہاں تک کہ یا تو وہ لعان کرے یا یہ کہے کہ میں اپنے دعوے میں جھوٹا تھا (تاکہ اس پر حد جاری ہو) کیونکہ (لعان کرنا) شوہر پر واجب اور ضروری ہے اور مرد کو اس حق کے پورا کرنے پر قدرت بھی ہے۔ لہٰذا اسے قید کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ حق کو پورا کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے تاکہ جس سبب کی بنا پر یہ حق واجب ہوا تھا وہ رفع ہو جائے (یعنی مرد عورت کی تصدیق کر دے کہ اس نے زنا نہیں کیا۔ لہٰذا اب لعان نہ ہوگا)۔

مسئلہ: اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا کیونکہ مذکورہ بالا نصِ قرآنی سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ البتہ لعان کی ابتدا مرد ہی کرے گا کیونکہ وہی مدعی ہے (اور مدعی پہلے دعویٰ پیش کرتا ہے)

اگر (مرد لعان کرے لیکن) عورت انکار کر دے تو حاکم اسے قید کر دے گا۔ یہاں تک کہ یا تو لعان کرے یا مرد کے دعوے کی تصدیق کرے۔ کیونکہ لعان کرنا عورت پر حقِ واجب ہے اور یہ اس کی ادائیگی پر بھی قادر ہے (لہٰذا عدمِ ادائیگی کی بنا پر) عورت کو قید کر لیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر شوہر غلام یا کافر ہو یا اس پر حدِ قذف جاری ہو چکی ہو۔ اور وہ اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ کیونکہ شوہر میں ایک ایسا سبب پایا جاتا ہے جو لعان سے مانع ہے تو اس کی

Marfat.com

اصل سزا یعنی حدِّ قذف کا اس کو مورد گردانیں گے جس کا ثبوت نصِ قرآنی سے ملتا ہے کہ" جو لوگ محصنہ عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ان کو اسّی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو" اور لعان دراصل اسی سزا کا ہی قائم مقام ہے۔

مسئلہ : اگر شوہر اہلِ شہادت سے ہے مگر بیوی باندی ہے یا کافرہ یا اس پر حدِّ قذف جاری ہو چکی ہے یا ان عورتوں سے کہے کہ جن پر تہمت لگانے والے کو سزا نہیں دی جاتی۔ مثلاً صغیرہ ہو یا مجنونہ یا زانیہ (ایسی صورت میں اگر مرد بیوی پر تہمت لگائے) تو مرد پر نہ حد واجب ہو گی اور نہ لعان کیونکہ عورت نہ تو شہادت کی اہلیت رکھتی ہے اور نہ ہی محصنہ ہے۔ اب چونکہ لعان کا مانع ہونا خود عورت کی وجہ سے ہے لہٰذا مرد سے حد ساقط ہو جائے گی جیسا کہ اس صورت میں ساقط ہو جاتی ہے اور جیسا کہ عورت ہی شوہر کے دعوے کی تصدیق کر دے (تو نہ لعان کرنا پڑے گا اور نہ حد واجب ہو گی) اس مسئلے میں یہ ارشادِ نبوی اصل کی حیثیت رکھتا ہے = "چار اشخاص ایسے ہیں کہ ان میں اور ان کی بیویوں میں لعان نہیں ہو سکتا۔ یہودیہ اور نصرانیہ جن کے خاوند مسلمان ہوں، باندی جو آزاد مرد سے شادی شدہ ہو اور آزاد عورت جس نے غلام سے نکاح کر رکھا ہو۔"

اگر شوہر اور بیوی دونوں پر ہی پہلے حدِّ قذف جاری ہو چکی ہو تو اس صورت میں مرد پر حد لازم آئے گی۔

مسئلہ : لعان کی صورت یہ ہے کہ قاضی (شوہر اور زوجہ دونوں کو

Marfat.com

عدالت میں طلب کرے اور) شوہر سے شروع کرے۔ شوہر چار بار قسم کھائے اور ہر بار یہ الفاظ کہے: "میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس عورت پر زنا کا جو الزام لگایا ہے میں اس میں سچا ہوں" اور پانچویں قسم میں یوں کہے کہ "اگر میں عورت پر زنا کے اس الزام میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو" مرد پانچوں بار عورت کی طرف اشارہ کر کے شہادتیں پیش کرے۔

خاوند کے بعد بیوی بھی اسی طرح چار مرتبہ شہادت دے گی اور ہر بار یہ کہے گی کہ "میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مرد نے مجھ پر جو الزام عاید کیا ہے وہ اس میں سراسر جھوٹا ہے" اور پانچویں بار یہ الفاظ کہے گی کہ "اگر مرد اپنے الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب نازل ہو"

اس مسئلے میں مذکورہ بالا تحریر کردہ آیت اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام حسنؒ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ شوہر لعان کی شہادتوں میں مخاطب کے صیغے استعمال کرے۔ مثلاً فیما رمیتكِ بہ من الزنا۔ کیونکہ مخاطب کے صیغوں سے تو قطعاً احتمال باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ امام قدوریؒ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ اگر غائب کے صیغے استعمال کئے جائیں۔ لیکن ساتھ ہی عورت کی طرف اشارہ بھی پایا جائے تو تمام احتمالات زائل ہو جائیں گے۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ لعان کرنے سے میاں بیوی میں تفریق پیدا نہ ہوگی۔ بلکہ لعان کے بعد قاضی دونوں کو جدا کر دے گا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے باہم لعان کرنے سے فرقت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ

Marfat.com

(لعان کی صورت میں) حدیث سے دائمی حرمت ثابت ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ لعان سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے وہ امساک بالمعروف کے مقصد کے فوت ہونے کی وجہ سے ہے (یعنی زن و شوہر میں اتحاد و موافقت نہیں رہی) لہذا شوہر پہ لازم ہے کہ اس عورت کو احسان کے ساتھ رخصت کرے لیکن جب شوہر اس سے انکار کرے تو قاضی اس کا قائم مقام ہو جائے گا (تفریق کرانے میں) تاکہ ظلم و نا انصافی کا ازالہ کیا جا سکے۔

ہماری دوسری دلیل اس لعان کرنے والے صحابی کا قول ہے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس بارے میں جھوٹ کہا تھا۔ تو آپؐ نے اسے فرمایا کہ پھر اسے رکھ لو۔ تو اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر میں اس کو اپنے پاس رکھتا ہوں تو اس پر تین طلاق۔ اس نے یہ الفاظ لعان کے بعد کہے (تو معلوم ہوا کہ لعان کے بعد طلاق دینا ضروری ہے)

مسئلہ: دونوں کے درمیان جدائی طلاق بائن ہو گی۔ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔ کیونکہ قاضی کی تفریق شوہر کی طرف منسوب کی جائے گی جیسا کہ عنین کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر لعان کرنے والا مرد لعان کے بعد کہہ دے کہ میں نے غلط الزام لگایا تھا، تو طرفین کے نزدیک وہ اسی عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لعان سے دائمی حرمت پیدا ہوتی ہے کیونکہ حضور

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ" دو لعان کرنے والے کبھی جمع نہ ہوں گے"
اور یہ حدیث حرمتِ دائمی پر حکم قطعی ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مرد نے خود اپنے دعوے کی تکذیب کر دی، تو گویا اس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اور جس گواہی سے کوئی گواہ پھر جائے اس کا کچھ حکم نہیں رہتا۔ آپ کی بات ہمیں بھی تسلیم ہے کہ جب تک لعان کرنے والے ہیں جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر اپنے قول کی تکذیب کرنے سے نہ تو باہمی لعان رہا اور نہ اس کا حکم باقی رہے گا۔ لہٰذا دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ : اگر مرد نے بیوی پر یہ الزام لگایا کہ بچہ اس سے نہیں تو لعان کرنے کے بعد قاضی بچے کا نسب اس مرد سے ہٹا کر بچے کو اس کی ماں کے سپرد کر دے گا۔ اور اس میں لعان کی صورت یہ ہوگی کہ قاضی شوہر کو حکم دے گا اور شوہر یہ کہے گا کہ" میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے نفیِ ولد کا جو الزام عورت پر لگایا ہے اس میں سچا ہوں"

عورت بھی جواب میں اسی طرح کہے گی (کہ مرد نے بچے کی نفی کرتے ہوئے جو الزام مجھ پر لگایا ہے میں اس سے بری ہوں)۔

مسئلہ : اگر مرد نے بیوی پر زنا کا الزام بھی لگایا، اور ساتھ ہی بچے کی نفی بھی کی تو مرد لعان میں دونوں الزاموں کا ذکر کرے گا۔ اور قاضی مرد سے بچے کی نفی کر کے بچے کو اس کی ماں کے سپرد کر دے گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بچے کی نفی کر دی اور بچے کو اس کی ماں کے سپرد کر دیا۔

Marfat.com

دوسری دلیل یہ ہے کہ لعان کا مقصد بھی یہی ہے کہ بچے کے نسب کو مرد کی طرف منسوب ہونے سے ہٹایا جائے تاکہ شوہر کا مقصد پورا ہو جائے۔ لہٰذا نسب کی نفی کے لئے قاضی کا اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ تم دونوں میں لعان کی وجہ سے تفریق کی جاتی ہے (اسی میں نفیٔ ولد بھی ہو جائے گی)۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قاضی دونوں میں تفریق کرے گا اور ساتھ ہی یہ بھی کہے گا کہ میں بچے کو ماں کے سپرد کرتا ہوں اور باپ کے نسب سے اس کی نفی کرتا ہوں۔ کیونکہ نفیٔ ولد اور تفریق دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ لہٰذا ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا پڑے گا۔

مسئلہ : مذکورہ صورت میں شوہر اگر اپنے دعوے سے رجوع کر لے اور کہے کہ میرے عائد کردہ الزام بے بنیاد تھے تو قاضی اس پر حدِ قذف جاری کرے گا۔ کیونکہ شوہر نے اپنے دعوے کی تکذیب کر کے حدِ قذف کو خود اپنے اوپر واجب کیا ہے۔ البتہ وہ شوہر اس عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ یہ جواز طرفین کے نزدیک ہے۔ کیونکہ جب مرد کو حدِ قذف لگائی گئی تو وہ لعان کرنے والوں سے نہ رہا۔ لہٰذا اس کا حکم بھی ـــــ جو لعان سے متعلق تھا یعنی حرمت ـــــ زائل ہو گیا۔ (لہٰذا مرد اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے)۔

مسئلہ : اگر کسی شخص نے اجنبی عورت پر الزام لگایا اور اس پر حدِ قذف جاری کر دی گئی تو وہ بعد میں اسی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس کی دلیل بھی اوپر مذکور ہوئی ہے۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے زنا کیا اور اسے زنا کی سزا دی گئی تو اس کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔ کیونکہ عورت کی طرف سے لعان

Marfat.com

کی اہلیت مفقود ہے۔ (اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ مرد و عورت نے نکاح کے بعد، دخول سے پہلے لعان کیا اور دونوں میں تفریق ہو گئی۔ بعدازاں عورت نے زنا کا ارتکاب کیا اور اسے زنا کی حد لگائی گئی یعنی سو کوڑے۔ کیونکہ دخول سے پہلے تفریق ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ عورت غیر محصنہ شمار ہوگی اور اس عورت سے اسی مرد کا نکاح جائز ہوگا)۔

مسئلہ : اگر مرد نے اپنی نابالغہ یا مجنونہ بیوی پر تہمت لگائی تو ان کے درمیان لعان نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر صغیرہ یا مجنونہ پر کوئی اجنبی شخص بھی تہمت لگائے تو حدِّ قذف واجب نہیں ہوتی۔ اس طرح شوہر بھی لعان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لعان حدِّ قذف کے قائم مقام ہوتا ہے (یعنی جب حدِّ قذف واجب نہیں تو اس کا قائم مقام کیسے ممکن ہوگا)۔

اسی طرح اگر شوہر نابالغ ہو یا مجنون ہو (تو میاں بیوی میں لعان نہ ہوگا) کیونکہ شوہر میں اہلیتِ شہادت مفقود ہے۔

مسئلہ : اگر گونگے شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو دونوں کے درمیان لعان نہ ہوگا۔ کیونکہ لعان کا تحقق (اشارے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ) فقط صریح الفاظ سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدِّ قذف میں صراحت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس مسئلے میں امام شافعیؒ ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ثابت ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ گونگے کے اشارات شبہ سے خالی نہیں اور شبہ سے حدود ساقط ہو جایا کرتی ہیں۔

Marfat.com

مسئلہ : اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو دونوں میں لعان نہیں ہو گا۔ یہ امام اعظمؒ اور امام زفرؒ کا مسلک ہے کیونکہ حمل کے موجود ہونے کا کوئی یقین نہیں۔ لہذا مرد قاذف شمار نہ ہو گا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ حمل کی نفی کرنے سے بھی لعان واجب ہو گا۔ بشرطیکہ قذف کرنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو۔ مبسوط میں جو قول مذکور ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قذف کے وقت ہمیں حمل موجود ہونے کا یقین ہو جاتا ہے تو تہمت لگانا متحقق ہو گا۔

امام اعظمؒ اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ تہمت لگانا اسی وقت قذف نہیں ہو سکتا۔ تو گویا یہ معلّق بالشرط کی طرح ہو گیا۔ اور مرد نے گویا یہ کہا کہ اگر تجھے حمل ہو تو وہ مجھ سے نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ قذف کو شرط سے معلّق کرنا درست نہیں ہوتا (لہذا مذکورہ صورت میں لعان نہ ہو گا)۔

مسئلہ : اگر مرد نے بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اور یہ حمل ہی زنا سے ہے تو دونوں لعان کریں گے۔ کیونکہ اب قذف موجود ہے اس لئے کہ مرد نے زنا کا صراحۃً ذکر کیا ہے۔ البتہ قاضی کو اس حمل کے نسب کو مرد سے نفی نہ کرنا چاہیئے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ قاضی کو چاہیئے کہ وہ حمل کے نسب کی نفی کر دے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال کے بچے کی اس سے نفی کر دی تھی۔ ہلال نے عورت کو حاملہ ہونے کی حالت میں الزام لگایا تھا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل پر کسی قسم کا حکم اس کی پیدائش کے بعد ہی لگایا جا

Marfat.com

سکتا ہے۔ کیونکہ پیدائش سے پہلے پہلے توشبہ باقی رہتا ہے (کہ شاید حمل نہ ہو اور کسی بیماری کی بناء پر اجتماعِ خون ہو گیا ہو) اور تمہاری پیش کردہ روایت ہمارے خلاف دلیل نہیں بن سکتی اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حمل کے موجود ہونے کا علم بذریعہ وحی ہو گیا ہو گا۔

مسئلہ : اگر مرد نے بچہ پیدا ہوتے ہی نسب کی نفی کر دی۔ یا ایسی حالت میں نسب کا انکار کیا جس میں "مبارک باد" قبول کی جاتی ہے۔ یا پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو اس کا نسب کی نفی کرنا صحیح ہو گا اور اس وجہ سے لعان کریگا۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ بعد میں نفی کرے اور لعان کرے تو امام اعظم کے نزدیک نسب ثابت ہو جائے گا۔

صاحبین کہتے ہیں کہ مدّتِ نفاس تک نفی کی جا سکتی ہے کیونکہ کم مدت میں نفی صحیح ہو سکتی ہے اور طویل مدّت میں صحیح نہ ہو گی۔ تو ہم نے قلیل اور کثیر مدت کے درمیان مدتِ نفاس کو حدِّ فاصل قرار دیا۔ کیونکہ نفاس ولادت کے اثرات میں سے ہے۔

امام ابوحنیفہ رح کی دلیل یہ ہے کہ مدت مقرر کرنے سے کیا حاصل؟ کیونکہ مدت تو غور و فکر اور سوچ بچار کے لئے ہوتی ہے (کہ مرد تحقیق کر لے) مگر سوچ بچار کے لحاظ سے لوگوں میں تفاوت ہوتا ہے (بعض کم مدت میں ایک چیز کی حقیقت کو پا لیتے ہیں اور بعض عرصہ دراز تک بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں کر سکتے) تو ہم نے ایسی بات کا اعتبار کیا جو بچے سے انکار نہ کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ مثلاً اس نے "مبارک باد" قبول کر لی۔ یا مبارک دیئے جانے کے وقت خاموش رہا۔ یا

Marfat.com

ولادت کے وقت جو اشیا، خرید کر لائی جاتی ہیں لے آیا۔ یا وہ وقت گزر گیا اور اس نے نفی نہ کی۔

اگر شوہر گھر میں موجود نہ ہو اور اسے ولادت کا علم نہ ہو۔ بعد میں کسی وقت سفر سے واپس آیا تو امام اعظم رحؒ کے قانون اور صاحبین کے اصول کے مطابق مدت کا اعتبار ہو گا (امام اعظم رحؒ کے نزدیک "مبارک باد" قبول کر لینا۔ یا مبارک کے وقت خاموش رہنا وغیرہ عدم نفی کی علامت ہو گا اور صاحبین کے نزدیک مدتِ نفاس قابلِ اعتبار ہو گی)۔

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر بیوی یک بارگی دو بچے جنے اور خاوند پہلے کے نسب کی نفی کر دے اور دوسرے کے نسب کا اقرار کرے تو دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو گا۔ کیونکہ یہ جڑواں بچے ہیں جن کی پیدائش ایک ہی نطفے سے ہوئی ہے۔ اور خاوند پر حدِّ قذف جاری ہو گی۔ کیونکہ اس نے دوسرے بچے کے متعلق صحتِ نسب کا دعوےٰ کر کے اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دی۔

مسئلہ : اگر خاوند پہلے بچّے کے نسب کا تو اعتراف کرے لیکن دوسرے کی نفی کر دے تو بھی دونوں کا نسب ثابت ہو گا۔ اس کی دلیل ابھی مذکور ہوئی ہے (کہ یہ جڑواں بچے ایک ہی نطفہ سے ہیں) اور شوہر کو لعان کرنا ہو گا۔ کیونکہ وہ دوسرے بچے کی نفی کرنے سے تہمت لگا رہا ہے۔ اور اپنے قول سے اس نے رجوع بھی نہیں کیا۔ اور زوجہ کے پاک دامن ہونے کا اقرار اس نے تہمت لگانے سے پہلے کیا ہے۔ گویا اس نے یوں کہا کہ میری عورت پاک دامن ہے۔ پھر کہنے

Marfat.com

لگا: یہ زانیہ ہے (تو اس صورت میں اس پر لعان واجب ہوگا) لہٰذا پہلے بچے کے اعتراف کے بعد دوسرے کی نفی کرنا بھی وہی حکم رکھتا ہے (یعنی لعان واجب ہوگا)۔

باب العنین وغیرہ

مسئلہ: اگر کسی عورت کا شوہر نامرد ہو (اور عورت قاضی کی عدالت میں دعوے کرے) تو قاضی اُسے ایک سال کی مہلت دے گا۔ اگر شوہر نے اس مدت کے اندر عورت سے مباشرت کر لی تو بہتر ہے ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا۔ بشرطیکہ عورت تفریق کا مطالبہ کرے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابنِ مسعودؓ سے اسی طرح ہی منقول ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت کے لئے مباشرت کا استحقاق ثابت ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس حق سے شوہر کا انکار کرنا کسی عارضی مرض کی بناء پر ہو یا کسی حقیقی آفت کی وجہ سے ہو۔ لہٰذا اتنی مدّت کا تعلّق ضروری ہے جس میں یہ سبب جانا جا سکے۔ اور ہم نے اس مدّت کا اندازہ ایک سال مقرر کیا ہے۔ کیونکہ سال میں چاروں موسم آجاتے ہیں۔ لیکن جب مقررہ مدّت گزر گئی اور مرد نے عورت سے مباشرت نہ کی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ معذوری کسی حقیقی آفت کی وجہ سے ہے لہٰذا "امساک بالمعروف" کا مقصد فوت ہو گیا اور احسان مندی کے طریقے سے چھوڑ دینا واجب ہو گیا۔ لیکن اگر خاوند اس بارے میں انکار سے کام لے تو قاضی اس کا قائم مقام ہوگا اور دونوں میں تفریق کر دے گا۔ مگر

Marfat.com

عورت کا مطالبہ کرنا ضروری ہے کیونکہ تفریق کرانا فقط عورت ہی کا حق ہے۔

مسئلہ : قاضی کی وارد کردہ فرقت طلاق بائن ہوگی۔ کیونکہ قاضی کا فعل شوہر کے فعل کی طرف منسوب ہوگا گویا کہ خاوند نے خود طلاق دی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کی تفریق فسخِ نکاح کے حکم میں ہوگی۔ مگر ہمارے نزدیک نکاح (اتمام عقد کے بعد) قابلِ فسخ نہیں رہتا۔

نیز قاضی کی تفریق اس لئے طلاقِ بائن شمار ہوگی کیونکہ تفریق سے مقصد یہ ہے کہ عورت سے ظلم و زیادتی کو دور کیا جائے۔ اور یہ مقصد طلاق بائن سے پورا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عورت اگر بائنہ نہ ہو تو شوہر کے رجوع کر لینے سے وہ پھر معلّق رہے گی۔

مسئلہ : اگر عنین آدمی عورت سے خلوت کر چکا ہے تو عورت کو پورا مہر ملے گا۔ کیونکہ عنین کی خلوت "خلوتِ صحیحہ" ہوتی ہے اور عورت پر (تفریق کے بعد) عدّت واجب ہوگی۔ جیسا کہ ہم باب المہر میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ سب کچھ اسی صورت میں ہوگا جب کہ زوج اقرار کرے کہ اس تک میری رسائی نہیں ہوئی۔

مسئلہ : اگر قربت کے بارے میں مرد اور عورت کا اختلاف ہو جائے (یعنی مرد کہے کہ اس نے مباشرت کر لی اور عورت اس سے انکار کرے) اگر تو عورت ثیبہ ہے تو مرد کی بات اس سے قسم لے کر تسلیم کر لی جائے گی۔ کیونکہ وہ فرقت کے حق کے ثابت ہونے سے انکار کرتا ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ عضو سالم ہو (لہٰذا اگر مرد قسم کھا کر کہہ دے کہ میں تندرست ہوں اور میں نے مباشرت کی ہے

Marfat.com

تو اس کی بات مانی جائے گی)۔

اگر شوہر نے بھی قسم کھالی تو عورت کا حق باطل ہو جائے گا۔ اور اگر قسم کھانے سے انکار کیا تو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

مسئلہ: اگر عورت باکرہ ہو تو عورتیں اس کا ملاحظہ کریں گی، اور اگر وہ اس کے باکرہ ہونے کی تصدیق کر دیں تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی تاکہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

اگر ملاحظہ کرنے والی عورتیں کہیں کہ یہ ثیبہ ہے تو خاوند سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم کھا لے تو عورت کا دعویٰ باطل ہو گا۔ اور اگر قسم سے انکار کرے تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

مسئلہ: اگر زوج مقطوع الذکر ہو تو اسی وقت تفریق کر دی جائیگی بشرطیکہ عورت مطالبہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

مسئلہ: خصّی مرد کو بھی نامرد کی طرح مہلت دی جائے گی۔ کیونکہ اس سے بھی مباشرت کی امید کی جا سکتی ہے۔ نیز جب خصّی کو ایک سال کی مہلت دی گئی اور اس نے (عدالت میں آکر) کہہ دیا کہ میں نے مباشرت کر لی ہے مگر بیوی انکار کرتی ہے تو عورتیں اس کا ملاحظہ کریں گی۔ اگر وہ کہہ دیں کہ یہ باکرہ ہے تو عورت کو اختیار حاصل ہو گا (اگر فرقت چاہے تو قاضی تفریق کر دے گا) کیونکہ بکارت کی وجہ سے عورتوں کی شہادت پوری ہو گئی۔

لیکن اگر عورتیں یہ کہہ دیں کہ یہ ثیبہ ہے تو خاوند کو قسم دلائی جائے گی۔ اگر قسم سے انکار کر دے تو عورت کو (فرقت کا) اختیار ہو گا کیونکہ شوہر کے

Marfat.com

قسم سے انکار نے عورت کے دعوے کی تائید کر دی۔

اور اگر مرد قسم کھالے تو عورت کو اختیار نہیں ہوگا۔ اگرچہ عورت پہلے ہی سے ثیبہ ہو تو مرد سے قسم لے کر اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس کا تذکرہ ہم ابھی کر چکے ہیں۔

مسئلہ: اگر عورت (عدالت میں ایک دفعہ) خاوند کو اختیار کر لے تو اس کے بعد اسے خیار حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر خود راضی ہو چکی ہے۔

مسئلہ: صحیح قول کے مطابق مہلت میں قمری سال کا اعتبار کیا جائے گا۔ ایام حیض اور رمضان کا مہینہ بھی سال ہی میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں سال ہی میں پائی جاتی ہیں۔ مگر عورت یا مرد کا مرض سال کی مہلت میں شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ سال کا عرصہ تو کبھی مرض سے خالی بھی ہوتا ہے (یعنی سال بھر میں آدمی بیمار نہ ہو)۔

مسئلہ: اگر بیوی میں کوئی عیب ہو تو خاوند کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا (خواہ طلاق دے دے خواہ نکاح برقرار رکھے) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ عیوب کی بناء پر نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے اور یہ جذام، برص، جنون، رتق اور قرن ہیں۔ کیونکہ مذکورہ امراض طبعی اور حسی نفرت کی وجہ سے تمتع میں حائل ہوتے ہیں اور طبیعت کی تائید تو شریعت اسلام سے بھی ہوتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تو مجذوم سے اس طرح بھاگ جس طرح کہ تو شیر سے بھاگتا ہے۔

Marfat.com

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب موت کی وجہ سے، جب کہ حصولِ تمتّع قطعاً ناممکن ہو جاتا ہے، نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ تو ان عیوب کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ فسخ نہ ہوگا۔ جب کہ ان عیوب کے ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ تمتّع تو کیا ہی جا سکتا ہے (اگرچہ ناقص ہی سہی) اور تمتع حاصل کرنا نکاح کا ثمرہ ہے۔ اور نکاح کا اصل حق یہ ہے کہ خاوند کو تمتع پر قابو حاصل ہو اور یہ چیز موجود ہے۔

مسئلہ: اگر مرد مرض جنون یا برص یا جذام میں مبتلا ہو تو امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عورت کو خیار حاصل نہ ہوگا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اسے اختیار ہوگا کہ وہ اپنے آپ سے ضرر کو دور رکھ سکے۔ جس طرح مجبوب اور عنین کی صورت میں ہوتا ہے۔ بخلاف شوہر کے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ سے ضرر دور کرنے پر (ہر وقت) قادر ہوتا ہے کہ جب چاہے طلاق دے سکتا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ زوجہ کو اختیار نہ دینا ہی اصل ہے۔ کیونکہ اختیار دینے سے شوہر کا حق باطل ہو جاتا ہے۔ اور مجبوب و عنین کی صورت میں زوجہ کو اس لئے اختیار دیا جاتا ہے کہ مجبوب اور عنین ہونے کی صورت وہ مقصد (یعنی وطی پر قادر ہونا) ہر لحاظ سے معدوم ہے جس کے لئے نکاح مشروع کیا گیا تھا۔ مگر یہ عیوب وطی پر قادر ہونے میں خلل انداز نہیں ہیں۔ لہٰذا دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

عدت کا بیان

مسئلہ: اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاقِ بائن یا طلاقِ رجعی دے دے یا ان میں بغیر طلاق کے فرقت واقع ہو جائے (مثلاً غلام شوہر کو عورت نے خرید لیا۔ یا معاذ اللہ شوہر مرتد ہو گیا) اور عورت آزاد ہو، اور ان عورتوں سے ہو جن کو حیض آتا ہے۔ تو اس کی عدت تین حیض ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طلاق یافتہ عورتیں اپنے نفوس کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں۔

اگر جدائی بغیر طلاق کے واقع ہو تو وہ بھی طلاق کے حکم میں ہو گی کیونکہ عدت کے ضروری قرار دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نکاح پر وارد فرقت کی وجہ سے براَتِ رحم ہو جائے (یعنی یہ پتہ چل جائے کہ عورت حاملہ ہے یا غیر حاملہ۔ ورنہ حاملہ ہونے کی صورت میں بچے کے نسب میں التباس پیدا ہو جاتا ہے)۔

اور یہ بغیر طلاق فرقت میں بھی ہے (کہ براَتِ رحم کی جائے)۔

ہمارے نزدیک قروء سے مراد حیض ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک قروء سے مراد طہر ہیں۔ لفظ قروء دونوں معنوں میں حقیقی طور پر استعمال ہوتا ہے کیونکہ قروء کا لفظ اضداد سے ہے۔ ابن سکیت لغوی کا بھی یہی قول ہے قرآن کریم میں یہ لفظ دونوں معنوں کو یکبارگی شامل نہ ہو گا کیونکہ یہ مشترک ہے (اور بیک وقت دونوں معنے مراد نہیں لئے جا سکتے) قروء سے مراد حیض

Marfat.com

لیناؒ زیادہ مناسب اور راجح ہے۔ اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ قُروء کا لفظ جمع ہے (اور جمع میں کم ازکم تین افراد ہوتے ہیں) لہٰذا اگر طُہر کے معنوں میں استعمال ہوگا تو جمع نہیں رہے گا۔ کیونکہ اس طُہر کا کچھ حصّہ پہلے گزر چکا ہوتا ہے جس میں طلاق واقع ہوتی ہے (لہٰذا کامل تین طُہر نہیں بن سکتے۔ حالانکہ جمع کے کم ازکم تین کامل افراد ہوتے ہیں)۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ عدّت کا مقصد برأتِ رحم ہوتا ہے۔ اور یہ برأت حیض ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا قُروء بمعنی حیض زیادہ مناسب ہوگا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عدّة الامة حيضتان (یعنی باندی کی عدّت دو حیض ہوتی ہے)

تو یہ حدیث لفظ قُرُوء کی تشریح قرار پائے گی۔ (کہ جب لونڈی کی عدّت کی تعیین حیض سے کی گئی تو حُرّہ کی عدّت کا تعیّن بھی حیض ہی سے ہونا چاہیئے)۔

مسئلہ: اگر مطلّقہ عورت کم سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے ذوات الحیض سے نہ ہو تو اس کی عدّت تین ماہ ہوگی۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: واللائی یئسن من المحيض من نساءكم الآیۃ۔ یعنی جو عورتیں حیض سے ناامید ہو چکی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی عدّت تین ماہ مقرر فرمائی ہے۔

اسی طرح اس عورت کی عدّت بھی تین ماہ ہے جو عمر کے لحاظ سے حدِّ بلوغ کو پہنچ جائے مگر اسے حیض نہ آئے۔ کیونکہ آیت کے آخر میں اسی صورت کا حکم مذکور ہے کہ جن عورتوں کو ابھی تک حیض نہیں آیا ان کی عدّت بھی تین

Marfat.com

ماہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر مطلّقہ عورت حاملہ ہو تو اس کی عدّت وضع حمل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ یعنی حاملہ عورتوں کی عدّت تب ختم ہوگی جب وضع حمل ہو جائے۔

مسئلہ: اگر مطلّقہ عورت باندی ہو تو اس کی عدّت دو حیض ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باندی کی مغلّظہ طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدّت دو حیض ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ غلامی نعمتوں کو نصف کر دیتی ہے مگر ایک حیض کا نصف نہیں ہو سکتا (کہ اس کی عدّت ڈیڑھ حیض مقرر کی جائے) وہ نصف پورا ہو کر اس کی عدّت دو حیض ہونگے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ فرمایا تھا کہ اگر ممکن ہوتا تو میں اس کی عدّت ڈیڑھ حیض مقرر کرتا۔

مسئلہ: اگر مطلّقہ باندی ایسی عورتوں سے ہے جنہیں حیض نہیں آتا تو اس کی عدّت ڈیڑھ ماہ ہوگی کیونکہ مہینے کا جزو ہو سکتا ہے۔ لہٰذا غلامی کے پیش نظر مہینے کی تنصیف ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر حُرّہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدّت چار ماہ اور دس دن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا۔ یعنی تم میں جو شخص بیویاں چھوڑ کر فوت ہو جاتے ہیں ان کی بیویوں کی عدّت چار ماہ دس دن ہوگی۔

Marfat.com

مسئلہ : اگر باندی کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدّت دو ماہ پانچ دن ہو گی۔ کیونکہ غلامی تنصیف کرنے والی ہے۔

مسئلہ : اگر کسی عورت کا خاوند اس کے حاملہ ہونے کی صورت میں فوت ہوا تو اس کی عدّت وضع حمل کے ساتھ ختم ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَاُولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن" مطلق ہے (جس میں مطلّقہ یا بیوہ کی کوئی قید نہیں) اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں۔ کہ سورۃ نساء اس آیت کے بعد نازل ہوئی جو سورۃ بقرہ میں ہے (تو سورۃ بقرہ کی آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جو لوگ اپنی عورتوں کو غیر حاملہ چھوڑ کر مریں تو ان کی عورتوں کی عدّت چار ماہ دس دن ہو گی۔ اور سورۃ نساء کی آیت حاملہ عورتوں کے بارے میں ہے)۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر عورت نے ایسی حالت میں بچہ جنا کہ اس کا مُردہ شوہر ابھی چارپائی (یا تختے) پہ پڑا ہے تو بھی یقیناً اس کی عدّت پایۂ اختتام تک پہنچ گئی۔ اور اس کے لئے جائز ہے کہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لے۔

مسئلہ : جب شوہر نے مرضِ موت میں عورت کو طلاق دی۔ مگر یہ عورت شوہر کی وارث بنی تو اس کی عدّت دونوں مدتوں میں سے طویل مدت ہو گی (مسئلے کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے حالتِ مرض میں عورت کو طلاق دی اور اسی مرض سے اس کی وفات ہو گئی۔ ابھی عورت کی عدّت طلاق نہیں گزری تھی کہ شوہر کی وفات ہو گئی۔ تو یہ عورت مرد کے مال میں

Marfat.com

وارث ہو گی۔ تو اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ عورت عدّتِ طلاق پوری کرے یا عدّتِ وفات) یہ صورت امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے (کہ دونوں میں سے دراز مدّت کی تکمیل کرے)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کی عدّت تین حیض ہو گی۔ اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ طلاق بائنہ ہو یا تین ہوں۔ لیکن اگر رجعی طلاق دی گئی ہو تو بالاتفاق وہ عدّتِ وفات پوری کرے گی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح طلاق کی وجہ سے موت سے پہلے ہی منقطع ہو چکا ہے اور اس سے تین حیض کی عدّت لازم آتی ہے۔ عدت وفات تو اس صورت میں ضروری ہوتی جب کہ نکاح کا انقطاع موت کے سبب ہوتا۔ البتہ میراث حاصل کرنے کے لئے اسے باقی رکھا گیا۔ لیکن اس سے عدّت میں تغیّر نہ ہو گا۔ بخلاف طلاق رجعی کے۔ کیونکہ رجعی کی صورت میں نکاح ہر لحاظ سے باقی رہتا ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب وراثت میں حقِ نکاح کی بقا تصوّر کی جا رہی ہے تو یہی بقاحق عدّت میں بھی متصوّر ہو سکتی ہے۔ اور احتیاط بھی اس میں ہے۔ لہٰذا دونوں کو جمع کر دیا جائے گا (کہ جس طرح نکاح بسلسلہ میراث باقی ہے اسی طرح بحق عدّت بھی باقی ہو گا)۔

اگر عورت کا شوہر مرتد ہونے کی بناء پر قتل کر دیا گیا اور وہ اس کی وارث بنی تو اس کی عدّت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض مشائخ کا قول ہے ایسی عورت کی عدّت بالاتفاق حیض سے ہو گی۔ کیونکہ اس صورت میں نکاح

Marfat.com

کو موت کے وقت تک بسلسلہ میراث باقی نہیں ٹھہرائیں گے۔ کیونکہ مسلمہ عورت کسی کافر کی وارث نہیں ہو سکتی (بلکہ شوہر کے مرتد ہوتے ہی نکاح ختم ہو جائے گا۔ اور چونکہ وہ واجب القتل ہے لہٰذا اس کی طرف سے جدائی مرض الموت کے مریض کی طلاق کی طرح ہو گی۔ اور عورت وارث ہو گی)۔

مسئلہ: اگر طلاق رجعی کی صورت میں عدّت کے اندر اندر باندی کو آزاد کر دیا گیا تو اس کی عدّت آزاد عورتوں جیسی ہو جائے گی۔ کیونکہ نکاح ہر لحاظ سے باقی تھا۔

مسئلہ: اگر باندی طلاق بائن کی عدّت گزار رہی ہو یا عدّتِ وفات، اور اسے آزاد کر دیا گیا تو اب اس کی عدّت حُرّہ عورتوں کی عدّت کی طرف مائل نہ ہو گی۔ کیونکہ پہلا نکاح طلاق بائن یا وفات شوہر کی وجہ سے زائل ہو چکا ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر مطلقہ عورت آئسہ تھی۔ اس نے مہینوں کا حساب کر کے عدّت گزار دی۔ لیکن بعد میں خون کا اجرا ہو گیا تو اس کی پہلی عدّت ٹوٹ گئی اور اسے نئے سرے سے اپنی عدّت حیض کے لحاظ سے پوری کرنا ہو گی۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت نے خون معمول کے مطابق دیکھا۔ کیونکہ خون کے دوبارہ آنے سے اس کا آئسہ ہونا ختم ہو گیا۔ یہی صحیح ہے تو معلوم ہو گیا کہ مہینوں کی عدّت قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ (یعنی عدّت میں اصل یہی ہے کہ حیضوں سے مکمل کی جائے۔ لیکن اگر صِغر یا کبر کی وجہ سے حیض نہ آئے

Marfat.com

تو مہینوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ اور یہی تین ماہ تین حیضوں کے قائم مقام ہو جاتے ہیں۔ پس اگر ایک عورت نے گمان کیا کہ وہ حیض سے مایوس ہو چکی ہے اور وہ مہینوں کے حساب سے عدّت گزارنے لگی۔ اور بعد میں اسے حیض کا خون عادتِ حیض کے مطابق جاری ہو گیا تو اب یہ آئسہ نہیں رہی۔ لہٰذا مہینے حیض کے قائم مقام نہ ہو سکیں گے) کیونکہ قائم مقام ہونے کی شرط یہ ہے کہ اصل یعنی حیض سے مایوسی ثابت ہو جائے۔ اور یہ ثبوت اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب کہ مرتے دم تک حیض نہ آئے۔ جیسا کہ شیخ فانی کے لئے روزے کا فدیہ ہے (کہ فدیہ اسی صورت میں کارآمد ہو گا جب کہ بوڑھا موت تک روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو سکے)۔

مسئلہ: اگر کسی مطلّقہ کو عدّت گزارنے کے سلسلے میں دو بار حیض آیا۔ لیکن پھر مایوسی ہو گئی۔ تو اب مہینوں کے حساب سے وہ اپنی عدّت گزارے تاکہ بدل اور مبدل منہ میں جمع لازم نہ آئے۔

مسئلہ: جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا (اور اس سے مباشرت بھی کر لی گئی) یا کسی عورت سے شبہ میں مباشرت کر لی گئی (تو ان دونوں پر عدّت لازم ہو گی) اور ان کی عدّتِ فرقت یا عدّتِ وفات حیض سے ہو گی۔ کیونکہ اس عدّت کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ عورت کا رحم حمل سے خالی ہے۔ اور یہ عدّت کسی حقِ نکاح کے پورا کرنے کے لئے نہیں ہوتی اور اس شناخت کے لئے حیض ہی مخصوص ہے (لہٰذا عدّت بذریعہ حیض ہی ہو گی)۔

مسئلہ: اگر ام ولد کا مولیٰ وفات پا گیا۔ یا اس نے اسے آزاد کر

Marfat.com

دیا تو اُمِّ ولد کی عدّت تین حیض ہوگی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی عدّت صرف ایک حیض ہوگی۔ کیونکہ یہ عدّت تو ملک یمین کے زائل ہونے سے واجب ہوئی ہے تو استبراء کے مشابہ ہوگی۔ (اگر کوئی شخص موطوءۃ باندی فروخت کرے تو مشتری کے ذمے استبراء واجب ہے۔ ایک حیض آنے کے بعد اس سے مباشرت کر سکتا ہے تو اسی طرح ملک یمین کے زائل ہونے سے بھی ایک حیض کو عدّت بنایا جا سکتا ہے)۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ام ولد کی عدّت اس لئے واجب ہوئی ہے کہ وہ فراش نہیں رہی تو عدّت نکاح کے مشابہ ہوگئی۔ نیز اس حکم میں ہمارے مقتدا و امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ ام ولد کی عدّت تین حیض ہیں۔

مسئلہ: اگر امِّ ولد ان عورتوں سے ہو جن کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدّت تین ماہ ہوگی۔ جیسے نکاح میں ہوتا ہے (یعنی جس طرح زوالِ نکاح میں ایسی عورت کی عدّت تین ماہ ہوتی ہے)۔

مسئلہ: اگر نابالغ لڑکا اپنی بیوی چھوڑ کر مرا جو حاملہ تھی، تو طرفین کے نزدیک اس کی عدّت وضع حمل سے پوری ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کی عدّت چار ماہ دس دن ہوگی۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے (امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے) کیونکہ اس حمل کا نسب صغیر سے ثابت نہیں۔ تو یہ ایسا ہو گیا جیسے صغیر کے مرنے کے بعد حمل ہوا ہو۔

Marfat.com

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ "واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن" مطلق ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدّت وضع حمل ہی سے ختم ہوجاتی ہے خواہ یہ مدّت قلیل ہو یا کثیر۔ یہ اس لئے نہیں ہوتی کہ رحم کا حمل سے خالی ہونا معلوم کیا جائے۔ کیونکہ مہینوں کے لحاظ سے عدّتِ وفات اس عورت کے لئے مشروع ہے جس کو حیض آیا کرتا ہے۔ بلکہ یہ عدّت تو حقِ نکاح کی ادائیگی کے لئے ہے۔ اور حقِ نکاح کی ادائیگی تو صغیر کی صورت میں بھی موجود ہے۔ اگرچہ حمل اس کے نطفہ سے نہ ہو۔ البتہ اس حمل کی صورت اس سے قطعاً مختلف ہے جو وفات کے بعد پیدا ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے مہینوں کے ساتھ عدت واجب ہوچکی ہے لہٰذا بعد میں حمل کے حدوث سے تبدیل نہ ہوگی۔

اور زیرِ بحث مسئلے میں عدّت شروع ہی سے حمل کی مدّت کے ساتھ واجب ہوئی ہے (کیونکہ جب صغیر کی وفات ہوئی تو یہ حاملہ تھی) تو اس کا اختتام وضعِ حمل ہی سے ہوگا۔ پس دونوں مسئلوں میں فرق ظاہر ہوگیا۔ اس اصول کے پیشِ نظر آپ کا بالغ کی زوجہ والا اعتراض بھی وارد نہ ہوگا کہ جب بالغ خاوند وفات پاجائے اور حمل بعد میں ظاہر ہو۔ کیونکہ حمل کا نسب اس بالغ سے ثابت ہوگا تو گویا وہ حمل موت کے وقت ہی موجود تھا۔

مسئلہ: دونوں صورتوں میں (یعنی خواہ صغیر کی موت کے وقت حمل ہو یا بعد میں ظاہر ہو) بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ صغیر میں تو ابھی نطفے کا وجود ہی نہیں۔ لہٰذا حمل بھی اس کی طرف سے متصوّر نہ ہوگا اور نکاح کو

Marfat.com

مباشرت کے قائم مقام وہاں کیا جاتا ہے جہاں مباشرت متصور ہو سکے۔

مسئلہ: اگر کسی مرد نے اپنی عورت کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی تو اس حیض کو جس میں طلاق واقع ہوئی عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ عدت تین مکمل حیضوں سے پوری ہوتی ہے لہٰذا اس میں کمی نہ کی جائے گی (اور تین مزید حیض پورے کئے جائیں گے کیونکہ جس حیض میں طلاق واقع ہوئی ہے وہ نامکمل ہے)

مسئلہ: اگر معتدہ عورت کے ساتھ (جائز سمجھتے ہوئے) شبہ میں مباشرت کی گئی تو اس عورت پر دوسری عدت واجب ہو گی اور دونوں عدتیں ساتھ ساتھ شمار ہوں گی۔ اور صورت یہ ہو گی کہ اس کے بعد عورت کو جو حیض آئے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہو گا۔ اور جب پہلی عدت تکمیل پذیر ہو گئی اور دوسری مکمل نہ ہوئی تو عورت پر دوسری کی تکمیل بھی واجب ہو گی۔ یہ صورت احناف کے نزدیک ہے۔ (اس مسئلے کی وضاحت اس مثال سے ہو جائے گی کہ ایک عورت طلاق بائن کی عدت گزار رہی ہے۔ ایک حیض کے اختتام کے بعد اس سے شبہ میں وطی کر لی گئی تو اب تین حیض کی دوسری عدت بھی واجب ہو گئی۔ اب جو حیض آئے گا وہ پہلی عدت کا دوسرا حیض ہو گا اور دوسری عدت کا پہلا۔ اس کے بعد جو حیض آیا وہ پہلی عدت کا تیسرا ہو گا جس سے پہلی عدت اختتام پذیر ہو گئی مگر دوسری عدت کا دوسرا حیض ہو گا۔ اس کے بعد اسے ایک اور حیض کا انتظار کرنا پڑے گا)۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہ ہونگی۔

Marfat.com

کیونکہ عدّت سے مقصود عبادت یا احکامِ خداوندی کی تعمیل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو نکاح ثانی کرنے اور باہر نکلنے سے روکے رکھے تو دو عبادتیں یکبارگی ادا نہیں ہوتیں۔ جیسے کہ ایک ہی دن میں دو روزے نہیں رکھے جا سکتے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عدّت کا مقصود یہ ہے کہ معلوم ہو سکے کہ رحم حمل سے خالی ہے۔ اور اس چیز کا علم تو ایک ہی عدّت سے حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دوسری عدّت کو بھی اس کے ساتھ ہی شمار کر لیا جائے گا۔ اور اس مسئلے میں عبادت کا پہلو مقصدِ عدّت کے تابع ہوگا۔ کیا آپ کو یہ تسلیم نہیں کہ عورت کے علم کے اور اپنے آپ کو روکے بغیر بھی عدّت گزر جاتی ہے۔ (مثلاً مرد نے سفر میں طلاق دے دی اور عدّت بھی سفر کے دوران ہی گزر گئی۔ تو اب عورت کو نہ طلاق کا علم تھا نہ عدّت کا۔ اسی طرح اگر عورت عدّت میں گھر سے نکلے اور دوسرے سے نکاح کر لے تو نکاح فاسد ہوگا مگر عدّت باطل نہ ہوگی۔ اگر یہ عدّت صرف عبادت ہی عبادت ہوتی تو عورت کے علم و اختیار کا ضرور دخل ہوتا)۔

مسئلہ: اگر عدتِ وفات پورا کرنے والی عورت سے شبہ میں مباشرت کی گئی تو وہ مہینوں کے حساب سے اپنی عدت پوری کرے گی۔ اور اس دوران میں جو حیض آئے اس کو دوسری عدت میں شمار کرے تاکہ حتی الامکان دونوں عدّتوں کا یکبارگی شمار ہو سکے۔

مسئلہ: طلاق کی صورت میں عدّت کی ابتداء طلاق کے بعد شروع ہوگی

Marfat.com

اور وفات کی صورت میں شوہر کے مرتے ہی - اگر عورت کو طلاق کا یا خاوند کی وفات کا علم نہ ہو سکے حتیٰ کہ عدّت کی مدّت گزر جائے تو اس سے عدّت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ عدّت کے واجب ہونے کا سبب طلاق یا وفات ہے۔ لہٰذا اس کی ابتداء بھی سبب کے موجود ہونے کے وقت سے شمار ہو گی۔

سمرقند و بخارا کے احناف مشائخ کا فتویٰ اس بارے میں یہ ہے کہ اقرار کے وقت سے عدّت کی ابتداء ہو گی۔ تاکہ باہمی قرار داد کا الزام دور ہو سکے (مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں نے چار ماہ سے تمہیں طلاق دے دی تو مرد کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ لیکن اگر طلاق کے کچھ روز بعد ہی عورت مرد سے کہے کہ تم مجھے طلاق تو دے ہی چکے ہو۔ اگر انقضائے عدّت کا اقرار بھی کر لو تو میرے لئے سہولت ہو جائے گی۔ تو مشائخ نے باہمی مشورت کے اس الزام کو دور کرنے کے لئے مذکورہ اصول پیش کیا)۔

مسئلہ: نکاح فاسد میں عدّت کا آغاز تفریق کے بعد سے ہو گا۔ یا اس وقت سے جب کہ مباشرت کرنے والے نے ترکِ مباشرت کا عزم کر لیا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ عدّت سب سے آخری مباشرت کے بعد شروع ہو گی۔ کیونکہ مباشرت ہی تو عدّت کے واجب ہونے کا سبب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد فاسد میں جتنی بار بھی مباشرت کی گئی وہ سب بمنزلہ ایک مباشرت کے ہوں گی۔ کیونکہ سب کی نسبت ایک ہی عقد فاسد کی طرف ہے۔ اسی لئے کہ ان تمام مباشرتوں کے عوض فقط ایک ہی مہر دیا جاتا ہے۔ تو جب تک کہ باہمی جدائی نہ ہو یا ترکِ مباشرت کا عزم نہ ہو تب تک

Marfat.com

عدّت کا واجب ہونا ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ ابھی مباشرت کے پلٹے جانے کا احتمال باقی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وطی شبہ پر قابو حاصل ہونے کو بھی حقیقی مباشرت کے قائم مقام مانا جائے گا۔ کیونکہ مباشرت ایک مخفی امر ہے اور ضرورت یہ درپیش ہے کہ مباشرت کرنے والے کے علاوہ دوسرے مرد کے حق میں حکم معلوم ہو سکے (یعنی ہمیں یہ معلوم کرنا پڑتا ہے کہ نکاحِ فاسد کے بعد جو اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے وہ کس وقت کر سکتا ہے۔ کیونکہ جب تک عورت پہلے مرد کے قابو میں ہے امکان مباشرت موجود ہے۔ لہٰذا تفریق یا ترکِ وطی کے عزم سے پہلے پہلے عدّت کے حکم کا آغاز کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وطی کے متعلق یہ معلوم کرنا کہ یہ آخری ہوگی یقینی نہیں ہے)۔

مسئلہ: اگر معتدّہ عورت نے کہا کہ میری عدّت گزر چکی ہے اور شوہر نے اس کی بات کو جھٹلایا تو عورت اگر قسم کھا کر اپنے قول کی تصدیق کردے تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔ کیونکہ اس (عدّت کے بارے میں) وہ امینہ تصوّر کی جاتی ہے۔ مگر چونکہ اس پر کذب بیانی کا الزام لگایا گیا ہے اس لئے مودَع (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہو) کی طرح اسے قسم کھانا پڑے گی (اگر مودَع قسم کھا کر کہہ دے کہ میں امانت واپس کر چکا ہوں تو اس کا قول قابلِ قبول ہوتا ہے)۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے عورت کو طلاقِ بائن دے دی۔ پھر عدت میں اس سے نکاح کر لیا۔ مگر دخول سے پہلے ہی پھر طلاق دے دی تو مرد کو پورا مہر ادا

Marfat.com

کرنا ہوگا۔ اور عورت پر مستقل عدّت ہوگی۔ یہ صورت امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مرد پر نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر پہلی عدّت کی تکمیل ہی ضروری ہوگی کیونکہ اسے طلاق قبل الدخول دی گئی ہے۔ لہٰذا نہ تو مرد پہ پورا مہر واجب ہوگا اور نہ ہی عورت کو عدّت کی از سر نو ابتدا کرنا ہوگی۔ رہا پہلی عدّت کو پورا کرنا تو وہ پہلی طلاق کی وجہ سے واجب ہے کیونکہ دوسرے نکاح کا حال ظاہر نہیں ہوا۔ مگر جب دوسرا نکاح طلاق سے زائل ہو تو طلاقِ اوّل کا حکم ظاہر ہو جائے گا۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص امّ ولد خرید کر آزاد کر دے۔ (یعنی ایک شخص نے اپنی منکوحہ لونڈی جس سے اس کی اولاد بھی پیدا ہوئی تھی قیمتاً خرید لی۔ پھر اسے آزاد کر دیا۔ خرید کی وجہ سے نکاح زائل ہو کر دو حیض کی عدّت واجب ہوئی۔ پھر آزاد کرنے سے تین حیض کی عدت واجب ہے کیونکہ مملوکہ ہونے سے اس کے حق میں عدّت ظاہر نہ تھی اور زوالِ ملک کے بعد حکمِ عدّت ظاہر ہو گیا)۔

امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت دراصل پہلی مباشرت کی وجہ سے ہی اپنے شوہر کے قبضہ میں ہے۔ اور پہلی مباشرت کا اثر یعنی عدّت ابھی باقی ہے۔ پس جب مرد نے اس سے نیا نکاح کیا اور عورت ابھی شوہر کے قبضہ میں ہی ہے۔ تو یہ پہلا قبضہ دوسرے نکاح کے واجب قبضے کا قائم مقام ہو گیا۔ جیسا کہ کسی شخص نے دوسرے کا غلام چھین کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ پھر اسی غلام کو مالک سے خرید لیا۔ جب کہ وہ غلام پہلے ہی سے اس

Marfat.com

کے قبضہ میں موجود ہے تو پہلا قبضہ ہی قبضۂ خرید کے قائم مقام ہوجاتا ہے پس اس مثال سے ظاہر ہوگیا کہ نکاح دوم کے بعد جو طلاق واقع ہوئی ہے وہ طلاق بعد الدخول ہے۔ یعنی پورا مہر اور عدّت واجب ہوگی۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ عورت پر عدّت لازم ہی نہیں۔ کیونکہ پہلی عدّت تو نکاحِ ثانی سے ساقط ہوگئی۔ لہٰذا دوبارہ نہ ہوگی اور دوسری بار طلاق کی صورت میں عدّت واجب ہی نہیں (کیونکہ طلاق قبل الدخول ہے) اس کا جواب بھی وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں۔

مسئلہ: اگر ذمّی مرد ذمّیہ عورت کو طلاق دے دے تو ذمیہ پر عدّت لازم نہیں۔ اسی طرح اگر حربیہ عورت مسلمان ہوکر ہمارے پاس پہنچ جائے (تو اس پر عدّت واجب نہ ہوگی) اگر وہ نکاح کرے تو جائز ہے۔ البتہ حاملہ ہونے کی صورت میں نکاح جائز نہیں۔ یہ تمام صورتیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہیں۔

صاحبین کہتے ہیں کہ حربیہ پر بھی اور ذمّیہ پر بھی عدّت واجب ہے۔ ذمیہ پر وجوبِ عدّت کی دلیل یہ ہے کہ ذمیہ کے بارے میں جو اختلاف ہے یہ اسی طرح کا ہے جو ذمّیوں کا دائمی حرام عورتوں سے نکاح کرنے کے بارے میں ہے۔ اور ہم اس کو کتاب النکاح کے اہلِ شرک کے نکاح کے باب میں بیان کرچکے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ کا قول ایسی صورت میں ہے جب کہ ذمّیوں کا یہ اعتقاد ہو کہ مطلّقہ پر عدّت واجب نہیں ہوتی۔

Marfat.com

اور جو عورت مشرف باسلام ہو کر دارالاسلام میں آئے صاحبین اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر فرقت کسی دوسرے سبب سے وقوع پذیر ہوتی تو عدّت واجب ہوتی۔ اسی طرح دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں آنے سے بھی جو فرقت واقع ہوئی ہے اس سے عدّت بھی واجب ہو گی۔ بخلاف اس کے اگر شوہر مشرف باسلام ہو کر دارالاسلام میں چلا آئے اور عورت کو دارالحرب میں چھوڑ آئے تو اس پر عدّت نہ ہو گی کیونکہ اس تک حکم شریعت نہیں پہنچا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: لاجناح علیکم ان تنکحوھن۔ یعنی جو عورتیں دارالحرب سے مشرف باسلام ہو کر تمہارے پاس آجائیں تمہیں ان کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بنی آدم یعنی انسانوں کے حق کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہی عدّت واجب کی جاتی ہے (یعنی پہلے شوہر کے حق کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ اگر عورت بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت رہے) مگر حربی کا کوئی حق نہیں کیونکہ وہ تو جمادات کی مانند ہے حتیٰ کہ وہ ملکیت میں آسکتا ہے۔ البتہ حربیہ حاملہ ہو (تو پھر وضع حمل سے پہلے اس سے نکاح جائز نہ ہو گا) کیونکہ اس کے پیٹ میں ایسا بچہ ہے جس کا نسب ثابت ہے۔

امام حسنؒ نے ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی کی ہے کہ حاملہ سے نکاح تو جائز ہو گا مگر اس سے مباشرت نہ کرے۔ جیسا کہ زنا کی وجہ سے حاملہ کے ساتھ نکاح تو جائز ہے مگر مباشرت جائز نہیں۔ مگر پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے (کہ وضعِ حمل سے قبل نکاح ہی جائز نہ ہو گا)۔

Marfat.com

فصل

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جو عورت اپنے شوہر سے جُدا ہو جائے (ایک طلاق بائنہ یا تین طلاق یا خلع وغیرہ سے) یا جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ عورت بالغہ ہو اور مسلمان ہو تو اس پر سوگ کرنا واجب ہے۔ جہاں تک اس عورت کا تعلّق ہے جس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کے متعلّق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ وہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔" البتہ اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک جائز ہے۔ رہا سوگ کا واجب ہونا ایسی عورت پر جو شوہر سے جُدا ہو گئی ہو تو یہ فقط ہمارے نزدیک ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی عورت پر سوگ لازم نہیں۔ کیونکہ سوگ تو ایسے خاوند کی وفات پر منایا جاتا ہے جس نے مرتے دم تک عورت کی ذمہ داری کے ساتھ نباہ کیا۔ مگر جس شوہر نے اسے جُدا کر دیا ہے تو اس نے عورت کی پریشانیوں میں اضافہ کر دیا۔ لہٰذا اس کے جُدا ہونے پر اظہار تأسّف کی کیا ضرورت ہے؟

ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے جس میں آپؐ نے عدّت گزار عورت کو حنا کے استعمال سے منع فرمایا اور کہا کہ حنا خوشبو ہوتی ہے۔

Marfat.com

دوسری دلیل یہ ہے کہ نعمتِ نکاح کے زائل ہونے کا تاسّف کرنے کے لئے سوگ واجب ہے۔ کیونکہ نکاح عورت کے لئے عصمت و حفاظت کا ذریعہ تھا اور اس کی تمام ضروریات کا کفیل تھا۔ اور یہ جدائی شوہر کی موت کی جدائی سے زیادہ اضطراب انگیز ہے۔ چنانچہ جدائی سے پہلے وہ اپنے مُردہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے مگر جُدا ہونے کے بعد جائز نہیں۔

مسئلہ : حداد یا احداد لغت میں دونوں صحیح ہیں۔ یہ ہے کہ عورت خوشبو، زینت، سرمہ اور تیل خواہ خوشبودار ہو یا غیر خوشبودار کا استعمال ترک کر دے۔ ہاں کسی مجبوری کی بناء پر ان کا استعمال روا ہو سکتا ہے۔ امام محمدؒ نے جامع الصغیر میں فرمایا کہ کسی درد یا تکلیف کی وجہ سے استعمال کی اجازت ہے۔

سوگ منانے کے دو مقصد ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ نکاح کے زائل ہونے پر اظہار تاسّف کیا جائے اور دوسرا یہ ہے کہ متذکرہ بالا زیب و زینت کی چیزیں عورت کی طرف رغبت دلاتی ہیں۔ حالانکہ اس عورت کو نکاح سے ممانعت ہے تو وہ ان اشیاء کے استعمال سے بھی گریز کرے کہ کہیں یہی چیزیں حرام (یعنی عدّت میں نکاح) میں پڑنے کا باعث نہ بن جائیں۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے عدّت گزار عورت کو سُرمہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دی تھی۔

تیل کوئی بھی ہو، اس میں کوئی نہ کوئی خوشبو ضرور ہوتی ہے۔ نیز اس میں بالوں کی زینت ہوتی ہے۔ اس لئے احرام باندھنے والے شخص کو تیل لگانے

Marfat.com

سے منع کیا گیا ہے۔

امام قدوریؒ کے قول "الا من عذر" سے مراد یہ ہے کہ ان اشیاء کا استعمال بطور دوا جائز ہے، زینت کے لئے جائز نہیں۔ مثلاً اگر عورت روزانہ تیل کے استعمال کی عادی ہے، اسے اندیشہ ہے کہ تیل ترک کرنے سے سر میں درد ہو جائے۔ اگر اس بات کا ظاہری طور پر علم ہو سکے تو اس کے لئے استعمالِ تیل مباح ہوگا۔ کیونکہ جس امر کے واقع ہونے کا غالب گمان ہو وہ واقع ہونے والے کی طرح شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ریشمی کپڑے کا استعمال بھی اس کے لئے ناگزیر ہو تو عذر کی بناء پر استعمال کرنے میں ہرج نہ ہوگا۔

مسئلہ: عدت گزار عورت حنا کا رنگ بھی استعمال نہ کرے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ نیز معتدہ عورت کُسم اور زعفران سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے کیونکہ اس سے خوشبو نکل کر ادھر اُدھر بکھرتی ہے۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ کافرہ عورت پر سوگ منانا واجب نہیں، کیونکہ وہ حقوقِ شرع کی پابند نہیں۔ اسی طرح نابالغ عورت کے لئے بھی سوگ منانا ضروری نہیں، کیونکہ شرعی حقوق کے ساتھ ابھی تک اسے مخاطب نہیں کیا گیا۔

مسئلہ: عدت گزار باندی پر سوگ کرنا واجب ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی پابند ہے جن میں اس کے مالک کا حق باطل نہیں ہوتا۔ البتہ اسے گھر سے نکلنے سے نہیں روکا جا سکتا۔ کیونکہ اس سے مولیٰ کا حق باطل ہوتا ہے۔ (اگر وہ گھر سے باہر نہ جائے تو مولیٰ کے کام کاج کیسے سرانجام دے سکے گی۔ کیونکہ

Marfat.com

مالک ایک بندۂ محتاج ہے جسے باندی سے خدمت لینے کی حاجت درپیش ہے۔ لہٰذا اس کی حاجت کو حقِ شرع پر مقدم کیا گیا۔

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ ام ولد اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ منانا ضروری نہیں۔ کیونکہ ان کے حق میں نعمتِ نکاح کا ازالہ نہیں ہوا کہ اظہار تاسف کریں۔ اور مباح ہونا اصل کی حیثیت رکھتا ہے (کیونکہ زیب و زینت دراصل مباح ہے اسے کسی عارضے کی بناء پر ہی ترک کیا جا سکتا ہے)۔

مسئلہ : جو عورت عدت کے ایام گزار رہی ہو اس کی طرف منگنی کا پیغام بھیجنا مناسب نہیں۔ ہاں اشارے اور کنائے سے کام لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے" لاجناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللّٰہ انکم ستذکرونھن ولکن لاتواعدوھن سراً الا ان تقولوا قولاً معروفا۔ یعنی اگر تم معتدہ عورتوں کی منگنی کے لئے اشارے سے کام لو تو کوئی مضائقہ نہیں یا اسے اپنے دل میں چھپاؤ۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم عنقریب ہی ان سے منگنی کرنا چاہو گے۔ لیکن تم ان کے ساتھ کوئی پوشیدہ معاہدہ نہ کرو۔ ہاں بھلائی کی بات کر سکتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سر" سے مراد نکاح ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تعریض یہ ہے کہ مرد معتدہ کے پاس جا کر نکاح کی بات چیت چھیڑے اور کہے کہ میرا ارادہ ہے کہ میں شادی کر لوں۔

قول معروف کی توضیح کرتے ہوئے سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ مثلاً اس قسم کے الفاظ ادا کرے:" انی فیک لراغب" "وانی ادید ان تجتمع"۔ یعنی مجھے

Marfat.com

تجھ سے رغبت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو (میرے ساتھ) یکجا ہو جائے۔

مسئلہ: جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو یا بائنہ قطعی، اسے رات یا دن کے وقت اپنے گھر سے نکلنا جائز نہیں۔ اور جس کا شوہر مرگیا ہو وہ دن کے وقت اور کچھ رات گئے تک نکل سکتی ہے، مگر اپنے گھر کے علاوہ کہیں رات بسر نہ کرے۔ مطلقہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم انھیں گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ مگر اس صورت میں کہ فاحشہ مبینہ (کھلی بے حیائی) کا ارتکاب کریں۔ بعض فقہائ نے کہا کہ یہاں فاحشہ مبینہ سے مراد ہی گھر سے نکلنا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد زنا ہے (کہ اگر زنا کا ثبوت ہو جائے تو ان پر) حد لگانے کے لئے نکالا جائے گا۔

جس عورت کا شوہر مرچکا ہو اسے گھر سے نکلنے کی اجازت اس لئے دی جاتی ہے کہ اس کے پاس ضروریات کی کفالت کے لئے اخراجات نہیں ہوتے۔ لہذا طلب معاش کے سلسلے میں اسے مجبوراً گھر سے باہر جانا پڑتا ہے اور کبھی کبھی رات کے آنے تک گھر سے باہر رہنا پڑتا ہے۔ مگر مطلقہ کی یہ صورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے اخراجات اس کے شوہر کے مال سے پورے کئے جاتے ہیں۔ ہاں اگر عورت نے اپنی عدت کے نفقے کے عوض شوہر سے خلع لیا ہو تو بعض علماء کے نزدیک وہ دن کے وقت نکل سکتی ہے مگر بعض ممانعت خروج کے قائل ہیں کیونکہ اس نے اپنا حق خود ساقط کیا۔ تو اس کی وجہ سے وہ حق جو اس پر واجب ہے (عدم خروج) ساقط نہ ہوگا۔

مسئلہ: عدت گزار عورت پر واجب ہے کہ اسی گھر میں اپنی عدت

Marfat.com

پوری کرے جو جدائی یا شوہر کی وفات کے وقت اس کی سکونت کا گھر کہلاتا تھا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ان عورتوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور جس بیت کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے وہ وہی گھر ہوتا ہے جس میں عورت سکونت پذیر ہو۔ لہٰذا اگر وہ اپنے میکے والوں سے ملنے گئی ہوئی ہو اور اس کا خاوند اسے طلاق دے دے تو عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے گھر لوٹ آئے اور اسی گھر میں عدّت گزارے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو فرمایا جس کا خاوند شہید ہو چکا تھا کہ اپنے ہی گھر میں قیام کر حتیٰ کہ (قرآن کے مطابق) تمہاری عدّت مکمل ہو جائے۔

مسئلہ: اگر متوفی شوہر کے گھر میں سے عورت کا حصہ اس کی رہائش کے لئے ناکافی ہو اور دوسرے وارث اسے اپنے حصوں میں نہیں رہنے دیتے تو عورت وہاں سے منتقل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ انتقال معذوری کی بناء پر ہے اور معذوری تو عبادات میں بھی مؤثر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگر وہاں رہنے میں عورت کو اپنے مال و متاع کے لٹ جانے کا خطرہ ہو، یا بوسیدگی کی وجہ سے مکان کے گرنے کا اندیشہ ہو، یا مکان کرائے کا تھا مگر اب وہ کرایہ ادا کرنے سے قاصر ہے (تو ان تمام صورتوں میں وہ مکان تبدیل کر سکتی ہے۔ ایسا ہی زیر بحث صورت میں مکان بدل سکتی ہے)۔

مسئلہ: اگر میاں بیوی کے درمیان طلاق بائن یا تین طلاقوں کی بناء پر فُرقت واقع ہو جائے، تو دونوں کے درمیان پردہ ہونا ضروری ہے تاکہ الگ

Marfat.com

الگ نہ رہ سکیں۔ تو پھر ایک مکان میں رہنے سے کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ شوہر کو اس کی حُرمت کا اعتراف ہے (لہٰذا ایک گھر میں رہنے سے کیا مضائقہ) البتہ اگر مرد بدکار اور اوباش قسم کا ہو جس سے بدکاری کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی عورت وہاں سے نکل سکتی ہے کیونکہ تحفظِ عصمت بھی شرعی عذر ہے۔ لیکن جس مکان میں منتقل ہو کر جائے وہاں سے باہر نہ نکلا کرے۔ سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ مرد خود اس گھر سے نکل جائے اور عورت کو وہاں رہنے دے۔

مسئلہ: اگر دونوں نے اپنے درمیان ایک قابلِ اعتماد عورت کو حائل کر لیا، جس کو برائی سے روکنے کی قدرت ہے تو بہت مناسب ہوگا۔ اور اگر وہ مکان دونوں پر تنگ ہو تو عورت کو نکل جانا جائز ہے۔ مگر مناسب یہ ہے کہ مرد خود نکل جائے۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی معیّت میں مکّہ کی طرف روانہ ہوئی راستے میں شوہر نے ایسی جگہ جہاں شہری آبادی نہیں عورت کو تین طلاقیں دے دیں یا وفات پا گیا۔ پھر اگر اس جگہ سے عورت کا شہر تین دن سے کم فاصلے پر ہو تو اپنے شہر کی طرف لوٹ آئے کیونکہ یہ اس کا ابتدائی طور پر نکلنا نہ ہوگا بلکہ سفرِ اوّل ہی پر مبنی ہوگا۔ اگر فاصلہ تین دن کا ہو تو عورت کو اختیار ہے اگر چاہے تو لوٹ آئے اور چاہے تو مکّہ کی طرف سفر جاری رکھے۔ خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو۔ اس مسئلے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں جانا چاہتی ہے وہاں تک بھی تین دن کی مسافت ہو۔ کیونکہ چلے جانے کی بہ نسبت وہاں پڑے رہنا زیادہ خطرناک ہے۔ سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ اپنے گھر لوٹ آئے تاکہ شوہر کے مکان ہی میں عدّت گزار لے۔

Marfat.com

مسئلہ : امام محمدؒ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو کسی شہر میں تین طلاقیں دیں یا مرگیا، تو عورت عدّت کے پورا کرنے تک وہاں سے باہر نہ جائے۔ عدّت کی تکمیل کے بعد نکلے بشرطیکہ کوئی محرم ساتھ ہو۔ یہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔

صاحبین کہتے ہیں اگر اس کے ساتھ محرم ہو تو عدّت گزارنے سے پہلے بھی شہر سے باہر جاسکتی ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ محض نکلنا تو مسافرت کی تکلیف اور تنہائی کی پریشانی دور کرنے کے لئے جائز ہے۔ کیونکہ یہ عذر ہے ہاں البتہ سفر کرنا حرام تھا۔ اور یہ حرمت بھی محرم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے جاتی رہی۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بغیر محرم سفر کرنے کی بہ نسبت عدّت میں نکلنا زیادہ ممنوع ہے۔ چنانچہ عورت سفر کی مقدار سے کم مسافت بغیر محرم کے بھی کر سکتی ہے۔ مگر عدّت گزار عورت کو اس قدر بھی جائز نہیں۔ جب بغیر محرم سفر کرنا جائز نہیں تو عدّت میں سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

ثبوتِ نسب کا بیان

مسئلہ : کسی شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔ پھر اس عورت سے اس نے نکاح کر لیا۔ نکاح سے چھ ماہ گزرنے پر عورت نے ایک بچے کو جنم دیا تو وہ اسی ناکح کا بیٹا ہوگا اور اس پر مہر واجب ہوگا۔ نسب کا ثابت ہونا تو اس بناء پر ہے کہ وہ اس مرد کی فراش یعنی منکوحہ

Marfat.com

تھی۔ کیونکہ جب نکاح کے وقت سے چھ ماہ کے بعد اس نے بچہ جنا تو وقتِ طلاق سے چھ ماہ سے کم مدّت میں بچے کی پیدائش ہوئی تو بچے کا نطفہ حالتِ نکاح میں قبل از طلاق موجود تھا۔ اس کی یہ صورت متصوّر ہو سکتی ہے کہ مرد نے اس عورت سے مباشرت کی حالت میں نکاح کیا۔ اور نکاح ہو جانے کے ساتھ ساتھ انزال سے قرارِ حمل ہو گیا۔ اور احتیاط اسی میں ہے کہ نسب ثابت کیا جائے۔

رہا مہر کا معاملہ تو وہ اس وجہ سے لازم آتا ہے کہ جب مرد سے نسب ثابت ہو گیا تو اسے مباشرت کرنے والا قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا اس سے پورا مہر ثابت ہو گا۔

مسئلہ: جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو۔ اگر اس نے طلاق کے بعد دو سال یا زیادہ عرصہ کے بعد بچہ جنا تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا جب تک کہ عورت نے عدّت کے گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو۔ کیونکہ احتمال ہے کہ حالتِ عدّت میں نطفہ رہا ہو اس لئے کہ عورتوں کے طہر کا زمانہ بہت طویل بھی ہوتا ہے (یعنی جب عورت نے عدّت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ احتمال قوی ہو گیا کہ مرد نے عدّت کے اندر مباشرت کر کے رجوع کر لیا ہو اور اس مباشرت سے حمل قرار پا گیا ہو)۔

مسئلہ: اگر مطلّقہ رجعیہ کے ہاں دو برس سے کم مدّت میں بچہ پیدا ہوا تو عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی۔ کیونکہ بچے کی پیدائش سے عدّت گزر گئی اور بچے کا نسب بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ بچے کا نطفہ حالتِ نکاح میں ٹھہرا تھا یا حالتِ عدّت میں۔ لیکن اس صورت میں مرد کا رجوع ثابت نہیں۔

Marfat.com

کیونکہ یہاں دو صورتوں کا احتمال ہے: اوّل یہ کہ استقرارِ حمل طلاق سے پہلے یعنی حالتِ نکاح میں ہوا۔ دوم یہ کہ طلاق کے بعد ہوا۔ تو شک کی بناء پر شوہر کے رجوع کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

مسئلہ: اگر دو سال کے بعد بچے کی پیدائش ہو تو رجوع ثابت ہو جائے گا کیونکہ اب استقرارِ حمل طلاق کے بعد ہوا ہے اور ظاہری قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حمل اسی مرد کا ہے۔ کیونکہ زنا کا کوئی ثبوت نہیں۔ لہٰذا مرد مباشرت کرنے سے رجوع کرنے والا قرار پائے گا۔

مسئلہ: وہ عورت جسے ایک طلاقِ بائن یا تین طلاقیں دی گئیں۔ اگر دو سال سے کم عرصے میں بچہ جنے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ طلاق کے وقت حمل قائم ہو۔ اور اس بات کا یقین نہیں ہے کہ جب استقرارِ حمل ہوا تھا اس وقت نکاح زائل ہو چکا تھا۔ لہٰذا احتیاطاً نسب ثابت ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر مطلقہ بائنہ کے ہاں فُرقت کے وقت سے پورے دو سال کے بعد بچہ جنم لے تو نسب ثابت نہیں ہو گا کیونکہ اس صورت میں حمل طلاق کے بعد وجود میں آیا ہے۔ لہٰذا زوج کا نہ ہو گا کیونکہ اسے عورت سے مباشرت کرنا حرام تھا۔ ہاں اگر مرد خود دعویٰ کر دے کہ یہ بچہ میرے ہی نطفہ سے ہے (تو اسی کا قرار دیا جائے گا) کیونکہ اس نے نسب کو خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اور اس مسئلے میں ممکنہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مرد نے عدّت میں اس سے شبہ میں مباشرت کر لی ہو۔

Marfat.com

مسئلہ : اگر مبتوتہ عورت صغیرہ ہو مگر ایسی عمر کو پہنچ چکی ہو کہ اس کی ہم عمر لڑکیوں سے مباشرت کی جا سکتی ہو اور وہ طلاق کے بعد نو ماہ کی مدّت گزرنے پر بچہ جنے تو مرد سے بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ ہاں اگر نو ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت ہوگا۔ یہ طرفین کا قول ہے۔

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ابتدائے طلاق سے دو سال تک مرد ہی سے نسب ثابت ہوگا کہ وہ عدّت گزار عورت ہے۔ اور یہ قوی احتمال ہے کہ وہ حاملہ ہو اور اس نے عدّت گزرنے کا اقرار بھی نہیں کیا تو بالغہ عورت کے مشابہ ہو گئی۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت کی عدّت گزرنے کا ایک معیّن وقت سب کو معلوم ہے اور وہ عدّت کے مہینے ہیں اور ان کے گزرنے پر شرع نے عدّت کے اختتام کا حکم دے دیا اور حکم شرع اس کے اقرار سے بڑھ کر واضح ہوگا۔ کیونکہ حکم شرع میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوتا۔ مگر اقرار میں احتمال موجود ہوتا ہے (کہ ممکن ہے عورت نے صداقت سے کام نہ لیا ہو)۔

اگر صغیرہ طلاقِ رجعی سے مطلّقہ ہو تو بھی طرفین کے نزدیک مسئلے کی صورت وہی ہے۔ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ستائیس ماہ تک نسب ہو سکتا ہے کہ مرد نے عدّت یعنی تین ماہ کے آخر میں مباشرت کر لی ہو۔ اور عورت اکثر مدّتِ حمل یعنی دو سال میں بچے کو جنم دے۔

اگر صغیرہ نے عدّت کے اندر استقرارِ حمل کا دعویٰ کیا ہو تو صغیرہ اور کبیرہ دونوں کے لئے ایک ہی حکم ہوگا۔ کیونکہ صغیرہ کے اقرارِ حمل سے اسے بالغہ تصوّر

Marfat.com

کیا جائے گا۔

مسئلہ : جس عورت کا خاوند مر گیا، اس کے بچے کا نسب وفات شوہر سے دو سال تک پیدائش کی صورت میں ثابت ہو گا۔ امام زفرؒ کہتے ہیں کہ اگر عدّتِ وفات یعنی چار ماہ دس دن کے بعد چھ ماہ گزرنے پر بچے کو جنم دیا تو نسب ثابت نہیں ہو گا۔ کیونکہ شریعت نے مہینوں کے حساب سے اس کی عدّت کی تکمیل کا حکم دے دیا کیونکہ اس کی عدّت یہی مقرّر کی گئی ہے۔ تو گویا اس نے خود عدّت کے اختتام کا اقرار کر لیا ہو جیسا کہ ہم صغیرہ کی صورت میں بیان کر چکے ہیں۔

ہم امام زفرؒ کے جواب میں کہتے ہیں کہ بیوہ کی عدّت گزرنے کا صرف ایک ہی طریقہ نہیں بلکہ دوسرا وضعِ حمل بھی ہے۔ بخلاف صغیرہ کے۔ کیونکہ صغیرہ میں اصل تو عدمِ حمل ہے کیونکہ بلوغ سے پہلے پہلے وہ محلِ حمل نہیں ہوتی اور اس کے بالغہ ہونے میں شک ہے (اور نابالغہ ہونے میں شک نہیں۔ اس لئے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہی مقرر کی گئی)۔

مسئلہ : اگر عدت گزار عورت عدّت کی تکمیل کا اعتراف کر لے اور پھر چھ ماہ سے کم عرصہ میں اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ عورت کے جھوٹ کا یقینی طور پر علم ہو گیا۔ لہٰذا اس کا اعتراف باطل ہو گا۔ اگر چھ ماہ کے بعد بچے کو جنم دے تو نسب ثابت نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے اقرار کا بطلان ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حمل اقرار کے بعد قرار پایا ہو۔ اور مطلق معتدہ کا لفظ ہر قسم کی

Marfat.com

عدت گزار عورت کو شامل ہے (خواہ وہ عدتِ وفات میں ہو یا طلاق بائن یا رجعی کی عدت میں)۔

مسئلہ: جب کوئی عدت گزار عورت بچہ جنے تو اس کا نسب اس شرط پر ثابت ہوگا کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔ لیکن اگر حمل ظاہر ہو یا خود شوہر کی جانب سے اقرار پایا جائے تو بغیر شہادت بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔

صاحبین کہتے ہیں کہ تمام صورتوں میں ایک عورت (یعنی دایہ) کی شہادت ہی سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ عدت قائم ہونے کی بناء پر عورت اپنے خاوند کی فراش ہی ہے اور نسب کے ثبوت کے لئے قیام فراش کافی ہے۔ ہاں اس چیز کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ یہ بچہ واقعی اس عورت نے جنا ہے تو وہ ایک عورت (دایہ) کی شہادت سے متعیّن ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ نکاح کی موجودگی میں بالاتفاق نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

ابو حنیفہ رحمہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے جب وضع حمل کا اقرار کیا تو عدت ختم ہو گئی۔ اور گزری ہوئی چیز حجت نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور اس میں پوری گواہی شرط ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ حمل ظاہر ہو یا زوج کی طرف سے اعترافِ حمل پایا جائے۔ کیونکہ ان صورتوں میں ولادت سے قبل ہی نسب ثابت ہوتا ہے۔ ہاں تعیین ایک عورت کی شہادت ہی سے ہو جاتی ہے (مگر ثبوتِ نسب کے لئے مکمل شہادت ضروری ہے)۔

Marfat.com

مسئلہ: اگر ایک عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو (اور دو سال سے کم عرصے میں اس نے بچے کو جنم دیا) اور وارثوں نے تصدیق کر دی کہ یہ بچہ اس کے خاوند ہی کا ہے - اور ولادت پر کوئی ایک شخص بھی گواہ نہیں ہے تو بالاتفاق وہ اس مُردہ شوہر کا بیٹا قرار پائے گا - اور یہ بات میراث کے حق میں ظاہر ہے کیونکہ میراث ان کا خالص حق ہے - تو ان کا تصدیق کرنا قابلِ قبول ہو گا -

رہی یہ بات کہ وارثوں کے اقرار سے اس بچے کا ثابت النسب ہونا کیا وارثوں کے علاوہ دوسروں کے حق میں بھی ثابت ہو گا یا نہیں - بعض مشائخ کہتے ہیں کہ اگر تصدیق کرنے والے وارث ایسے ہوں جن کی شہادت قابلِ اعتبار ہوتی ہے تو سب کے حق میں نسب ثابت ہو جائے گا - کیونکہ حجت یعنی شہادت شرعیہ کے موجود ہونے سے نسب دوسروں کے حق میں بھی ثابت ہو جائے گا -

بعض دیگر مشائخ کا قول ہے کہ شہادت کا لفظ شرط ہے اور بعض نے اسے شرط قرار نہیں دیا - کیونکہ غیروں کے حق میں نسب ثابت ہونا اس کے تابع ہے کہ وارثوں کے حق میں ان کے اعتراف سے ثابت ہو جائے - اور جو چیز تبعاً ثابت ہوا کرتی ہے اس میں شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا (مسئلہ یہ تھا کہ کہ اگر بعض وارث نسب کا اقرار کر لیں اور کچھ انکار کریں تو اقرار کرنے والے اگر اہلِ شہادت ہوں تو سب کے لئے نسب ثابت ہو گا اور بچہ باپ کی میراث میں برابر کا شریک ہو گا) -

مسئلہ: ایک مرد نے کسی عورت سے شادی کی اور عورت نے نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کو جنم دیا تو اس کا نسب ثابت نہ ہو گا کیونکہ

Marfat.com

استقرارِ حمل نکاح سے پہلے کا ہے لہٰذا وہ زوج کے نطفے سے نہ ہوگا۔

اگر چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔ مرد اس کا اعتراف کرے یا خاموش رہے۔ کیونکہ فراش قائم ہے اور مدّت بھی مکمل ہے۔

اگر خاوند ولادت کا انکار کر دے تو ولادت ایک عورت کی گواہی سے جو ولادت کی شاہد ہو ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر خاوند بچے کی نفی کرے (کہ یہ میرا نہیں ہے) تو اسے لعان کرنا ہوگا۔ کیونکہ نسب تو فراشِ قائم سے ثابت ہو جاتا ہے اور لعان فقط تہمت کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ اور لعان کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ بچہ بھی موجود ہو۔ کیونکہ لعان تو بچے کے بغیر بھی ہو سکتا ہے (تو یہ لعان تہمتِ زنا، کی وجہ سے واجب ہو رہا ہے۔ دایہ کی شہادت سے تو ولادت متعین ہوئی۔ اس کی گواہی کو لعان سے کچھ تعلق نہیں آپ جانتے ہیں کہ اگر مرد بغیر ولادت کے بھی تہمت لگا دیتا تو لعان ضروری تھا)۔

مسئلہ: اگر عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور بعد میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف رونما ہوا۔ مرد کہنے لگا کہ ابھی تو مجھے تجھ سے نکاح کئے چار ماہ ہی گزرے ہیں۔ عورت کہتی ہے کہ ہمارے نکاح کو چھ ماہ گزر چکے ہیں تو عورت کی بات تسلیم کی جائے گی۔ اور بچہ اس مرد کا ہوگا کیونکہ ظاہری حالات عورت کے دعویٰ کی تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ عورت نکاح کی وجہ ہی سے بچے کو عموماً جنم دیا کرتی ہے زنا سے نہیں۔ اس مسئلے میں امام محمدؒ نے قسم دلانے کا ذکر نہیں کیا

Marfat.com

حالانکہ اس میں اختلاف موجود ہے (ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ چھ امور ایسے ہیں جن میں امام اعظمؒ کے نزدیک قسم لی جاتی ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں)۔

مسئلہ: اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تیرے ہاں بچہ پیدا ہوگا تو تجھے طلاق ہے اور ایک عورت نے ولادت کی گواہی دے دی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طلاق نہ ہوگی۔ اور صاحبین کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ باب ولادت میں ایک عورت کی شہادت مؤثر ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان امور میں جنہیں مردوں کا دیکھنا جائز نہیں۔ عورتوں کی شہادت قابل قبول ہوگی۔

صاحبین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب ایک عورت کی شہادت در بارۂ ولادت قبول کی جا سکتی ہے تو ان امور کے بارے بھی قبول کر لی جائے گی جو اس ولادت پر مبنی ہوں گے۔ اور زیر بحث صورت میں طلاق بھی ولادت پر ہی مبنی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے اپنے شوہر کے حانث ہونے کا دعویٰ کیا ہے (کہ مرد اپنی قسم میں حانث ہو گیا اور مجھ پر طلاق واقع ہو گئی) اور حنث کا دعویٰ مکمل حجت و شہادت کے بغیر قبول نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ولادت کے سلسلے میں عورتوں کی شہادت قبول کرنا ضرورت کے تحت جائز ہے (اور جو چیز کسی خاص ضرورت کے تحت جائز ہو وہ صرف اسی ضرورت تک محدود رہتی ہے) لہٰذا اس کا اثر طلاق کے حق میں ظاہر نہ ہوگا۔ کیونکہ طلاق ولادت سے الگ بھی ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

مسئلہ : اگر زوج استقرارِ حمل کا اقرار کر چکا ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک بلا شہادت ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور صاحبین کے نزدیک دایہ کی شہادت شرط ہے۔ کیونکہ حنث کا دعویٰ کرنے کے لئے حجت و شہادت ضروری ہے اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ دایہ کی شہادت حجت ہے۔

امام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ ہونے کا اقرار تو ایسی چیز کا اقرار ہے جہاں تک یہ حمل پہنچے گا اور وہ بچے کی ولادت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے زوجہ کے امانتی ہونے کا اقرار کیا (کہ یہ حمل تمہاری امانت میں ہے) تو امانت واپس کرنے میں بھی عورت کا قول قابلِ تسلیم ہوگا)۔

مسئلہ : امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ بچہ دو سال سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا، خواہ تکلے کے سائے کی طرح ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ : حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وحمله وفصاله ثلاثون شهراً۔ پھر فرمایا گیا : وفصاله في عامين۔ لہٰذا حمل کی مدت چھ ماہ باقی رہ گئی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے۔ ہماری پیش کردہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ نے یہ بات حضورؐ ہی سے سن کر فرمائی ہوگی۔ کیونکہ ایسے امور میں عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ : ایک شخص نے باندی سے نکاح کیا۔ لیکن (مباشرت کے بعد)

Marfat.com

اسے طلاق دے دی۔ پھر اسے خرید لیا۔ اب اگر باندی کے ہاں خریدنے کے دن سے چھ ماہ سے کم عرصے میں بچہ پیدا ہو جائے تو وہ اسی مرد سے ہوگا۔ ورنہ اس کے ذمّے لازم نہ آئے گا۔

پہلی صورت کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس صورت میں معتدّہ کا بچہ ہے۔ کیونکہ خریدنے سے پہلے بچّے کا نطفہ قرار پا چکا تھا۔ (تو ایسی عورت کی عدّت وضعِ حمل سے ختم ہوتی ہے)۔

اور دوسری صورت میں وہ اس کی مملوکہ باندی کا بچّہ ہے۔ کیونکہ اس بچّے کا حدوث سب سے نزدیک اور قریب وقت کی طرف منسوب ہوگا (یعنی وقتِ طلاق کی طرف) تو اس صورت میں دعویٰ کرنا ضروری ہے (بغیر دعوے کے نسب ثابت نہ ہوگا)۔

یہ صورت اسی وقت ہے جبکہ لونڈی کو ایک بائن طلاق یا ایک رجعی دی گئی ہو یا خُلع کیا گیا ہو۔ لیکن اسے اگر دو طلاقیں دی جائیں تو وقتِ طلاق سے دو برس تک نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ دو طلاقوں کی صورت میں باندی شوہر کے حق میں بحرمتِ غلیظہ حرام ہوگئی۔ تو استقرارِ حمل سوائے طلاق کے پہلے کسی وقت کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خریدنے کی وجہ سے یہ باندی حلال نہیں ہو سکتی (لہٰذا ایک مسلمان سے بدکاری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے طلاق سے پہلے کا نطفہ تصوّر کریں گے اور مدتِ حمل دو سال تک ہوگی)۔

مسئلہ: ایک شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہوگا تو وہ مجھ سے ہوگا۔ دایہ نے ولادت کی شہادت دے دی تو یہ لونڈی اُمّ الولد

Marfat.com

بن جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں ولد کی تعیین کی ضرورت تھی۔ اور یہ تعین اجتماعی طور پر ایک دایہ کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : ایک شخص نے ایک لڑکے کو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ پھر وہ شخص فوت ہو گیا اور لڑکے کی ماں آکر کہنے لگی کہ میں اس کی بیوی ہوں۔ تو یہ عورت اس کی بیوی ہوگی اور وہ لڑکا اس کا بیٹا ہوگا اور دونوں اس کی میراث میں حصّے دار ہوں گے۔

امام محمدؒ نے نوادر میں اسے استحسانی حکم قرار دیا ہے اور قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ عورت کو میراث سے حصہ نہ ملے۔ کیونکہ نسب جس طرح نکاح صحیح سے ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح نکاح فاسد سے بھی ہو جاتا ہے، بلکہ وطی بالشبہ اور عورت کے مالک ہو جانے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ تو مرد کا لڑکے کو "ھذا ابنی" کہنا نکاح کے اقرار کے مترادف نہیں۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے کی صورت ایسی ہے کہ اس عورت کے متعلّق مشہور ہو کہ وہ آزاد ہے، اور یہ بھی لوگوں کو علم ہو کہ اس لڑکے کی ماں ہے، تو ایسا نسب ثابت ہونے میں عادت اور شرع کے لحاظ سے نکاح کا صحیح ہونا متعیّن ہے (تو اب نکاح فاسد اور وطی شبہ والا احتمال باقی نہ رہا اور نکاح صحیح کی صورت باقی رہ گئی۔ لہٰذا عورت وارث ہو گی)۔

اور اگر یہ ثابت نہ ہو سکے کہ عورت آزاد ہے اور وارث کہتے ہیں کہ تو اُمّ ولد ہے تو عورت کو میراث نہ ملے گی۔ کیونکہ دار الاسلام کے لحاظ سے آزادی کا ظہور غلامی کے ازالے کے لئے تو حجّت ہوتا ہے لیکن میراث کے حق کو ثابت نہیں کرتا (یعنی

Marfat.com

اگر کہا جائے کہ یہ عورت دارالاسلام میں موجود ہے اور ظاہر میں کسی کی مملوک نہیں تو یہ ظاہر ہے کہ وہ آزاد ہے۔ لہذا وارثوں کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔ صاحب کتاب جواب دیتے ہیں کہ دارالاسلام کے لحاظ سے ظاہری آزادی اس لئے حجت ہوتی ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ میری مملوکہ ہے تو اس کا قول قبول نہ ہوگا۔ مگر میراث کا حق ثابت کرنے کے لئے اتنا قول کافی نہیں)۔

بچے کی پرورش کا بیان اور یہ کہ اس کی پرورش کا زیادہ حقدار کون ہے؟

مسئلہ: جب زوجین میں فرقت واقع ہو جائے تو ماں بچے کی زیادہ حقدار ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ یہ میرا بیٹا ہے۔ میرا پیٹ اس کے لئے ظرف رہا ہے اور میری گود اس کے لئے خیمہ تھی اور میری چھاتی اس کے پینے کا ذریعہ (سقاء بمعنی ڈول) اور اب اس کے باپ کا گمان یہ ہے کہ وہ اس کو مجھ سے چھین لے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک کہ تو دوسری شادی نہ کرے تو بچے کی زیادہ حقدار ہے۔

اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ماں میں (باپ کی نسبت) شفقت زیادہ ہوتی ہے اور پرورش کے فرائض کو بخوبی سرانجام دے سکتی ہے۔ لہذا بچے کو اس کے سپرد کرنے ہی میں بچے پر شفقت ہوگی۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے

Marfat.com

حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ اے عمر رضؓ تیرا اس بچے کو خالص شہد کھلانا بھی وہ حیثیت نہیں رکھتا جو کہ اس کی ماں کے تھوک کو حاصل ہے۔ ابوبکر صدیق رضؓ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب کہ حضرت عمر رضؓ اور ان کی بیوی میں فرقت واقع ہوئی تھی اور صحابہ بکثرت وہاں تشریف فرما تھے (یعنی ابوبکر رضؓ کے ارشاد کو سب نے تسلیم کیا)

بچے کے اخراجات باپ کے ذمے ہوں گے۔ ہم باب النفقات میں اس کی پوری تفصیل بیان کریں گے۔

مسئلہ : بچے کی پرورش کے سلسلے میں ماں کو مجبور نہیں کیا جائے گا ممکن ہے کہ وہ اس کی پرورش سے عاجز ہو (اگر کوئی دوسرا ذی محرم رشتہ بھی نہ ہو تو پھر ماں کو پرورش پہ مجبور کیا جا سکتا ہے)۔

مسئلہ : اگر بچے کی ماں نہ ہو تو نانی بہ نسبت دادی کے پرورش کی زیادہ حقدار ہوگی۔ اگرچہ یہ نانی دور کی ہو۔ یعنی نانی کی ماں بھی ہو۔ کیونکہ یہ ولایت ماں کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ : اگر نانی بھی موجود نہ ہو تو دادی بہ نسبت بہنوں کے پرورش کی زیادہ حقدار ہوگی۔ کیونکہ ایک لحاظ سے دادی کو بھی ماں کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لئے دادی کو بھی ماؤں کی میراث جتنا یعنی چھٹا حصّہ ملتا ہے۔ اور پیدائشی قرابت کی بناء پر اس میں شفقت بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔

مسئلہ : اگر بچے کی کوئی دادی بھی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالاؤں سے اس کی بہنوں کو تقدم حاصل ہوگا کیونکہ وہ بچے کے والدین کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔

Marfat.com

اسی لئے انھیں میراث میں بھی پھوپھیوں اور خالاؤں پر فوقیت دی جاتی ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ باپ کی بہن سے خالہ کو تقدّم حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خالہ بھی والدہ ہوتی ہے۔ اللہ تعا کے ارشاد "ورفع ابویہ علی العرش" کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ وہ یوسف علیہ السلام کی خالہ مکرمہ تھیں۔

مسئلہ: ماں اور باپ دونوں کی طرف سے جو بہن ہو وہ دوسری بہنوں پر مقدم ہوگی۔ کیونکہ قدرتی طور پر اس میں مادۂ شفقت وافر ہوتا ہے۔

اس کے بعد میں ماں کی طرف سے بہن کا درجہ، پھر باپ کی طرف سے بہن کا۔ کیونکہ ان عورتوں کا حقِ پرورش ماں کی جانب سے ہے (لہٰذا ماں کی طرف سے بہنوں کو اولیت حاصل ہوگی)۔

نیز پھوپھیوں سے خالاؤں کو فوقیت حاصل ہوگی۔ کیونکہ خالائیں ماں سے رشتہ میں قریب ہوتی ہیں اور یہی قربت ترجیح کا باعث ہوتی ہے۔

خالاؤں کو بھی درجے میں وہی ترتیب حاصل ہوگی جو بہنوں کو حاصل تھی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے ماں باپ دونوں کی طرف سے رشتہ دار کو ترجیح ہوگی۔ پھر ماں کی طرف سے قرابت کے لحاظ سے۔ یہی لحاظ پھوپھیوں میں بھی ہوگا۔

البتہ مذکورہ عورتوں میں سے بھی جو نکاح کرلے گی اس کا حقِ حضانت ساقط ہو جائے گا۔

اس کی دلیل میں ہم حدیث پیش کر چکے ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ماں کا خاوند جب اجنبی شخص ہوگا تو وہ بچّے کو حقیر چیزیں دے گا اور اس کو

Marfat.com

حقارت کی نظروں سے دیکھے گا۔ لہٰذا ایسے ماحول میں شفقت مفقود ہو جاتی ہے۔

امام قدوریؒ فرماتے ہیں۔ اگر نانی اپنا نکاح لڑکے کے دادا سے کر لے تو حقِ حضانت ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ دادا بمنزلہ والد ہوتا ہے لہٰذا وہ پوری شفقت سے تربیت کرے گا۔ اور ہر اس خاوند کا یہی حکم ہوگا جو بچے کا رشتہ دار اور محرم ہو۔ کیونکہ قریبی رشتہ داری کی بناء پر شفقت قائم رہتی ہے۔

مسئلہ: جس عورت کا حقِ حضانت اجنبی سے نکاح کرنے کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ اگر وہ خاوند سے جدا ہو جائے تو بچے کا حقِ حضانت پھر اسے واپس مل جائے گا۔ کیونکہ جو امر اس حق سے مانع تھا وہ زائل ہو چکا ہے۔

مسئلہ: اگر بچے کی پرورش کے لئے اس کے کنبہ سے کوئی عورت نہ ہو اور مردوں کو اس کی پرورش میں اختلاف ہو تو ان میں سے سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہوگا جو عصبہ ہونے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ ولایت قرابت کے لحاظ سے حاصل ہوتی ہے۔ عصبات کی ترتیب اپنے باب میں معلوم ہو چکی ہے۔ البتہ یہ امر ضرور ملحوظ رکھا جائے گا کہ بچے کو ایسے عصبے کے سپرد نہیں کریں گے جو اس کا محرم نہ ہو۔ جیساکہ آزاد کردہ عورت کا مولیٰ یا چچا کا بیٹا۔ تاکہ فتنہ و خرابی سے بچاؤ ہو سکے۔

مسئلہ: ماں اور نانی اس وقت تک لڑکے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہیں جب تک کہ بچہ اس قابل نہ ہو کہ خود بخود کھا سکے، پی سکے، لباس پہن سکے اور طہارت کر سکے۔

امام محمدؒ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ بچہ احتیاج سے بے نیاز ہو جائے۔

Marfat.com

اس طرح کہ خود کھا سکے، خود پی سکے اور خود لباس پہن سکے۔ دونوں عبارتوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ کیونکہ بچے میں عدم احتیاج اور استغناء اسی وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ خود بخود طہارت کرنے پر قادر ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بچہ درجۂ استغناء کو پہنچ جائے تو اب اس کی عمر کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اسے شرفاء کے آداب و اخلاق کے مطابق ادب و اخلاق سکھایا جائے۔ اور اسی قسم کی تادیب اور تہذیب و تربیت کے لئے باپ زیادہ موزوں ہوتا ہے۔

امام ابوبکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ درجۂ استغناء زیادہ سے زیادہ سات سال کی عمر کے بعد حاصل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: لڑکی کی پرورش کے زیادہ حقدار ماں اور نانی اس وقت تک ہیں جب تک وہ بالغہ نہ ہو جائے (یعنی اسے حیض آنے لگے) کیونکہ پرورش سے مستغنی ہونے کے بعد اس کو عورتوں کے آداب حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور عورت اس کام میں زیادہ ممد ثابت ہوتی ہے اور بالغ ہونے کے بعد اسے نکاح سے محصنہ کرنے اور محفوظ رکھنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اس سلسلے میں باپ کو زیادہ بصیرت اور استطاعت حاصل ہوتی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی گئی ہے کہ جب بچی بالغہ ہو جائے تو اسے باپ کے سپرد کر دیا جائے۔ کیونکہ اب اس کی حفاظت کی ضرورت ثابت ہو چکی ہے (اور یہ حفاظت باپ ہی بخوبی سرانجام دے سکتا ہے)۔

مسئلہ: ماں اور نانی کے علاوہ دوسری عورتیں اس وقت تک پرورش

Marfat.com

کی حقدار ہوتی ہیں جب تک لڑکی کے دل میں شہوانی جذبات پیدا نہ ہوں۔
امام محمدؒ جامع الصغیر میں فرماتے ہیں (کہ دوسری عورتیں اس وقت تک پرورش کی حقدار ہیں) کہ بچی دوسروں کی مدد سے مستغنی ہو جائے۔ اسی لئے ماں اور نانی کے سوا دوسری کوئی عورت اس سے خدمت لینے کی حقدار نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے اجارہ اور نوکری پر بھیج سکتی ہے۔ کیونکہ مقصد حاصل نہ ہوگا (چونکہ کسی دوسری کی خدمت قانوناً نہیں کر سکتی) بخلاف ماں اور نانی کے۔ کیونکہ انھیں تو اس سے خدمت لینے کا شرعاً حق حاصل ہے۔
امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی باندی کو اس کا مولیٰ آزاد کر دے، یا اُمّ ولد جب آزاد ہو جائے تو بچے کی پرورش میں ان کا حق بھی ایک آزاد عورت جیسا ہوگا۔ کیونکہ ثبوتِ حق کے وقت دونوں آزاد ہیں۔ لیکن آزادی سے پہلے دونوں کو بچے کی پرورش کا یہ حق حاصل نہ ہوگا، کیونکہ وہ اپنے مولیٰ کی خدمت میں مصروف رہتی ہیں اور بچے کی پرورش کے فرائض کما حقہٗ ادا کرنے سے قاصر ہوتی ہیں۔
مسئلہ: اگر ذمّیہ کے ہاں مسلم مرد سے بچہ پیدا ہوا تو اس مسلم بچے کی پرورش کی مستحق اس کی ذمّیہ ماں ہے۔ جب تک کہ بچے کو مذاہب سے واقفیت نہ ہو۔ یا یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ کفر سے مانوس ہو جائے گا۔ کیونکہ اس عمر سے پہلے پہلے تو بچہ ماں کی شفقت میں پروان بڑھتا ہے اور بعد میں ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے۔ (لہٰذا جب سنِ تمیز کو پہنچ جائے گا تو باپ کے حوالے کر دیا جائے گا)۔
مسئلہ: پرورش کے سلسلے میں لڑکے یا لڑکی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو اختیار حاصل ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تھا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ اپنی ناتجربہ کاری اور کم عقلی کی بناء پر والدین میں سے اسے زیادہ پسند کرے گا جس کے پاس اسے زیادہ آرام میسر ہو اور وہ اسے فضول مشاغل اور لہو ولعب سے منع نہ کرے تو اس میں نظرِ شفقت کہاں رہی؟ (کیونکہ بچہ آوارہ ہو کر تمام اخلاقِ عالیہ سے محروم رہ جائے گا) اور یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بچوں کو اختیار نہیں دیا۔

آپ کی پیش کردہ روایت اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے حق میں دعا فرمائی تھی: "اے اللہ اسے ہدایت نصیب فرما" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بچے کو نیک توفیق مل گئی۔ یا اس حدیث کا یہ مفہوم بھی مراد ہو سکتا ہے کہ بچہ اس وقت بالغ تھا۔

فصل

مسئلہ: اگر مطلقہ عورت یہ ارادہ کرے کہ میں اپنے بچے کو اس شہر سے باہر لے جاؤں تو وہ اپنے ارادے کے مطابق نہیں کر سکتی، کیونکہ اس میں باپ کے حق میں نقصان اور ضرر کا احتمال ہے۔ البتہ اگر عورت بچے کو اپنے وطن میں لے جانا چاہے جہاں کہ اس کا نکاح ہوا تھا تو لے جا سکتی ہے۔ کیونکہ مرد نے وہاں نکاح کرنے سے رواج اور شرع کے مطابق وہیں قیام کرنا اپنے ذمے لازم کر لیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی شہر میں نکاح کیا تو وہ بھی انھیں میں سے ہے۔ اسی نکاح کی بناء پر حربی ذمی بن جاتا ہے

Marfat.com

(یعنی اگر حربی دارالاسلام میں نکاح کر کے رہنے لگے تو وہ ذمی قرار پائے گا۔ اسی طرح حربیہ اگر دارالاسلام میں آکر نکاح کرے تو ذمیہ متصور ہو گی)۔

اگر اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں نکاح ہوا تھا اور عورت اسے اسی شہر میں لے جانا چاہتی ہے تو قدوری کی عبارت سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا اور یہ روایت مبسوط کی کتاب الطلاق میں بھی موجود ہے۔ مگر جامع الصغیر میں امام محمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ عورت کو اختیار ہو گا۔ کیونکہ جس مقام میں عقد سر انجام پایا ہو تو عقد کے احکام بھی اسی جگہ واجب ہوں گے، جیسا کہ بیع جس جگہ منعقد ہو فروخت شدہ چیز کی سپردگی اسی جگہ واجب ہوتی ہے۔ اور من جملہ احکامِ عقد سے ایک یہ بھی ہے کہ اولاد کی پرورش اپنے ساتھ رکھکر کی جائے۔

مبسوط کی کتاب الطلاق کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جب نکاح کہیں پردیس میں ہو تو یہ رواج نہیں کہ وہیں کا قیام اپنے اوپر لازم کر لیا جائے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

الحاصل عورت اسی صورت میں بچے کو ساتھ لے کر جا سکتی ہے جب کہ دونوں باتیں موجود ہوں۔ ایک تو یہ کہ عورت اپنے وطن میں جا رہی ہو۔ دوسری یہ ہے کہ نکاح بھی وہیں ہوا ہو۔

اور یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ دونوں شہروں میں طویل فاصلہ ہو۔ لیکن اگر دونوں شہروں میں مسافت اتنی کم ہو کہ باپ جب چاہے اپنے بچہ کو دیکھ کر رات اپنے گھر میں بسر کر سکے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (ایسے شہر میں عورت

Marfat.com

بچے کو ساتھ لے کر جا سکتی ہے) یہی حکم دونوں ۔۔ گاؤں کے درمیان ہے۔ اسی طرح اگر عورت نے گاؤں سے بچے کو شہر میں لے جانا چاہا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اس میں بچے کے لئے بھی بھلائی ہے کہ وہ اس شہر والوں کے اخلاق سیکھ لے گا اور باپ کے حق میں بھی کچھ ضرر نہیں۔ اس کے برعکس اگر اس نے شہر سے گاؤں میں لے جانا چاہا تو بچے کے حق میں ضرر ہے کیونکہ وہ گنواروں کے اخلاق سے متأثر ہوگا۔ اس لئے عورت کو وہاں لے جانے کا اختیار نہ ہوگا۔

نفقے کا بیان

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ زوجہ کے اخراجات کا ذمہ دار خاوند ہے۔ خواہ زوجہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔ جب وہ اپنے آپ کو مرد کے گھر میں اس کے حوالے کردے۔ تو اس کے اخراجات، لباس و پوشاک اور جائے رہائش کا انتظام کرنا مرد کے ذمے واجب ہوگا۔ اور اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات "لینفق ذو سعتہٖ" اور "وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف" (یعنی صاحبِ وسعت اپنی طاقت کے مطابق نفقہ دے۔ نیز بچوں کے والد پر ان کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا اعتدال کے طور پر واجب ہے) اصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ تم پر تمہاری عورتوں کے کھانے پینے اور لباس کی ذمہ داریاں اعتدال کے طور پر واجب ہیں۔

Marfat.com

نیز یہ دلیل بھی دی جا سکتی ہے کہ نفقہ دراصل مرد کا عورت کو اپنے پاس روکنے کا عوض ہے۔ اور جو شخص دوسرے کے حق مقصود کے لئے محبوس ہو تو نفقہ روکنے والے کے ذمّے ہوتا ہے۔ اس کی نظیر قاضی اور عامل زکاۃ ہیں (کیونکہ قاضی اور عامل مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتے ہیں۔ لہٰذا قاضی اور عامل کے اخراجات بیت المال سے ادا کئے جاتے ہیں) ان مذکورہ دلائل میں مسلمہ یا کافرہ زوجہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ لہٰذا اخراجات کے سلسلے میں دونوں برابر ہوں گی۔

مسئلہ: اخراجات کی مقدار میں مرد اور عورت دونوں کی حیثیت ملحوظ ہوگی۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ رائے امام قدوریؒ کی ہے اور خصافؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور فتوٰی بھی اسی پر دیا جاتا ہے۔ خصافؒ کے قول سے مراد یہ ہے کہ جب میاں بیوی دونوں خوشحال ہوں گے تو نفقہ بھی خوشحالی اور آسودگی کا دیا جائے گا۔ اگر دونوں مفلوک الحال اور تنگدست ہوں تو نفقہ بھی اسی حالت کے مطابق ہوگا۔ اگر شوہر آسودہ حال ہو اور بیوی مفلوک الحال تو تنگ دست عورتوں سے بڑھکر اور مالدار عورتوں سے کم تر نفقہ واجب ہوگا۔

امام کرخیؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک معتبر یہ ہے کہ تمام حالات میں مرد کے حال کو ہی مدنظر رکھا جائے گا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے (تو آیت میں نفقے کا مدار مرد پر ہے)۔

امام خصافؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہ کو فرمایا کہ تو اپنے خاوند کے مال سے اس قدر لے لے جو معروف طور پر تجھے اور تیرے بچوں کو کفایت کرے۔

نیز فقہی نقطۂ نظر سے بھی یہی مناسب ہے کہ عورت کی حالت کو مدّنظر رکھا جائے کیونکہ نفقہ بطور کفایت واجب ہوتا ہے۔ اور جو عورت تنگدست ہے اسے مالدار عورتوں جیسی کفایت کی ضرورت نہیں تو زیادتی کے کچھ معنے نہ ہوں گے۔

آپ کی پیش کردہ نصّ کے حکم کے ہم بھی قائل ہیں کہ مرد کو اپنی طاقت و وسعت کے مطابق دینے کا حکم ہے اور جس قدر باقی رہے گا وہ اس کے ذمے قرض ہوگا۔ (مثلاً عورت خوشحال ہے اور مرد تنگدست ہے۔ ہر روز کا نفقہ تین روپے ہوتا ہے لیکن مرد روزانہ دو روپے ادا کرنے کی وسعت رکھتا ہے تو باقی ایک ایک روپیہ اس کے ذمّے قرض بنتا چلا جائے گا کہ جب روپے اس کے ہاتھ لگے تو ادا کر دے گا)۔

نصِ قرآنی میں معروف سے مراد درمیانہ درجہ ہے، کیونکہ واجب یہی ہے۔

مذکورہ بحث سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ نفقے کے سلسلے میں کوئی مقدار معیّن نہیں کی جا سکتی۔ جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خوش حال پہ نصف صاع اور تنگدست پر چوتھائی صاع اور متوسط پر ڈیڑھ مد (⅜ صاع) واجب ہے۔ کیونکہ جو چیز بطور کفایت واجب ہوا کرتی ہے وہ شرعی طور پر معیّن نہیں ہو سکتی (کیونکہ ان لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور ہر موسم کے

Marfat.com

تغیّر و تبدّل اور عمر کی کمی بیشی سے غذا کی مقدار بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے)۔

مسئلہ: اگر عورت شوہر کے مہر ادا کرنے تلک اپنے آپ کو مرد کے سپرد کرنے سے روک دے تو بھی اسے نفقہ ملے گا۔ کیونکہ عورت ایک حق کی بناء پر منع کر رہی ہے۔ تو عورت کا محبوس نہ ہونا ایک ایسی وجہ سے ہوا جو شوہر کی طرف سے پائی گئی۔ تو گویا عورت نے نہیں روکا بلکہ محبوس رہی۔

مسئلہ: اگر عورت سرکشی اور نافرمانی سے کام لے تو اسے نفقہ نہیں ملے گا، جب تک وہ مرد کے گھر واپس نہ آجائے۔ کیونکہ اس صورت میں عورت نے محبوس ہونے کو خود ضائع کیا (کیونکہ نفقہ تو محبوس ہونے کی بناء پر واجب ہوتا ہے۔ لیکن جب عورت محبوس نہ رہے تو نفقہ بھی نہ رہا) اور جب وہ خاوند کے گھر واپس آگئی تو احتباس پایا جائے گا اور نفقہ واجب ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ عورت شوہر کے گھر میں موجود رہ کر مباشرت سے مانع ہو تو نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ احتباس موجود ہے اور شوہر اس کی رضامندی کے خلاف بھی مباشرت کر سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر عورت نابالغہ ہو اور اس قدر کمسن ہو کہ جس سے تمتّع نہیں کیا جا سکتا تو اس کے لئے نفقہ مرد پر واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ مباشرت کا ممنوع ہونا ایک ایسی علّت ہے جو عورت میں پائی جاتی ہے اور نفقہ اس احتباس سے واجب ہوا کرتا ہے جو نکاح کے مطلوب تک رسائی کا ذریعہ ہو۔ مگر یہ احتباس اس قسم کا نہیں ہے لہٰذا واجب نہ ہوگا۔ البتہ مریضہ عورت کی صورت اس سے مختلف ہے۔ اس کا نفقہ ہرگز ساقط نہ ہوگا۔ انشاء اللہ

Marfat.com

عنقریب ہی ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔
امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صغیرہ عورت کے لئے بھی نفقہ ضروری ہوگا کیونکہ شافعیؒ کے نزدیک شوہر کے مِلک کا عوض ہوتا ہے۔ جیسا کہ مملوکہ عورت کا نفقہ مالک کے ذمے ہوتا ہے۔
ہماری دلیل یہ ہے کہ مِلک کا معاوضہ تو مہر ہے۔ لہٰذا ایک چیز کے کئی عوض نہ ہونگے۔ اس لئے صغیرہ مہر کی حقدار ہوگی نفقہ کی نہیں۔
مسئلہ: اگر شوہر اتنا کمسن ہے کہ مباشرت پر قدرت نہیں رکھتا مگر بیوی اس سے عمر میں بڑی ہے تو اسے خاوند کے مال سے نفقہ ملے گا۔ کیونکہ عورت کی طرف سے اپنے آپ کو سپرد کرنا پایا گیا۔ اور معذوری تو شوہر کی طرف سے ہے۔ تو وہ عنین یا مجبوب کی طرح تصور کیا جائے گا (جس طرح ان پر اپنی بیویوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے اس پر بھی ہوگا)۔
مسئلہ: جب کسی عورت کو قرضے کے سلسلے میں محبوس کیا جائے تو بند کرنے والے کے ذمّے اس کا نفقہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب احتباس کا زائل ہونا عورت کی طرف سے ہے۔ اور اس نے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کر دی۔ اگر ازالۂ حبس عورت کی طرف سے نہ ہو۔ بایں طور کہ وہ عورت ادائیگی قرض سے قاصر ہو تو شوہر سے نفقے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔
ایسے ہی اگر کوئی شخص عورت کو زبردستی لے گیا تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اسے نفقہ دینا پڑے گا۔ مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے کیونکہ احتباس کا زائل ہونا شوہر کی طرف سے نہیں ہے۔ تا کہ اسے حکماً

Marfat.com

باقی قرار دیا جائے۔ (اور نفقہ لازم کر دیا جائے) اسی طرح اگر عورت نے محرم کے ساتھ حج کیا تو بھی نفقہ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ احتباس کا ازالہ عورت کی طرف سے پایا گیا۔

امام ابو یوسفؒ وجوبِ نفقہ کے قائل ہیں کیونکہ شرعی فرض کی تکمیل ایک عذر ہے۔ لہٰذا مرد پر حضر کا نفقہ واجب ہو گا سفر کا نہیں۔ کیونکہ خاوند پر یہی واجب ہے۔ اگر بیوی کے ساتھ خاوند بھی سفر کرے تو بالاتفاق مرد پر نفقہ واجب ہو گا کیونکہ شوہر اس کے ساتھ ہے لہٰذا احتباس موجود ہے۔ لیکن سفر میں بھی اتنا ہی نفقہ دے گا جتنا کہ حضر میں دیا کرتا تھا۔ سفر کے لئے کوئی اضافہ نہ ہو گا۔ اور مرد پر کرایہ دینا بھی واجب نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (کہ مرد پر نفقہ حضر واجب ہوتا ہے)۔

مسئلہ: اگر عورت خاوند کے گھر بیمار ہو جائے تو اسے نفقہ ملے گا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب ایسا مرض ہو جو مباشرت سے مانع ہو تو اسے نفقہ نہ دیا جائے۔ کیونکہ تمتّع کا احتباس جاتا رہا۔ مگر استحسان کے پیشِ نظر ساقط نہ ہو گا کیونکہ حبس تو موجود ہے۔ شوہر اس سے مانوس ہوتا ہے۔ اسے ہاتھ لگاتا ہے۔ اور وہ اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے اور مباشرت کی ممانعت تو ایک عارضے کی بناء پر ہے۔ تو گویا یہ عارضہ حیض کے مشابہ ہے۔

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں جب ایک بار عورت نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا پھر بیمار ہو گئی تو نفقہ واجب رہے گا۔ اور اگر پہلے بیمار ہوئی، پھر اپنے آپ کو سپرد کیا تو نفقہ واجب نہ ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں تسلیم صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

ہمارے مشائخ نے کہا کہ یہ قول اچھا ہے۔ اور قدوری میں اسی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر خاوند خوشحال ہو تو اس پر زوجہ اور اس کے خادم کا نفقہ فرض کیا جائے گا۔ اس مسئلے سے مقصد خادم کے نفقے کا بیان ہے۔ اسی لئے قدوری کے بعض نسخوں کی عبارت اس طرح ہے: "وتفرض علی الزوج اذا کان موسرًا نفقۃ خادمھا" خادم کا نفقہ واجب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ شوہر پر زوجہ کی کفایت واجب ہے اور کفایت کی تکمیل میں خادم کا نفقہ بھی شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ عورت کے لئے خادم کے بغیر چارہ نہیں۔

مسئلہ: عورت کو فقط ایک خادم سے زیادہ کا نفقہ نہ دیا جائے گا۔ یہ صورت طرفین کے نزدیک ہے۔ مگر امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ دو خادموں کا نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اسے ایک خادم تو گھریلو ضروریات کے لئے درکار ہوتا ہے اور دوسرا بیرونی کاموں کے لئے۔

طرفین کہتے ہیں کہ ایک خادم ہی دونوں قسم کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے، لہٰذا دو کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر خود زوجہ کے کاموں کی دیکھ بھال کرے تو کافی ہوگا۔ اسی طرح اس نے جب اپنی جگہ ایک شخص مقرر کر دیا۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ مالدار شوہر خادم کا نفقہ اس قدر دے گا جتنا ایک تنگدست آدمی اپنی زوجہ کو دیتا ہے۔ یعنی کفایت کا ادنیٰ درجہ۔

قدوری کا متن میں یہ کہنا اذا کان موسرًا اس بات کی طرف اشارہ

Marfat.com

ہے کہ اگر خاوند مفلوک الحال ہو تو اس پر خادم کا نفقہ واجب نہیں۔ حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور صحیح بھی یہی بات ہے۔ مگر امام محمدؒ کا قول اس کے خلاف ہے (کہ تنگدست پر بھی خادم کا نفقہ واجب ہوگا مگر یہ صحیح نہیں) کیونکہ تنگدست پر تو ادنیٰ کفایت واجب ہے اور زوجہ بذاتِ خود بھی اپنے کاموں کی کفایت کر لیا کرتی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص زوجہ کا نفقہ دینے سے قاصر ہو جائے تو دونوں کے درمیان تفریق نہ کی جائے گی۔ بلکہ قاضی بیوی سے کہے گا کہ اپنے شوہر کی ذمہ داری پر قرض لے لے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ کیونکہ رواج کے مطابق شوہر اسے اپنے پاس رکھنے سے عاجز ہے تو قاضی تفریق کرنے میں اس کا قائم مقام ہوگا۔ جیسا کہ مجبوب اور عنین کی صورت میں ہوتا ہے۔ بلکہ نفقہ سے عاجزی کی صورت میں قاضی بدرجہ اولیٰ قائم مقام ہوگا۔ کیونکہ نفقہ کی ضرورت سب سے شدید ہوتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس طرح مرد کا حق کلیتہً باطل ہو جاتا ہے اور عورت کا حق تو متاخر بھی ہو سکتا ہے (کہ مرد کی ذمہ داری پر قرض لے لے) لیکن مرد کے حق کو باطل کرنے میں نقصان یقیناً زیادہ ہے۔ کیونکہ قاضی کے مقرر کرنے سے نفقہ مرد کے ذمے قرض بن جاتا ہے اور عورت اسے آئندہ زمانہ میں وصول کر سکتی ہے۔ نیز مال کی حیثیت نکاح کے سلسلے میں تابع کی حیثیت ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے نکاح کے مقصودِ حقیقی یعنی توالد و تناسل کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔

Marfat.com

قاضی کا نفقہ فرض کرنے کے ساتھ ساتھ قرض لینے کا حکم دینے سے یہ فائدہ ہے کہ عورت قرض خواہ کو مرد کے ذمے کر دے گی۔ کیونکہ عورت اگر قاضی کے حکم کے بغیر قرض لینے لگے تو قرض خواہ اسی سے مطالبہ کرے گا نہ کہ زوج سے۔

مسئلہ : اگر قاضی نے عورت کے لئے مفلسی کا نفقہ فرض کر دیا مگر اس کا شوہر مالدار ہو گیا اور عورت نے دعویٰ دائر کر دیا تو قاضی امارت کے نفقے کے مطابق اس کی تکمیل کرا دے گا۔ کیونکہ نفقہ عُسر اور یُسر کی حالت میں بدلتا رہتا ہے۔ اور قاضی نے جو حکم دیا تھا وہ ایسے نفقے کا اندازہ تھا جو خاوند پر واقعی واجب نہ تھا۔ پس جب شوہر کے حالات میں تبدیلی آ گئی تو زوجہ کو اپنے پورے حق کے مطالبہ کرنے کا اختیار ہے۔

مسئلہ : اگر کچھ مدت گزرنے تک مرد نے نفقہ نہ دیا اور عورت نے اس گزشتہ نفقے کا مطالبہ کیا تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ سوائے دو صورتوں کے۔ ایک تو یہ کہ قاضی نے کوئی خاص مقدار اس کے لئے مقرر کر دی ہو۔ دوسرے یہ کہ عورت نے اپنے لئے نفقے کی کسی خاص مقدار پر مرد سے مصالحت کر لی ہو۔ تو ان دونوں صورتوں میں قاضی اس کے گزشتہ نفقہ کی ادائیگی کا حکم دے گا کیونکہ نفقہ صلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی عطیہ و احسان کے طور پر دیا جاتا ہے ہمارے نزدیک یہ ملک کا عوض نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ تو اس کا واجب ہونا فقط قاضی کے فیصلے ہی سے مستحکم ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہبہ کی صورت میں ملک واجب نہیں ہوتا جب تک اسے مضبوط کرنے والی چیز یعنی قبضہ نہ پایا جائے۔ اور مرد و عورت کا کسی مقدار پر مصالحت کرنا بھی قاضی کے فیصلے کے مترادف ہوگا۔

Marfat.com

کیونکہ شوہر کی اپنی ذات پر ولایت قاضی کی ولایت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ بخلاف مہر کے۔ کیونکہ وہ ملکیت کا عوض ہوتا ہے (لہٰذا وہ قاضی کے فیصلے اور باہمی مصالحت کے بغیر بھی واجب ہوتا ہے)۔

مسئلہ: اگر شوہر کو نفقے کا حکم دے دیا گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد وہ مر گیا اور کچھ مہینے گزر گئے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ ایسا ہی اگر زوجہ مر جائے (تو بھی ساقط ہو جائے گا) کیونکہ نفقہ تو ایک عطیہ ہے اور اس قسم کے عطیات موت سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شخص نے کوئی چیز ہبہ کی مگر موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے ہبہ کرنے والا مر گیا تو ہبہ باطل ہو جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفقہ قاضی کے فیصلے سے پہلے بھی شوہر کے ذمے قرض ہوگا۔ اور اس کی موت کے بعد بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک نفقہ عوض کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا یہ دوسرے قرضوں کی طرح ہوگا (جو موت سے ساقط نہیں ہوتے) اس کا جواب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (کہ ملک کا عوض مہر ہوتا ہے۔ اگر نفقہ کو بھی عوض قرار دیں تو ایک چیز کے دو عوض ہو جائیں گے)۔

مسئلہ: اگر شوہر نے زوجہ کو ایک سال کا نفقہ پیشگی دے دیا اور شوہر مر گیا۔ تو زوجہ سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔ یہ امام ابو حنیفہ رح اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔ مگر امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جتنا عرصہ گزر چکا ہے اس کا شمار کر کے عورت کو نفقہ دیا جائے گا اور باقی ماندہ شوہر کا ہوگا

Marfat.com

امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

لباس کے سلسلے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ کیونکہ شوہر کے حبس اور روکنے سے جس قدر حق عورت کو شوہر پر حاصل ہوا تھا وہ اسے بطور عوض پیشگی وصول کر چکی ہے۔ مگر شوہر کے مرنے سے وہ حق باطل ہو گیا تو اسی اندازے سے عوض بھی باطل ہوگا۔ جیسا کہ قاضی کا روزینہ اور مجاہدین کا وظیفہ (جب وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کر رہے ہوں تو اپنا مقررہ حصہ لے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اگر انھیں ایک سال کا حساب پیشگی دے دیا جائے مگر وہ چھ ماہ بعد کام چھوڑ دیں تو چھ ماہ کا وظیفہ واپس لے لیا جائے گا)۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ ایک عطیہ ہے جس پر عورت قبضہ کر چکی ہے۔ اور عطیات موت کے بعد واپس نہیں کئے جاتے۔ کیونکہ ان کا حکم پورا ہو جاتا ہے جیسا کہ ہبہ میں ہوتا ہے (اگر ہبہ کرنے والا مر جائے تو موہوب لہ سے موہوب شے واپس نہیں لی جاتی) اس بناء پر اگر پیشگی دیا گیا نفقہ ضائع ہو جائے اور ضائع ہونے میں عورت کا ہاتھ نہ ہو۔ تو سب کے نزدیک بالاتفاق کچھ بھی واپس نہ لیا جائے گا۔

امام محمدؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر عورت نے ایک ماہ یا کم عرصے کا نفقہ وصول کر لیا تو شوہر کے مرنے پر اس سے کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ تھوڑی سی مقدار ہے تو گویا فی الحال کا نفقہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر غلام نے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا تو اس کا نفقہ غلام کے ذمے ہوگا اور وہ نفقے کے عوض فروخت کیا جائے گا۔ اس کا

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ غلام نے مالک کی اجازت سے نکاح کیا کیونکہ یہ نفقہ غلام کے ذمے ہے۔ جس کا سبب یعنی عقد موجود ہے اور اس قرض کا واجب ہونا مالک کے حق میں بھی ظاہر ہو گا (کیونکہ نکاح اس کی اجازت سے قرار پایا ہے) تو یہ قرضہ غلام کے ذمے ہو گا۔ جیسا کہ تجارت کا قرضہ غلام کے ذمے ہی ہوتا ہے (یعنی اگر غلام کو تجارت کی اجازت ہو اور وہ مقروض ہو جائے تو قرض اس کی گردن پر ہو گا اور اسے بیچ کر ادا کر دیا جائے گا) البتہ مالک کو یہ اختیار ہے کہ غلام کا فدیہ دے دے۔ کیونکہ عورت کا حق نفقے میں ہے نہ کہ غلام کی گردن میں۔ اگر غلام مر گیا تو فدیہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر غلام قتل کر دیا گیا تو بھی صحیح روایت کے مطابق نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ نفقہ تو زندگی کا عطیہ تھا (اور اس قسم کے عطیات موت سے باطل ہو جاتے ہیں)۔

مسئلہ: اگر آزاد مرد نے کسی کی باندی سے نکاح کر لیا اور مولیٰ نے اسے شوہر کے پاس شب بسری کی اجازت دے دی تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں احتباس ثابت ہو گیا۔ لیکن اگر مالک اسے خاوند کے پاس شب بسری کی اجازت نہ دے تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، کیونکہ احتباس جاتا رہا۔

تبویت سے یہ مراد ہے کہ باندی کو خاوند کے ساتھ اس کے گھر میں قیام کرنے دے اور خود باندی سے خدمت نہ لے۔ اگر شوہر کے گھر میں بسانے کے بعد پھر اپنی خدمت میں لے لیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ احتباس جاتا رہا۔

کتاب النکاح میں گزر چکا ہے کہ شوہر کا گھر بسانا مالک پر لازمی نہیں ہے

Marfat.com

اگر مالک لونڈی کو پورے طور پہ اپنی خدمت کے لئے مامور نہ کرے بلکہ گاہے بگاہے باندی خود اس کے کام کر دیا کرے تو مرد کے ذمّے سے نفقہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ مولیٰ نے اسے واپس لینے کے طور پر خدمت نہیں لی۔

مدبّرہ اور ام ولد کے احکام بھی دوسری باندیوں جیسے ہونگے۔

فصل

مسئلہ: شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسے مکان میں ٹھہرائے جس میں شوہر کے خاندان کا کوئی فرد سکونت پذیر نہ ہو۔ ہاں اگر عورت خود ان کے ساتھ رہنا پسند کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ جائے سکونت مہیا کرنا بھی کفایت سے ہے۔ لہٰذا نفقے کی طرح جائے سکونت بھی واجب ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو نفقے سے متصل کر کے واجب کیا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جائے سکونت عورت کا شرعی حق ہوتا ہے تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ کسی دوسرے کو رہائش میں شریک نہ کرے کیونکہ دوسروں کی شرکت سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اس لئے کہ اس صورت میں عورت کا سامان محفوظ نہیں ہوتا۔ نیز وہ اپنے خاوند کے ساتھ بے تکلفی سے میل جول بھی قائم نہیں رکھ سکتی اور نہ ہی ازدواجی تعلقات ہی سے مستفید ہو سکتی ہے۔ اگر عورت خود اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اب وہ اپنے حق میں کمی پہ خود راضی ہو گئی ہے۔

مسئلہ: اگر خاوند کا دوسری بیوی سے کوئی بیٹا ہو تو اسے بیوی کے

Marfat.com

ساتھ نہیں ٹھہرا سکتا۔ اس کی وجہ ابھی ہم نے بیان کی ہے۔ اگر شوہر اپنے گھر میں بیوی کو ایسے الگ کمرے میں ٹھہرائے جس کا الگ دروازہ بھی ہو تو کافی ہے کیونکہ اس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اور شوہر زوجہ کے والدین یا اس کے پہلے خاوند کے لڑکے یا اس کے رشتہ داروں کو اپنے گھر آنے سے منع کرنے کا اختیار رکھتا ہے کیونکہ مکان خاوند کی ذاتی ملکیت ہے اور وہ اپنی ملکیت میں داخل ہونے سے روک سکتا ہے۔

مسئلہ: شوہر کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ بیوی کے رشتہ داروں کو میل ملاقات اور بات چیت کرنے سے منع کرے، وہ جب چاہیں ملاقات کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کے روکنے سے قطع رحمی لازم آتی ہے (اور یہ شرعاً ممنوع ہے) اور ان کی میل ملاقات سے خاوند کا کچھ نقصان بھی نہیں۔ بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ خاوند میل ملاقات کی طرح گھر میں داخل ہونے اور گفتگو کرنے سے بھی نہیں روک سکتا۔ ہاں انھیں وہاں رہنے سے منع کر سکتا ہے کیونکہ گفتگو کی درازی اور زیادہ ٹھہرنے میں فتنے کا احتمال ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ مرد ہفتہ میں ایک بار عورت کو اپنے والدین کے ہاں جانے اور انھیں اس کے پاس آنے سے منع نہیں کر سکتا (اسی پر فتویٰ بھی ہے) ہاں دوسرے محرموں کو سال میں ایک آدھ بار ملاقات کی اجازت دے سکتا ہے اور یہی ثابت ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کہیں چلا جائے۔ اس کا کچھ مال کسی دوسرے

Marfat.com

شخص کے پاس امانت رکھا ہے جس کا اسے اقرار بھی ہے اور امین یہ اعتراف بھی کرتا ہے کہ یہ عورت مردِ غائب کی بیوی ہے تو قاضی اس کے مال سے اس کی بیوی، کمسن اولاد اور والدین کا گزارہ مقرر کر دے گا۔ اسی طرح اگر قاضی کو مالِ امانت کا علم ہو جائے (یعنی اسے علم ہو جائے کہ خاوند کا مال فلاں کے پاس امانت ہے اور فلاں عورت مردِ غائب کی بیوی ہے) خواہ امانت رکھنے والا معترف نہ بھی ہو (تو قاضی زوجہ، کمسن اولاد اور والدین کا گزارہ اس سے مقرر کر دے گا)۔ پہلے مسئلے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے زوجیت اور ودیعت دونوں کا اقرار کر لیا تو گویا اس نے یہ بھی اقرار کر لیا کہ اس زوجہ کو مال سے نفقہ لینے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ زوجہ شوہر کی رضامندی کے بغیر بھی اس کے مال سے بقدرِ کفایت لے سکتی ہے اور قابض مال کا اقرار اپنے حق میں مقبول ہوتا ہے، خصوصاً زیرِ بحث صورت میں۔ کیونکہ اگر وہ ودیعت یا زوجیت کسی ایک چیز کا انکار کرتا تو اس کے خلاف عورت کے گواہ قبول نہ ہوتے۔ کیونکہ زوجیت کے ثبوت کے لئے ودیعت رکھنے والا مدعی علیہ نہیں بن سکتا۔ اور نہ زوجہ ہی مردِ غائب کے حقوق ثابت کرنے کے لئے مدعیہ بن سکتی ہے۔ لیکن جب ودیعت رکھنے والے نے خود دونوں باتوں کا اقرار کر لیا تو یہ ثبوت و اعتراف غائب کی طرف منسوب ہو گا۔ (یعنی اس کے مال سے نفقہ دیا جائے گا) اور مسئلے کی صورت یہی ہو گی جب کہ خاوند کا مال کسی کے پاس بطورِ مضاربت (مضاربت یہ ہے کہ کسی کے مال میں تجارت کا کاروبار کیا جائے) موجود ہو یا کسی نے خاوند کا قرض دینا ہو

Marfat.com

توبھی یہی فیصلہ کیا جائے گا (یعنی مضارب یا قرضدار مضاربت یا قرضے اور زوجیت کا اعتراف کرلیں۔ تو بقدر نفقہ زوجہ، اولا دصغیر اور والدین کو ملے گا۔ یا اگر قاضی کو علم ہو جائے اور مضارب یا قرضدار اعتراف نہ بھی کریں تو قاضی بقدرِ نفقہ دلوائے گا)۔

یہ مذکورہ سب صورتیں اسی وقت ہیں کہ یہ مال عورت کے حق کی جنس سے تعلق رکھتا ہو۔ مثلاً روپیہ پیسہ ہو یا اناج ہو یا کپڑا ہو کہ جس قسم کا عورت کا حق ہے۔

اگر مال حقِ عورت کی جنس سے مختلف ہو تو قاضی اس میں نفقہ مقرر نہیں کرے گا۔ کیونکہ نفقے کی ادائیگی کے لئے اس مال کو فروخت کرنا پڑتا ہے (مثلاً خاوند نے اپنی زمین یا مکان یا غلام وغیرہ کسی کی امانت میں رکھا ہوا اور یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ غائب کا مال فروخت نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو جب حاضر کا مال ہی فروخت نہیں کیا جاتا تو غائب کا بدرجہ اولیٰ نہیں بیچا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک فروخت اس لئے منع ہے کہ حاضر شخص کے مال کی فروختگی کا حکم قاضی اس لئے دیتا ہے کہ وہ شخص ادائے حق سے انکار کرتا ہے مگر غائب کے متعلق یہ حکم نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس کے انکار کا کچھ علم نہیں۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ قاضی فیصلہ کرتے وقت عورت کی طرف سے ایک ضامن لے گا۔ تاکہ غائب کے مال کی بھی نگہداشت ہو سکے کیونکہ بسا اوقات ایسا بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے ہی مرد سے پیشگی نفقہ

Marfat.com

لے چکی ہو۔ یا مرد نے اسے طلاق دے دی ہو اور اس کی عدّت بھی ختم ہو چکی ہو۔
لیکن امام اعظم رحؒ میراث کی صورت میں ضامن نہیں لیتے۔ یعنی جب ایک شخص مر جائے اور اس کے حاضر وارثوں نے گواہ پیش کر دیئے۔ جنہوں نے یہ شہادت دے دی کہ ہم اس کے وارث ہیں۔ اور یہ نہ کہا کہ ہم ان کے علاوہ دوسرے وارثوں کو نہیں جانتے۔ تو اس صورت میں امام اعظم رحؒ کے نزدیک ضامن نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ اس شخص کا پتہ ہی نہیں جس کے لئے ضامن لیا جائے۔ مگر نفقے کی صورت میں اس کا علم ہوتا ہے اور وہ خاوند ہے۔ نفقہ مقرر کرنے سے پہلے قاضی عورت سے اللہ تعالیٰ کی قسم لے گا کہ مجھے مرد نے نفقہ نہیں دیا۔ قسم لینے سے مقصد مرد کے مال کی نگہداشت ہے۔

مسئلہ: امام قدوری رحؒ فرماتے ہیں کہ قاضی زوجہ، اولادِ صغار اور والدین کے علاوہ کسی دوسرے فرد کے لئے غائب کے مال سے نفقہ مقرر نہیں کر سکتا۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ ان مذکورہ افراد کا نفقہ تو قاضی کی قضا سے پہلے ہی واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ قاضی کی قضاء سے پہلے بھی لے سکتے ہیں اور قاضی کا فیصلہ تو محض اعانت کی ایک قسم ہے۔ جہاں تک دوسرے رشتہ داروں کے نفقے کا تعلق ہے ان کا نفقہ فقط قاضی کے فیصلے ہی سے واجب ہوگا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے اور قاضی غائب آدمی پر حکم نافذ نہیں کر سکتا۔

اب مسئلے کی دوسری صورت کو لیجئے۔ کہ قاضی کو عورت کی زوجیت کا علم نہ ہو۔ اور نہ وہ شخص ہی اعتراف کرتا ہے جس کے پاس مال موجود ہے۔ مگر

Marfat.com

عورت نے اپنی زوجیت شہادت سے ثابت کر دی۔ یا یہ صورت ہوئی کہ مرد غائب نے کوئی مال چھوڑا ہی نہیں لیکن عورت نے اپنی زوجیت کے ثبوت میں گواہ پیش کر دیئے کہ قاضی اس کا نفقہ مقرر کرے اور وہ مردِ غائب کی ذمہ داری پر قرض لیتی رہے۔ تو قاضی اس قسم کا فیصلہ نہیں کر سکتا ورنہ قضاعلی الغائب لازم آئے گی۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ قاضی عورت کی نگہداشت کرتے ہوئے نفقے کی مقدار مقرر کر سکتا ہے اور اس سے غائب شخص پر کوئی ضرر نہیں آتا (اور عورت کو قرض لینے کا حکم دے سکتا ہے) کیونکہ جب خاوند نے حاضر ہو کر اس کی زوجیت کی تصدیق کر دی تو ثابت ہو گیا کہ اس نے اپنا حق لیا تھا۔ اگر مرد نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم سے منکر ہو تو عورت کی سچائی ثابت ہو گئی۔ یا اگر عورت نے گواہ پیش کر دیئے تو بھی اس کا حق ثابت ہو گیا۔ لیکن اگر عورت گواہ بھی پیش نہ کر سکی، تو ضامن یا عورت خود ذمہ دار ہو گی۔

آج کل قاضی اسی قول پر عمل کرتے ہیں کہ مردِ غائب پر نفقے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ اس سے لوگوں کی ضروریات کا حل ہوتا ہے۔ لیکن ائمہ میں یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔ اس مسئلے میں اور بھی کئی ضعیف قسم کے اقوال منقول ہیں۔ لہٰذا ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

Marfat.com

فصل

مسئلہ: اگر مرد نے عورت کو طلاق دی، خواہ رجعی ہو یا بائن، تو عدت کے دوران اس کے اخراجات اور جائے رہائش کا انتظام مرد کے ذمّے ہوگا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جسے طلاق بائن دی جائے اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوتا۔ ہاں اگر حاملہ ہو تو اسے نفقہ دیا جائے گا۔ طلاقِ رجعی کی صورت میں نفقہ اس لئے واجب ہوتا ہے کہ نکاح عدت کے اختتام تک موجود رہتا ہے۔ خصوصاً ہمارے نزدیک کیونکہ اس سے مباشرت کرنا جائز ہوتا ہے۔

طلاق بائنہ کی صورت میں نفقے کے عدمِ وجوب کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے جسے فاطمہ بنت قیس روایت کرتی ہیں کہ مجھے اپنے خاوند نے تین طلاقیں دے دیں۔ آپ نے میرے لئے نہ نفقہ مقرّر فرمایا اور نہ جائے سکونت۔

امام شافعیؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ایسی عورت پر شوہر کا مِلک ختم ہو جاتا ہے اور نفقہ مِلک نکاح پر مترتب ہوتا ہے۔ اسی لئے اُس عورت کے لئے بھی نفقہ واجب نہیں ہوتا جس کا خاوند مر جائے۔ کیونکہ مِلک زائل ہو گیا۔ رہا حاملہ کا مسئلہ۔ اس کے نفقے کا وجوب ہمیں نصِ قرآنی سے ملتا ہے۔ باری تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ "اگر مطلّقہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان کا نفقہ ادا کرو۔"

ہماری دلیل یہ ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نفقہ تو عورت کو روکنے کے بدلے میں دیا جاتا ہے۔ اور یہ حبس ابھی نکاح کے مقصود یعنی بچے

Marfat.com

کے لحاظ سے موجود ہے کیونکہ عدت بچے کو بچانے کے لیئے ہی واجب ہوتی ہے لہذا نفقہ واجب ہوگا۔ اسی لیئے متفقہ طور پر سکونت کی جگہ کا انتظام بھی واجب ہے (جس کے قائل امام شافعیؒ بھی ہیں) تو گویا (مطلقہ بائنہ بھی) حاملہ کی طرح ہوگئی۔

فاطمہ بنت قیس کی روایت کو حضرت عمرؓ نے رد کر دیا تھا اور فرمایا کہ ہم کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کو ایک عورت کے کہنے پر ترک نہیں کر سکتے کیا پتہ کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے یا سچ کہہ رہی ہے یا وہ اصل واقعے کو بھول چکی ہے یا اس کی یاد میں ہے۔ حالانکہ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا: مطلقہ ثلاث کے لیئے نفقہ اور سکنٰی دونوں واجب ہیں جب تک کہ وہ عدت میں ہے۔ نیز حضرت زید بن ثابتؓ، اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی فاطمہ بنتِ قیس کی روایت کو رد کر دیا تھا۔

مسئلہ: جس عورت کا خاوند مر جائے اس کے لیئے عدت کا نفقہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب اس کا احتباس حقِ شوہر کے لیئے نہیں بلکہ حقِ شرع کے لیئے ہے اس لیئے کہ اس کا عدت گزارنا عبادت میں شامل ہے۔ کیا آپ کو تسلیم نہیں کہ اس عدت میں استبرائے رحم مقصود نہیں ہوتا۔ حتٰی کہ اس عدت میں حیض کی شرط نہیں ہوتی۔ لہذا اس کا نفقہ بھی شوہر متوفّی پر واجب نہ ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نفقہ آہستہ آہستہ واجب ہوتا ہے (کہ ہر روز کی مقدار روزانہ دی جائے) مگر موت کے بعد شوہر کی ملکیت جاتی رہی تو وارثوں کی ملکیت میں اس کا واجب کرنا ممکن نہیں۔

Marfat.com

مسئلہ: جس جدائی کا باعث عورت کی طرف سے معصیت بنے مثلاً دینِ اسلام ترک کر دے یا شہوانی جذبات کے تحت مرد کے بیٹے کو چوم لے تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس نے بغیر کسی حق کے نفس کو روک رکھا ہے۔ یہ اس عورت کی مانند ہو گئی جو نافرمانی کرتے ہوئے مرد کے گھر سے نکل جائے۔ البتہ دخول کے بعد مہر کے واجب ہونے کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ مباشرت کی صورت میں وہ اپنے آپ کو مرد کے سپرد کر چکی ہے۔ لہٰذا مہر کا حق ثابت ہو گیا۔ نیز اس صورت کا حکم بھی الگ ہو گا جبکہ جدائی کا باعث تو عورت ہو مگر اس کی طرف سے معصیت نہ پائی جائے۔ جیسے خیارِ عتق، خیارِ بلوغ اور عدم کفو کی بنا پر تفریق کا واقع ہونا۔ کیونکہ ان صورتوں میں عورت کا اپنے آپ کو روکنا ایک حق کی وجہ سے ہے اور اس سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مہر کی وصولی کے لئے اگر وہ اپنے آپ کو روکے رکھے تو اسے نفقہ ملتا رہے گا۔

مسئلہ: اگر مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور وہ بعد میں نعوذ باللہ مرتد ہو گئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو گیا۔ لیکن اگر اس نے شوہر کے بیٹے کو مباشرت پر قادر کیا تو نفقہ ساقط نہ ہو گا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسے طلاق لینے کے بعد قدرت دے کیونکہ فرقت تو تین طلاقوں ہی سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس میں ارتداد یا شوہر کے بیٹے کو قادر کرنے کا کوئی دخل نہیں۔ البتہ مرتد ہونے کی صورت میں اسے قید کر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ توبہ کر لے اور قیدی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا اور شوہر کے بیٹے کو قادر کرنے والی قید نہیں کی جاتی۔ لہٰذا دونوں

Marfat.com

میں فرق ہوگا۔

فصل

مسئلہ: نابالغ بچوں کے اخراجات صرف باپ کے ذمے ہیں۔ اس ذمہ داری میں باپ کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہوگا جیسا کہ اس کی زوجہ کے نفقے میں کوئی دوسرا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کا نفقہ صاحب اولاد کے ذمہ ہے اور صاحب اولاد باپ ہی ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر صغیر دودھ پیتا بچہ ہو تو قاضی اس کے دودھ پلانے کو ماں پر واجب نہیں کر سکتا۔ اس کی دلیل ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ کفایت کی ذمہ داری باپ پر ہے اور دودھ پلانے کی اُجرت نفقے کی طرح ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے۔ ممکن ہے کہ کسی عذر کی بناء پر ماں دودھ پلانے پر قادر نہ ہو تو اس پر جبر کرنے سے کیا فائدہ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَلَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا" (یعنی والدہ اپنے بچے کی وجہ سے ضرر نہیں اٹھائے گی) کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ماں کی عدم رضا کی صورت میں بچے کا دودھ پلانا اس پر لازم نہ کیا جائے گا۔ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہ قضائے ظاہری کا بیان ہے اور یہ بھی اس وقت نافذ ہوگا کہ بچے کو دودھ پلانے والی میسّر ہو سکے۔ اگر کوئی ایسی عورت نہ مل سکے جو اسے دودھ پلائے تو ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا، تاکہ بچے کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔

Marfat.com

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ باپ ایسی عورت کو نوکر رکھے جو اس کی ماں کے پاس دودھ پلائے۔

باپ کے نوکر رکھنے کا یہ مفہوم ہے کہ اُجرت باپ کے ذمے ہوگی اور "عندھا" (یعنی اس کی ماں کے پاس پلائے) کے یہ معنی ہیں کہ جب ماں اس بات کا تقاضا کرے تو اس کے پاس ہی دودھ پلایا جائے گا کیونکہ گود کا حق ماں ہی کا ہے۔

مسئلہ: اگر باپ نے ماں ہی کو اُجرت پر دُودھ پلانے کو رکھ لیا حالیکہ وہ اس کی زوجہ ہے یا عدّت گزار رہی ہے تو یہ اجارہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر تو شرعاً دودھ پلانا واجب ہے (اجارہ کے کیا معنے؟) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "والوالدات یرضعن اولادھن" یعنی مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور اس احتمال کے مدّنظر کہ شاید وہ دودھ پلانے سے عاجز ہو۔ اسے معذور تصوّر کیا گیا تھا۔ لیکن جب وہ اجرت پر پلانے کو تیار ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ وہ دودھ پلانے پر قادر ہے اور پلانا اس پر واجب بھی تھا۔ لہٰذا وہ اجرت ہرگز وصول نہیں کرسکتی۔

اور اُجرت کا جائز نہ ہونا معتدّہ رجعی کی صورت میں متفق علیہ ہے کیونکہ عدّت کے اختتام تک نکاح قائم رہتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق تو معتدّہ بائنہ بھی اُجرت نہیں لے سکتی۔ مگر دوسری روایت سے اُجرت کا جواز ملتا ہے کیونکہ طلاق بائن سے نکاح زائل ہوچکا ہے۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ بعض احکام کے پیشِ نظر تاحال نکاح

Marfat.com

کو باقی قرار دیں گے (یعنی عدّت، نفقہ و سکنیٰ وغیرہ)۔

مسئلہ: اگر مرد اپنی منکوحہ یا معتدہ بیوی کو دوسری زوجہ کے بچہ کو دُودھ پلانے پر اُجرت کے عوض مقرر کرے تو جائز ہے۔ کیونکہ اس بچے کا دودھ پلانا اس پر واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر عورت کی عدّت کے خاتمہ کے بعد بچے کو اُجرت پر دودھ پلانے کے لئے مقرر کرے تو روا ہے۔ کیونکہ عدّت کے بعد نکاح کلیتہً زائل ہو چکا ہے اور عورت گویا اجنبی ہو گئی ہے۔

مسئلہ: اگر بچے کا والد کہے کہ میں بچے کی (مطلقہ) ماں کو اُجرت پر مقرر نہیں کرتا۔ اور دوسری دودھ پلانے والی عورت لے آیا اور جس قدر اُجرت یہ اجنبیہ طلب کرتی ہے اگر والدہ اسی قدر پر راضی ہو یا بلا اُجرت پلانے پر تیار ہو تو ماں ہی دودھ پلانے کی حقدار ہو گی۔ کیونکہ اس کے دل میں بچے کے لئے جو فطرتی شفقت ہو گی اجنبیہ اس سے محروم ہے۔ لہٰذا بچے کا مفاد اسی میں ہے کہ اسے والدہ کے سپرد کیا جائے۔

مسئلہ: اگر ماں غیر عورت سے زیادہ اُجرت کا مطالبہ کرے تو باپ کو اضافے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تاکہ اسے خواہ مخواہ نقصان نہ پہنچایا جائے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ولا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ" سے بھی یہی مفہوم ہے کہ اجنبیہ عورت سے زیادہ اُجرت دینا واجب نہ ہو گا۔

مسئلہ: چھوٹے بچے کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہوتا ہے خواہ

Marfat.com

باپ دینی لحاظ سے اس سے اختلاف رکھتا ہو جیسا کہ زوجہ کا نفقہ اس پر واجب ہوتا ہے۔ اگرچہ زوجہ مذہبی لحاظ سے اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ بچے کے نفقے کی دلیل وہی آیت "وعلی المولود له رزقھن" ہے جو کہ نفقے کے حق میں مطلق ہے (دینی مطابقت یا مخالفت کی کوئی تخصیص نہیں)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ اپنے باپ کا جزو ہوتا ہے تو گویا کہ وہ خود ہی ہے۔(جس طرح اپنی ذات کا نفقہ واجب ہوتا ہے اسی طرح اپنے جزو کا بھی ہوگا)۔

زوجہ کے نفقے کی دلیل یہ ہے کہ سببِ نفقہ عقدِ صحیح ہوتا ہے (اور وہ موجود ہے) اس لئے کہ یہ نفقہ اس احتباس کے عوض میں ہوتا ہے جو نکاح صحیح سے ثابت ہے۔ مسلمان اور کافرہ کتابیہ کا عقد صحیح ہوتا ہے اور اس پر احتباس بھی مرتب ہوگا لہٰذا نفقہ بھی واجب ہوگا۔

ان تمام مذکورہ صورتوں میں اگر صغیر کا مال نہ ہو تو نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ لیکن اگر صغیرہ کا اپنا مال بھی ہے تو اس اصول "کہ انسان کا نفقہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے اپنے مال سے ہونا چاہیئے" کے مطابق باپ پر واجب نہ ہوگا بلکہ اس کے مال سے دیا جائے گا۔

فصل

مسئلہ: مرد پر واجب ہے کہ وہ اپنے والدین، اجداد اور جدات کو جب کہ وہ محتاج ہوں نفقہ دے۔ خواہ وہ دینی لحاظ سے اس سے اختلاف ہی رکھتے ہوں۔

Marfat.com

ماں باپ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وصاحبھما فی الدنیا معروفا" (یعنی دنیوی امور میں والدین کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو) یہ آیت کافر والدین کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور یہ بھلائی نہیں ہے کہ انسان خود تو خداداد نعمتوں میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرے اور والدین بھوک سے بلکتے رہیں اور ہلاک ہو جائیں۔

اجداد اور جدّات کی حیثیت بھی باپوں اور ماؤں کی سی ہے کیونکہ باپ کی غیر موجودگی کی صورت میں دادا ہی قائم مقام ہوتا ہے۔ نیز انسان کی زندگی کا سبب بھی اجداد و جدّات ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا بھی اس شخص پر حق ہے کہ وہ ان کی اپنے والدین کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے کفالت کرے۔ امام قدوری رحؒ نے "فقر" کی شرط لگائی ہے۔ کیونکہ اگر باپ متمول آدمی ہو تو اس کا نفقہ اسی کے مال میں واجب کرنا زیادہ مناسب ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ کسی دوسرے کے مال میں واجب کیا جائے۔ والدین کے نفقے میں اختلافِ مذہب حائل نہیں ہوتا۔ اس کی تائید میں نصِّ قرآنی پیش کی جا چکی ہے۔

مسئلہ : اختلافِ دین کی وجہ سے صرف مندرجہ ذیل افراد کا نفقہ ہی واجب ہوگا، ان کے علاوہ اور کسی کا نہ ہوگا :۔

زوجہ، والدین، اجداد، جدّات، بیٹے اور پوتے۔

زوجہ کے بارے میں تو ہم بتا چکے ہیں کہ نفقہ عقد کی وجہ سے واجب ہے۔ کیونکہ زوجہ اپنے شوہر کے حقِ مقصود کی وجہ سے پابند ہو جاتی ہے اور اس میں اتحادِ مذہب کا کوئی دخل نہیں۔

Marfat.com

رہے دوسرے مذکورہ رشتہ دار۔ ان میں جزئیت ثابت ہے (کیونکہ اجداد و جدات کا یہ خود جزو ہے اور بیٹے اور پوتے اس کے جزو ہیں) اور انسان کی جزء ذات کے معنی میں ہوتی ہے۔ تو جس طرح انسان کے کفر کی وجہ سے اپنی ذات کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا تو جزء کا نفقہ بھی ساقط نہ ہوگا۔

اگر مذکورہ رشتہ دار حربی ہوں تو ان کا نفقہ مسلمان پر واجب نہیں ہوگا۔ اگر یہ لوگ امان طلب کر کے دارالاسلام میں بھی آجائیں تب بھی نفقہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ ہمیں اس شخص کے ساتھ بھلائی کرنے کی ممانعت ہے جو ہمارے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ سے کام لے۔

مسئلہ: نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح مسلمان پر اپنے نصرانی بھائی کا نفقہ بھی لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ نصِّ قرآنی کے مطابق نفقے کا تعلّق وراثت سے ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ ملک کی وجہ سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے (یعنی اگر مسلمان اپنے نصرانی بھائی کو خرید لے تو وہ آزاد ہو جائے گا) کیونکہ حرّیت کا تعلّق قرابت اور رشتہ داری سے ہے۔ یہی بات حدیث سے ثابت ہے (کہ جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک بن جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرابت صرف رشتہ دار کے ساتھ بھلائی کا تقاضا کرتی ہے۔ مگر اتحادِ دین کی وجہ سے یہ تقاضا اور زیادہ شدید ہو جاتا ہے (بلکہ نفقہ واجب ہو جاتا ہے) اور کسی رشتہ دار کا غلامی میں رکھنا بہ نسبت نفقہ سے محروم کر دینے کے زیادہ نقصان دہ اور قطع رحمی کا سبب بنتا ہے۔ تو ہم نے

Marfat.com

اعلیٰ چیز میں اصل علت کا اعتبار کیا اور ادنیٰ میں علتِ مؤکدہ کا۔ لہٰذا دونوں میں فرق واضح ہو گیا۔ (یعنی کسی محرم رشتہ پر ملکیت حاصل کرکے اسے غلامی میں برقرار رکھنا حرام ہے اور یہ بہت بڑی برائی ہے۔ تو ہم نے اس کی علت قطع رحمی قرار دی کہ اگر وہ آزاد نہیں کرتا تو ایک قبیح جرم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اور کافر بھائی کو نفقہ نہ دینا پہلی برائی سے کہیں کم درجے کی برائی ہے۔ لہٰذا ہم نے کہا کہ اگر نفقہ دے گا تو اچھا ہے ورنہ اس پر واجب نہیں۔ ہاں اگر نسبتی قرابت کے علاوہ دین میں بھی متفق ہو تو نفقہ واجب ہو گا۔ لہٰذا آزاد ہونے میں اور نفقہ واجب ہونے میں فرق واضح ہو گیا)۔

مسئلہ: والدین کو نفقہ دینے میں بیٹے کے ساتھ اور کوئی شریک نہ ہوگا۔ کیونکہ والدین ایک حدیث (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تو اور تیرا مال دونوں تیرے باپ کے لئے ہیں) کے مطابق بیٹے کے مال میں حق رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی کے مال میں حق نہیں رکھتے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بیٹا والدین کے سب سے قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہی مناسب ہے کہ ان کا نفقہ اسی کے ذمے لگایا جائے۔ استحقاقِ نفقہ میں بیٹے اور بیٹیاں برابر ہیں۔ یہی مسئلہ ظاہر روایت میں موجود ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ کیونکہ نفقہ واجب کرنے کا سبب لڑکوں اور لڑکیوں دونوں میں موجود ہے۔

مسئلہ: ہر ذی رحم محرم کے لئے نفقہ واجب ہوتا ہے جبکہ وہ کمسن محتاج ہو، یا بالغہ محتاج عورت ہو، یا بالغ محتاج مرد، لنجا یا اندھا ہو۔ کیونکہ قرابت قریبہ میں صلہ رحمی واجب ہوتی ہے اور بعیدہ میں واجب نہیں ہوتی۔

Marfat.com

ذی رحم محرم قریبی رشتہ دار ہوگا۔ اس کے علاوہ دوسرے دُور کے رشتہ دار ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وعلی الوارث مثل ذلك" یعنی وارث پر اس کے مثل واجب ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءۃ میں "وعلی الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذلك" آتا ہے۔ یعنی ہر ذی رحم محرم وارث پر اس کے مثل واجب ہے۔

نفقے کے واجب ہونے میں احتیاج شرط ہے۔ کمسنی، عورت ہونا یا لُنجا ہونا یا اندھا ہونا محتاج ہونے کی علامت و دلیل ہے کیونکہ ان کا معذور رہونا ثابت ہے۔ اور جو شخص خود کما سکتا ہو وہ اپنے کسب کی بناء پر محتاج خیال نہیں کیا جاتا۔ بخلاف والدین کے۔ کیونکہ کمانے میں انھیں تکلیفات پیش آئینگی۔ بیٹے کا یہ فرض ہے کہ وہ ان سے تمام تکلیفات کو دُور کرے۔ اگر ماں باپ کمانے کی قدرت بھی رکھتے ہوں تو بھی ان کا نفقہ بیٹے پر واجب ہوگا۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ نفقہ میراث کے اندازے پر ہوگا اور وہ اس نفقے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ نصِّ قرآنی میں وارث کے لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نفقہ میراث کے اندازے پر ہو۔ اور آدمی اتنا ہی تاوان برداشت کرتا ہے جتنا اسے حاصل ہو (یعنی جتنا حصہ اسے میراث سے حاصل ہوگا اتنا ہی مُورث کو نفقہ دے گا) اور جبر اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر واجب حق کو ادا کرے۔

مسئلہ: شیخ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ بالغہ بیٹی اور لُنجے بالغ بیٹے کا نفقہ والدین پر اس نسبت سے واجب ہوگا کہ دو حصے باپ ادا کرے اور

Marfat.com

ایک حصہ والدہ۔ کیونکہ میراث بھی انھیں اسی نسبت سے ملتی ہے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قدوری کا یہ مسئلہ امام خصافؒ اور حسنؒ کی روایت ہے۔ مگر ظاہر روایت کے مطابق پورا نفقہ باپ پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن" اور اپاہج بیٹا نابالغ بیٹے کی طرح تصور کیا جائے گا۔

امام خصافؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ باپ کے ذمے صغیر بچے کی ولایت اور مشقت دونوں چیزیں ہیں۔ حتیٰ کہ اسے صغیر کی طرف سے صدقہ فطر بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا صغیر کا نفقہ خاص طور پر باپ ہی پر واجب ہوگا مگر بالغ بیٹے کی یہ حالت نہیں۔ کیونکہ اس پر باپ کی ولایت نہیں رہتی لہٰذا نفقے میں ماں بھی شریک ہوگی۔ باپ کے سوا دوسرے رشتہ داروں پر نفقہ بقدر میراث واجب کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ صغیر کا نفقہ اس کے دادا اور ماں پر علی الترتیب دو تہائی اور ایک تہائی کی نسبت سے واجب ہوگا۔ اور محتاج بھائی کا نفقہ ہر قسم کی خوشحال بہنوں پر پانچ حصوں میں بٹ جائے گا۔ میراث کے لحاظ سے۔ مثلاً اس کی تین بہنیں خوشحال ہیں۔ ایک حقیقی، دوسری باپ کی طرف سے اور تیسری ماں کی طرف سے تو میراث کے مطابق نفقہ پانچ حصوں میں بٹ جائے گا (یعنی تین حصے سگی بہن پر اور ایک ایک حصہ دوسری دونوں پر)۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ فقط میراث کا استحقاق ہی کافی ہے اور میراث کا حق بالفعل حاصل ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ اگر ایک محتاج شخص کا ماموں

Marfat.com

اور چچا زاد بیٹا خوشحال ہے تو محتاج کا نفقہ ماموں کے ذمّے ہوگا حالانکہ میراث چچازاد بیٹے کو ملے گی (کیونکہ ماموں ذی رحم محرم ہے)۔

مسئلہ: اگر ان ذی رحم محرموں کے ساتھ دین میں اختلاف ہے تو نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اختلافِ دین کی وجہ سے اہلیتِ وراثت بھی باقی نہیں رہتی حالانکہ اس اہلیتِ وراثت کا اعتبار ضروری ہے۔

مسئلہ: محتاج آدمی کے ذمّے نفقہ لازم نہیں ہوتا کیونکہ اس کا وجوب بطورِ عطیہ ہے اور وہ خود محتاج ہونے کی وجہ سے اس کا زیادہ مستحق ہے (کہ کوئی دوسرا اس پر احسان کرے) تو اس پر (دوسرے کا نفقہ) کیونکر واجب ہوسکتا ہے بخلاف زوجہ اور چھوٹے بچے کے نفقہ کے۔ کیونکہ زوجہ اور بچے کا نفقہ تو شوہر اور باپ پر خواہ وہ غریب بھی ہوں واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ جب اس نے نکاح کرلیا تو گویا اپنے ذمّے نفقے کو بھی لازم کرلیا۔ کیونکہ نفقے کے بغیر نکاح کی مصلحتیں مرتب نہیں ہوتیں اور تنگدستی ایسے امور میں حائل نہیں ہوسکتی۔

خوشحالی کا اندازہ کیا ہے؟ امام ابو یوسفؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نصاب کا مالک ہے وہ خوشحال شمار ہوگا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک ماہ کے ذاتی اخراجات اور عیال کے نفقے سے کچھ مزید بھی اس کے پاس بچ رہے۔ یا ہر روز کی آمدن سے اسی تناسب سے بچت ہوتی رہے تو وہ خوشحال متصوّر ہوگا کیونکہ حقوق العباد میں قدرت و استطاعت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نصاب کا چنداں اعتبار نہیں کیونکہ نصاب تو دولتمندی کے لئے ہوتا ہے۔

Marfat.com

فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر دیا جاتا ہے اور نصاب سے مراد وہ نصاب ہے جس کے ہوتے ہوئے صدقہ و خیرات لینا حرام ہے۔

مسئلہ: اگر غائب بیٹے کا مال موجود ہو تو اس سے والدین کے لئے نفقے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کی دلیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں (کہ والدین کا حق بیٹے کے مال میں ثابت ہے اور قاضی کا حکم ان کی اعانت کے طور پر ہو گا)۔

مسئلہ: اگر غائب بیٹے کا باپ اس کے مال کو نفقہ حاصل کرنے کے لئے فروخت کر دے تو جائز ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ جواز استحسان کے پیش نظر ہے۔

اگر باپ اس کی زمین یا مکان فروخت کرنا چاہے تو اس کی اجازت نہ ہو گی۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کسی کو بھی فروخت کرنا روا نہیں۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ بیٹے کے بالغ ہونے کی وجہ سے اس پر باپ کی حق ولایت منقطع ہو چکی ہے۔ اسی لئے بیٹے کی موجودگی میں باپ اس کے مال کو فروخت نہیں کر سکتا اور نفقے کے علاوہ کسی دوسرے قرض کے سلسلے میں بھی اس کا مال نہیں بیچ سکتا۔ اسی طرح اس کی ماں بھی نفقے کے لئے اس کا مال نہیں بیچ سکتی۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باپ کو غائب بیٹے کے مال میں محافظت کا حق حاصل ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جب وصی کو حقِ محافظت حاصل ہو

Marfat.com

سکتاہے تو باپ کو بدرجۂ اَوْلیٰ حاصل ہوگا۔ کیونکہ باپ میں شفقت کا درجہ بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے۔

مال منقولہ کی فروخت سلسلۂ محافظت کی ایک کڑی ہے۔ مگر غیر منقولہ مال میں یہ چیز موجود نہیں۔ کیونکہ وہ تو بذاتِ خود محفوظ ہوتا ہے۔ باپ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو یہ حق حاصل نہیں کیونکہ انھیں تو اس کے بچپن کی حالت میں بھی مال میں تصرّف کرنے کا اختیار نہ تھا۔ نہ ہی سنِ بلوغ کے بعد انھیں ولایتِ محافظت حاصل ہوگی۔

جب باپ اس کے مال کی فروخت پر اختیار رکھتا ہے اور اس کی قیمت ایک ایسی جنس ہے جو باپ کا حق ہے۔ یعنی نفقہ کی قسم سے ہے۔ تو خریدار سے قیمت وصول کرنے کا حق دار بھی ہوگا۔ جیسا کہ کمالِ ولایت کی بناء پر باپ صغیر بیٹے کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ فروخت کر سکتا ہے اور قیمت میں سے اپنا نفقہ وصول کر سکتا ہے۔ کیونکہ دام ایسی جنس ہیں جس پر اس کو حق حاصل ہے۔

مسئلہ: اگر غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضے میں موجود ہو اور محتاج والدین اس سے اپنا نفقہ حاصل کرلیں۔ تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے اپنا حق وصول کیا ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قضائے قاضی سے پہلے بھی وہ نفقہ وصول کرنے کے مستحق ہوتے ہیں اور انہوں نے اپنے حق کی جنس سے لیا ہے۔

مسئلہ: اگر غائب بیٹے کا مال کسی اجنبی کے قبضے میں ہو۔ اور اس

Marfat.com

نے قاضی کی قضا کے بغیر اس کے والدین پر خرچ کر دیا تو اجنبی ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے دوسرے کے مال میں بغیر کسی ولایت کے تصرف کیا ہے۔ وہ تو فقط محافظ تھا۔ اس کے علاوہ اُسے کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ ہاں اگر قاضی اسے خرچ کرلے کا حکم دے (تو ضامن نہ ہوگا) کیونکہ قاضی کی ولایت سب پر عام ہے۔ لہٰذا قاضی کا حکم اس پر لازم ہوگا۔

پہلی صورت میں اگر اجنبی تاوان ادا کردے تو والدین سے وصول نہیں کرے گا کیونکہ تاوان ادا کرنے سے اجنبی اس مال کا مالک ہوگیا تو معلوم ہوا کہ اس نے اپنا ذاتی مال ان دونوں محتاجوں کو بطور صدقہ دیا ہے۔

مسئلہ: اگر قاضی نے ایک شخص پر اس کے بیٹے، والدین اور محرم رشتہ داروں کا نفقہ لازم کر دیا۔ مگر ایک مدت تک اس نے نفقہ ادا نہ کیا تو اس مدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ان لوگوں کا نفقہ حاجت پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر یہ لوگ خوشحال ہوں تو واجب ہی نہیں ہوتا اور جو مدت گزر گئی ہے اس کی کفایت بھی ہو گئی ہے۔

بخلاف بیوی کے نفقے کے۔ اگر قاضی اس کے لئے مقرر کردے تو ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ تو بیوی کی دولتمندی کے باوجود بھی واجب ہوتا ہے تو گزری ہوئی مدت میں استغناء حاصل ہونے سے ساقط نہ ہوگا۔

مسئلہ: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جب قاضی اس کی ذمہ داری پر قرض لینے کا فیصلہ بھی کر دے تو گزشتہ مدت کا نفقہ بھی ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ قاضی کی ولایت ہر ایک پر عام ہوتی ہے۔ گویا اس کا حکم دینا

Marfat.com

ایسا ہے جیسا کہ ایک غائب اجازت دے دے کہ میری ذمہ داری پر قرض لے لو۔ لہذا یہ قرضہ اس کے ذمّے ہو گا۔

فصل

مسئلہ: مالک پر غلام اور باندی کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ غلاموں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا زیر دست بنایا ہے۔ سو جو کھانا تم کھاتے ہو، انھیں بھی کھلاؤ۔ اور جو کپڑا تم پہنتے ہو، انھیں بھی پہناؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مشقّت میں نہ ڈالو۔

اگر مولیٰ انھیں نفقہ دینے سے انکار کر دے تو لونڈی یا غلام اگر ہنر مند ہوں تو وہ کمائیں اور کھائیں۔ کیونکہ اس میں دونوں طرفوں کی رعایت ہے کہ غلام بھی زندہ رہ سکے گا اور مولیٰ کا مِلک بھی باقی رہے گا۔ لیکن اگر غلام یا لونڈی ہنر مند نہ ہوں اور کچھ نہ کما سکتے ہوں، مثلاً غلام لُنجا ہو اور لونڈی ایسی ہو جسے کوئی اُجرت پر نہیں لیتا تو مولیٰ کو مجبور کیا جائے گا کہ انھیں بیچ دو۔ کیونکہ یہ دونوں نفقہ کے مستحق ہیں اور فروخت کرنے سے ان کا حق پورا ہو جائے گا اور مولیٰ کو ان کے بدلے قیمت مل جائے گی۔

بخلاف زوجہ کے نفقہ کے۔ وہ تو شوہر کے ذمّے قرض ہو جاتا ہے تو اس میں تاخیر کی جائے گی (ساقط نہ ہو گا) جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔

Marfat.com

مگر مملوک کا نفقہ مالک کے ذمّے قرض نہیں بنتا۔ تو اس کا ابطال لازم آتا ہے (تاخیر کی صورت نہیں ہو سکتی کہ بعد میں سارا نفقہ ادا کرے) مگر کسی کے حق کو باطل کرنا جائز نہیں ہوتا لہٰذا مولیٰ کو فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا) البتہ حیوانات کی صورت میں مالک کو نفقے یا فروخت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ہاں حقوق اللہ (اور جانوروں پر شفقت) کے پیشِ نظر اسے خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو دکھ اور تکلیف دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور جانوروں کو خوراک نہ دینے میں تعذیب موجود ہے۔ نیز حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے روکا ہے۔ اور اگر وہ جانوروں کو خوراک نہ دے گا تو وہ بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے۔

امام ابو یوسف رح (جانوروں کو غلام پر قیاس کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ جانوروں کی خوراک کے لئے مالک کو مجبور کیا جائے گا مگر صحیح قول وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

فہرست مضامین

کتاب الطّلاق

★

باب طلاق السنۃ	۳
فصل	۱۴
باب ایقاع الطلاق	۱۷
فصل فی الطلاق قبل الدخول	
قبل دخول طلاق دینے کا بیان	۴۹
فصل فی المشیت	
مشیت کا بیان	۷۶
باب الایمان فی الطلاق	
طلاق میں قسم کھانے یا شرط لگانے کا بیان ..	۸۹
فصل فی الاستثناء	
استثناء کے بیان میں	۱۰۴
باب طلاق المریض	
مریض کی طلاق کا بیان	۱۰۷

Marfat.com

باب الرجعة

رجوع کرنے کا بیان ۱۱۹

فصل فیما تحل بہ المطلّقة

ان امور کا بیان جن سے مطلّقہ حلال ہو جاتی ہے .. ۱۳۴

ایلاء کا بیان ۱۳۹

خُلع کا بیان ۱۵۹

ظہار کے بیان میں ۱۶۶

کفارے کا بیان ۱۷۲

لعان کا بیان ۱۸۸

باب العنّین وغیرہ ۲۰۱

عدّت کا بیان ۲۰۶

فصل ۲۲۲

ثبوتِ نسب کا بیان ۲۲۹

بچّے کی پرورش کا بیان اور یہ کہ اس کی پرورش کا زیادہ حقدار کون ہے۔ .. ۲۴۱

فصل ۲۴۷

نفقے کا بیان ۲۴۹

فصل ۲۶۱

فصل ۲۶۷

Marfat.com

فصل	۲۷۰
فصل	۲۷۳
فصل	۲۸۳

Marfat.com

طالعۂ عُلومِ اسلامیہ

406

اُردو ترجمہ

کتابُ الطّلاق

مِنَ الہِدایۃ

از

ری احمد ایم اے (علومِ اسلامیہ) ایم اے (عربی) ایم، او، ایل، بی، ایڈ
فاضلِ درسِ نظامی
شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

تجدید نظر

احمد صدیقی ایم اے (عربی)۔ ایم اے (علومِ اسلامیہ)
شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

تبۃ العلمیۃ - ۱۵ لیک روڈ - لاہور

Marfat.com